شہدائے کربلا

مصنّف

علامہ سیّد علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

بملکیت
العبد
مجاور عباس اعوان

شہدائے کربلا

از:

علامہ سید علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ

maablib.org

ناشر
رحمت اللہ بک ایجنسی
بالمقابل بڑا امام بارگاہ کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰
فون 2431577

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : شہدائے کربلا

مصنف : علامہ سید علی نقی نقوی اعلیٰ اللہ مقامہ

تعداد : 1100 (گیارہ سو)

تاریخ اشاعت جدید : اپریل 1999

ناشر : رحمت اللہ بک ایجنسی

قیمت : 75 روپے

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام بارگاہ، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰

فون 2431577

maablib.org

فہرست مضامین کتاب شہدائے کربلا

	مضمون	صفحہ نمبر
۱-	تمہید	۹
۲-	کربلا کا سب سے پہلا شہید	۱۲
۳-	مسلم بن عوسجہ	۱۳
۴-	عبداللہ بن عمیر الکلبی	۲۱
۵-	نجح بن سہم	۴۲
۶-	عمرو بن خالد	۴۴
۷-	سعد مولی عمرو بن خالد	۴۵
۸-	مجمع بن عبداللہ	۴۶
۹-	عائذ بن مجمع	۴۸
۱۰-	جنادۃ بن حارث سلمانی	۴۹
۱۱-	جندب بن حجر کندی خولانی	۵۰
۱۲-	ادہم بن امیہ عبدی بصری	۵۱
۱۳-	امیہ بن سعد بن زید طائی	۵۲
۱۴-	جابر بن حجاج	۵۲
۱۵-	جبلۃ بن علی شیبانی	۵۳
۱۶-	جنادۃ بن کعب بن حارث	۵۴
۱۷-	جوین بن مالک بن قیس	۵۴
۱۸-	حارث بن امراء القیس بن عابس جندی	۵۵
۱۹-	حارث بن نبہان	۵۶
۲۰-	حباب بن حارث	۵۶
۲۱-	حباب بن عمار بن کعب تیمی	۵۶

maablib.org

	مضمون	صفحہ نمبر
۲۲-	حبشۃ بن قیس التیمی	۵۷
۲۳-	حجاج بن زید سعدی تمیمی	۵۷
۲۴-	جلاس بن عمرو ازدی راسبی	۵۸
۲۵-	حنظلہ بن عمرو شیبانی	۵۹
۲۶-	زاہر بن عمرو اسلمی کندی	۵۹
۲۷-	زہیر بن بشر خثعمی	۶۰
۲۸-	زہیر بن سلیم بن عمرو ازدی	۶۰
۲۹-	سالم مولی عامر بن مسلم العبدی	۶۰
۳۰-	سلیم	۶۰
۳۱-	سوار بن ابی عمیر نہمی	۶۱
۳۲-	سیف بن مالک عبدی	۶۱
۳-	شعیب بن عبداللہ	۶۲
۳۴-	شعیب بن عبداللہ نہشلی	۶۳
۳۵-	ضرغامۃ بن مالک تغلبی	۶۴
۳۶-	عامر بن مسلم عبدی بصری	۶۵
۳۷-	عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جہنی	۶۵
۳۸-	عبدالرحمان بن عبدرب انصاری	۶۷
۳۹-	عبدالرحمان بن عبداللہ بن کدن ارحبی	۶۸
۴۰-	عبدالرحمان بن مسعود	۶۸
۴۱-	عبداللہ بن بشر خثعمی	۶۹
۴۲-	عبداللہ بن یزید بن ثبیط قیسی	۶۹
۴۳-	عمار بن ابی سلامہ دالانی	۶۹

maablib.org

صفحہ نمبر	مضمون	
۷۰	عمار بن حسان طائی	۴۴-
۷۱	عمرو بن ضبیعۃ بن قیس	۴۵-
۷۱	بن ثعلبہ صبعی تیمی	۴۶-
۷۱	عمران بن کعب بن حارث اشجعی	۴۷-
۷۲	قارب مولی الحسین	۴۸-
۷۲	قاسط بن زہیر بن حارث تغلبی	۴۹-
۷۳	قاسم بن حبیب بن ابی بشر ازدی	۵۰-
۷۳	کردوس بن زہیر بن حارث	۵۱-
۷۴	کنانہ بن عتیق تغلبی	۵۲-
۷۴	مجمع بن زیاد بن عمرو جہنی	۵۳-
۷۵	مسعود بن حجاج تیمی	۵۴-
۷۶	مسلم بن کثیر اعرج	۵۵-
۷۸ ۷۷	مقسط بن زہیر بن حارث تغلبی	۵۶-
۷۷	منع بن زیاد	۵۷-
۷۸	نصر بن ابی نیزر	۵۸-
	نعمان بن عمرو ازدی راسبی	۵۹-
۷۸	نعیم بن عجلان انصاری	۶۰-
۷۹	بجیر بن ہی بن تیم اللات بن ثعلبہ تیمی	۶۱-
۷۹	عمرو بن جنادہ بن کعب خزرجی	۶۲-
۸۲	یزید بن حصین مشرقی	۶۳-
۸۳	حبیب ابن مظاہر اسدی	۶۴-
۹۹	حر بن یزید ریاحی	۶۵-
۱۲۹	سعید بن عبداللہ حنفی	۶۶-
۱۳۴	زہیر بن قین	۶۷-

maablib.org

	مضمون	صفحہ نمبر
۶۸-	سلمان بن مضارب بن قیس الجبلی	۱۴۸
۶۹-	عمرو بن قرظہ بن کعب الانصاری	۱۴۸
۷۰-	نافع بن ہلال جملی	۱۵۱
۷۱-	بریر بن خضیر ہمدانی	۱۶۲
۷۲-	شوذب بن عبداللہ	۱۷۱
۷۳-	عابس بن ابی شبیب شاکری	۱۷۲
۷۴-	عبداللہ بن عروہ بن حراق غفاری	۱۷۸
۷۵-	عبدالرحمان بن اسعد شبامی	۱۸۴
۷۶-	سیف بن حارث بن سریع ہمدانی	۱۸۴
۷۷-	مالک بن عبد بن سریع	۱۹۲
۷۸-	ابو ثمامہ صائدی	۱۹۵
۷۹-	جون (غلام ابوذر غفاری)	۱۹۹
۸۰-	غلام ترکی	۲۰۱
۸۱-	انس بن حارث اسدی	۲۰۵
۸۲-	حجاج بن مسروق جعفی	۲۰۶
۸۳-	زیاد بن غریب ہمدانی	۲۰۸
۸۴-	سالم بن عمرو بن عبداللہ مولی بنی المدینۃ الکلبی	۲۰۹
۸۵-	سعد بن حارث مولی امیر المومنینؑ	۲۱۰
۸۶-	عمر بن جندب حضرمی	۲۱۱
۸۷-	قعنب بن عمرو النمری	۲۱۲
۸۸-	یزید بن ثبیط العبدی	۲۱۲
۸۹-	یزید بن زیاد بن مہاصر ابو الشعثاء الکندی	۲۱۳
۹۰-	یزید بن مغفل الجعفی	۲۱۵
۹۱-	رافع بن عبداللہ	۲۱۵

maablib.org

صفحہ نمبر	مضمون	
۲۱۲	سب سے آخری شہداء	
۲۱۳	بشر بن عمرو بن الاحدوث الحضرمی	۹۲-
۲۱۶	سوید بن عمرو بن ابی المطاع	۹۳-
۲۱۶	بعض دوسرے شہداء کے نام جو مختلف کتابوں میں درج ہیں	
۲۱۷	ابراہیم بن الحصین الاسدی	۹۴-
۲۲۰	ابو الحتوف الانصاری	۹۵-
۲۲۱	ابو عمرو نہشلی	۹۶-
۲۲۱	احمد بن محمد ہاشمی	۹۷-
۲۲۲	انیس بن معقل اصبحی	۹۸-
۲۲۲	خالد بن عمرو بن خالد ازدی	۹۹-
۲۲۲	سعد بن حارث الانصاری	۱۰۰-
۲۲۲	سعید بن حنظلہ تمیمی	۱۰۱-
۲۲۳	شبیب بن جراد الکلابی الوحیدی	۱۰۲-
۲۲۳	طرماح بن عدی	۱۰۳-
۲۲۵	عبد الرحمان بن عبد اللہ یزنی	۱۰۴-
۲۲۵	علی بن مظاہر اسدی	۱۰۵-
۲۲۶	عمرو بن مطاع جعفی	۱۰۶-
۲۲۶	عمیر بن عبد اللہ مذحجی	۱۰۷-
۲۲۶	قرہ بن ابی قرہ غفاری	۱۰۸-
۲۲۷	مالک بن اوس مالکی	۱۰۹-
۲۲۷	مالک بن دودان	۱۱۰-
۲۲۷	محمد بن مطاع	۱۱۱-
۲۲۷	معلی بن المعلی	۱۱۲-
۲۲۸	یحییٰ بن سلیم مازنی	۱۱۳-

maablib.org

	مضمون	صفحہ نمبر
۱۱۴-	یحییٰ بن کثیر انصاری	۲۲۹
۱۱۵-	یحییٰ بن ہانی عروہ مرادی	۲۲۹
	شہدائے بنی ہاشم	۲۳۰
	بنی ہاشم میں سب سے پہلا شہید	۲۳۰
۱-	حضرت علی اکبرؑ	۲۳۱
۲-	عبداللہ بن عقیلؑ	۲۶۲
۳-	محمد بن مسلم بن عقیلؑ	۲۶۴
۴-	جعفر بن عقیلؑ	۲۶۵
۵-	عبدالرحمان بن عقیلؑ	۲۶۷
۶-	عبداللہ بن عقیلؑ	۲۶۹
۷-	موسیٰ بن عقیلؑ	۲۷۰
۸-	عون بن عقیلؑ	۲۷۰
۹-	علی بن عقیلؑ	۲۷۳
۱۰-	جعفر بن عقیلؑ	۲۷۹
۱۱-	محمد بن عقیلؑ	۲۸۱
۱۲-	محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؑ	۲۸۱
۱۳-	عون بن عبداللہ بن جعفرؑ	۲۸۴
۱۴-	عبیداللہ بن عبداللہ بن جعفرؑ	۲۸۶
۱۵-	قاسم بن محمد بن جعفرؑ	
۱۶-	عبداللہ بن ابی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلبؑ	۲۸۷
۱۷-	عبداللہ بن الحسن بن علی بن ابی طالبؑ	۲۸۸
۱۸-	قاسم بن الحسنؑ	۲۸۹
۱۹-	ابوبکر بن الحسنؑ	۲۹۸

	مضمون	صفحہ نمبر
۲۰-	بشر بن الحسنؑ	۳۰۰
۲۱-	احمد بن الحسنؑ	۳۰۰
۲۲-	ابو بکر بن علیؑ	۳۰۳
۲۳-	عمر بن علیؑ	۳۰۶
۲۴-	عون بن علیؑ	۳۰۹
۲۵-	ابراہیم بن علیؑ	۳۱۱
۲۶-	محمد الاوسط ابن علیؑ	۳۱۱
۲۷-	عبید اللہ بن علیؑ	۳۱۳
۲۸-	عثمان بن علیؑ	۳۱۴
۲۹-	جعفر بن علیؑ	۳۱۹
۳۰-	ابو الفضل عباس بن علیؑ	۳۲۰
۳۱-	عبد اللہ بن الحسینؑ	۳۳۹
۳۲-	علی اصغرؑ	۳۳۹
۳۳-	ابراہیم بن الحسینؑ	۳۴۵
۳۴-	محمد بن الحسینؑ	۳۴۷
۳۵-	حمزہ بن الحسینؑ	۳۴۸
۳۶-	جعفر بن الحسینؑ	۳۴۸
۳۷-	عمر بن الحسینؑ	۳۴۸
۳۸-	زید بن الحسینؑ	۳۴۹
۳۹-	عبد اللہ بن الحسینؑ	۳۴۹
۴۰-	محمد بن ابی سعید بن عقیلؑ	۳۵۰
۴۱-	اختتامی تبصرہ	۳۵۱

مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطاہرین

تاریخ اسلام میں واقعۂ کربلا کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس عظیم الشان واقعہ سے متعلق اشخاص کے حالات و خصوصیات زندگی کے معلوم کرنے کا شوق پیدا ہو چنانچہ اسی بنا پر مجھ سے متعدد بار اس ضرورت کا اظہار کیا گیا کہ شہدائے کربلا کے حالات زندگی کے متعلق ایک مستقل تصنیف مرتب کی جائے۔

یہ کام بہت مشکل تھا اگر مجھے سہارا دینے کے لئے عربی زبان میں ایک اس طرح کی تصنیف کا نمونہ موجود نہ ہوتا۔

یہ کتاب "ابصار العین فی انصار الحسین" ہے جو عراق کے ایک باخبر وسیع النظر فاضل آقا شیخ محمد سماوی کی تصنیف ہے۔ اگرچہ میں نے اپنی عادت کے مطابق چھان بین کی ہے اور اصل ماخذوں کی طرف رجوع کیا ہے چنانچہ جو امر مجھے ماخذوں کے لحاظ سے غیر مستند معلوم ہوا اسے نظر انداز کر دیا ہے اور بہت سے امور اپنے ذاتی علوم کے لحاظ سے درج کئے ہیں لیکن بہرحال مجھ کو اس کتاب سے مدد ضرور ملی ہے جس کا تذکرہ نہ کرنا اصول امانت و دیانت کے خلاف ہے اور ناسپاس گذاری کی حیثیت رکھتا ہے۔

عراق میں ایک دوسری کتاب بھی اسی موضوع پر "ذخیرۃ الدارین" کے نام سے شائع ہوئی ہے لیکن اس میں وہ واقعات کے اختلافات میں روایات کے انتخاب میں احتمال واسطہ یا جست سے کام نہیں لیا گیا ہے اس کے مصنف جو ایک معروف عالم ذاکر ہیں کوئی ذمہ دار [illegible] ایسی ہستیاں ہیں جو [illegible] کے قائل ہیں

میری ترتیب میں [illegible] کی ترتیب سے [illegible] مختلف ہے میں اس کو تاریخی اصول پر مرتب کرنا چاہتا ہوں یعنی [illegible] جو پہلے شہید ہوئے ہیں ان کے حالات پہلے اور جو بعد شہید ہوئے ان کے حالات بعد [illegible] کتاب کے دو حصے قرار دیتا ہوں پہلے حصہ میں اصحاب اور انصار کا تذکرہ ہوگا جو بنی ہاشم کے علاوہ تھے اور دوسرے حصہ میں [illegible] بنی ہاشم کا تذکرہ ہوگا جو بنی ہاشم تھے [illegible] شہداء کی ترتیب [illegible] واقعات کے [illegible] ہوئی ہیں اختیار کرتا ہوں [illegible] قائم [illegible]

maablib.org

(۱)

کربلا کا سب سے پہلا شہید

عام طور پر اس محل میں حر بن یزید ریاحی کا نام لیا جاتا ہے۔ مناقب ابن شہر آشوب کی ترتیب بھی اس کی مقتضی ہے اور ارباب مقاتل نے اکثر اسی کی پیروی کی ہے، پھر کاشانی نے ناسخ التواریخ میں بخیال خود طبری کے تتبع میں حر کے پہلے عبداللہ بن عمیر کلبی کی شہادت درج کی ہے لیکن یہ دونوں خیال حقیقت سے دور ہیں

پہلی غلط فہمی کی بنیاد اور اُس کے خلاف حقیقت کی نقاب کشائی میں نے محاربۂ کربلا میں تفصیل کے ساتھ کر دی ہے۔ رہ گئی دوسری غلط فہمی اُس کی بنیاد صرف اتنی ہے کہ طبری نے یسار اور سالم فوج یزیدی کے دو غلاموں کی مبارز طلبی اور عبداللہ بن عمیر کا اُن دونوں کو قتل کرنا واقعات جنگ میں سب سے پہلے ذکر کیا ہے لیکن عبداللہ بن عمیر اس موقع پر شہید نہیں ہوئے، وہ اُن دونوں سپاہیوں کو قتل کر کے اپنی فوج میں واپس آ گئے تھے اور شہید اس کے بعد ہوئے ہیں جس کی تصریح طبری میں درج ہے اور ہم نے "محاربۂ کربلا" میں بھی نقل کی ہے۔ ابن شہر آشوب نے عبداللہ بن عمیر کو حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں ذکر کیا ہے جو ظہر کے قبل ہوا ہے بلطف یہ ہے کہ صاحب ناسخ نے عبداللہ بن عمیر کو مبارز طلبی کے سلسلہ میں پہلا مقتول قرار دینے کے بعد پھر ترتیب شہداء کو صاحب مناقب کے تتبع میں حر کے ساتھ قائم کیا ہے اور حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں عبداللہ بن عمیر کے نام کو درج کر دیا ہے۔ یہ صاحب ناسخ کی وہ غیر ذمہ دارانہ کارروائیاں ہیں جن کی نظیریں اس رسالہ میں بہت آئینگی

سب سے پہلے شہید کے متعلق حقیقت واقعہ جو کچھ ہے وہ میں نے "محاربۂ کربلا" میں بیان کر دی ہے اور اُسی کے مطابق یہاں درج کیا جاتا ہے۔

مسلم بن عوسجہ الاسدی

نام و نسب اور کنیت مسلم بن عوسجہ بن سعد بن ثعلبہ بن ددوان بن اسد بن خزیمۃ الاسدی السعدی۔ کنیت "ابو حجل"

اوصاف و خصوصیات ممتاز و معزز اشراف عرب میں سے سردار قوم عابد و تہجد گذار تھے (۲) صاحب ابصار العین کی روایت کے مطابق صحابی تھے، رسول کی زیارت کی تھی اور شعبی ایسے محدث نے ان سے روایت احادیث کی ہے۔ ان تمام خصوصیات کے ساتھ فارس تھے اور میدان شجاعت میں کارہائے نمایاں انجام دئے تھے سنہ ۲۰ھ میں حذیفہ بن الیمان کی سرکردگی میں فوج اسلام نے ایران کے ترکستانی علاقہ "آذربائیجان" کو فتح کیا۔ اس جنگ میں مسلم بن عوسجہ بھی موجود تھے اور انھوں نے اس روز چھ آدمیوں کو مشرکین میں سے قتل کیا تھا

ایک مکمل طاقتور جوان ہونے کے اعتبار سے اگر ان کی عمر اس وقت بیس برس بھی مانی جائے تو واقعۂ کربلا میں ان کی عمر ساٹھ برس کی قرار پاتی ہے اور اس لئے ان کا شمار مجاہدۂ کربلا کے سن رسیدہ اور ضعیف العمر اشخاص میں ہے۔

حضرت مسلم کی حمایت اُس موقع پر جب جناب مسلم بن عقیل کوفہ میں وارد ہوئے ہیں اور حضرت سید الشہدا کی بیعت اہل کوفہ سے لینا شروع کی ہے تو مسلم بن عوسجہ نے اس خدمت میں نمایاں حصہ لیا اور وہ جناب مسلم بن عقیل کے نمائندۂ خاص اور معتمد ہونے کی حیثیت سے لوگوں کو اس مقصد کے ساتھ متحد کرتے اور امام حسین کی بیعت لیتے تھے۔

چنانچہ ابن زیاد نے کوفہ میں آنے کے بعد جب لوگوں کو جناب مسلم کی طرف سے برگشتہ بنانا شروع کیا اور مسلم مختار بن ابی عبیدہ کے گھر سے راز داری کے ساتھ ہانی بن عروہ کے مکان میں منتقل ہو گئے اور ابن زیاد نے حضرت مسلم کی سراغ رسانی کے لئے اپنے غلام معقل کو تین ہزار درہم دیکر مقرر کیا کہ وہ مکر و فریب کے ساتھ مسلم کا پتہ چلائے اور معقل اس فکر میں مسجد جامع میں آیا تو اُسے معلوم ہوا کہ مسلم بن عوسجہؓ اسدی جو اس وقت اُسی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے مسلم بن عقیل کے نمائندہ خاص ہیں اور اُن کی طرف سے حسین بن علی کی بیعت لیتے ہیں۔ یہ معلوم کر کے وہ مسلم بن عوسجہ کے پاس آیا اور بیٹھ گیا جب مسلم نماز سے فارغ ہوئے تو اُس نے کہا کہ میں شام کا رہنے والا ذوالکلاع کا غلام ہوں اور خدا کے فضل سے اس خاندان (اہلبیت) کے ساتھ محبت رکھتا ہوں مجھے معلوم ہوا کہ اُس خاندان میں سے کوئی بزرگ آج کل کوفہ میں آئے ہوئے ہیں اور لوگوں سے رسولخدا کے نواسے کی بیعت لے رہے ہیں مجھے تمنا پیدا ہوئی کہ میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوں اور یہ تین ہزار درہم جو میرے پاس ہیں اُن کی خدمت میں نذر کر دوں۔ مگر اب تک کوئی ایسا شخص نہ ملا جو مجھے اُن کی خدمت میں پہونچائے یا اُن کا پتہ بتائے۔ ابھی ابھی میں اس مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے کچھ مسلمانوں کو یہ کہتے سنا آپ کے متعلق کہ انھیں اُس خاندان کے لوگوں سے واقفیت حاصل ہے۔ اب میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ یہ روپیہ مجھ سے لے لیجئے اور مجھے اُن بزرگ کی خدمت میں لے چلئے کہ میں اُن سے بیعت کر دوں اور اگر آپ چاہیں تو اُن کے پاس جانے سے پہلے یہیں مجھ سے بیعت لے لیجئے۔

یہ مکارانہ تقریر تھی جس کو صاف دل اور نیک نیت مسلم بن عوسجہ نے حقیقت پر محمول سمجھا اور جواب دیا

"مجھے تمھاری ملاقات سے بہت خوشی ہوئی اور مسرت حاصل ہوئی اس بات پر کہ تم اپنی خواہش میں کامیاب ہو اور تمھارے ذریعہ سے اہلبیت رسول کو کچھ تقویت حاصل ہو بے شک مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میری کارگزاریاں اس معاملہ میں اس کے نشو ونما پانے کے پہلے ہی تمھارے کانوں تک پہونچیں جس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ظالم ابن زیاد کو بھی اس کی اطلاع نہ ہو جائے"

بہرحال کافی اطمینان اور عہد و پیمان اور رازداری کے وعدوں کے ساتھ مسلم بن عوسجہ نے اقرار کیا کہ میں چند روز میں تمھارے لئے مسلم بن عقیل سے اجازت حاصل کر دوں گا۔ چنانچہ معقل اس کے بعد چند روز تک برابر آتا جاتا رہا یہاں تک کہ مسلم بن عوسجہ کے ساتھ جناب مسلم کے پاس پہونچا اور آخر اسی کی خبر رسانی سے ہانی بن عروہ کے گھر میں مسلم بن عقیل کے فروکش ہونے کی اطلاع ابن زیاد کو پہونچ گئی۔

جب ہانی بن عروہ گرفتار ہو گئے اور مسلم بن عقیل جنگ پر آمادہ ہوئے اور آپ نے اپنے انصار و اعوان کے لشکر کو فراہم کیا تو اس وقت بھی مسلم بن عوسجہ جناب مسلم کے ساتھ تھے اور جب فوج کی ترتیب ہونے لگی تو قبیلۂ مذحج اور اسد کی سپہ سالاری مسلم بن عوسجہ ہی کے متعلق ہوئی اور پیادوں کے سرداربھی قرار دے گئے۔

بس اس کے بعد تاریخیں خاموش ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ مسلم بن عقیل کی شہادت کے موقع پر مسلم بن عوسجہ کہاں تھے، میں نے اپنے رسالہ "قاتلان حسین کا مذہب" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جب مسلم بن عقیل کے ساتھ والی قلیل فوج نے ابن زیاد کے منظم شاہی سامان جنگ کے مقابلہ میں شکست کھائی تو مسلم بن عوسجہ وغیرہ چند دیگر اشخاص نے یہ پورا اندازہ کر لیا کہ اب مسلم کی جان کی حفاظت غیر ممکن ہے۔ اس لئے اب سوال صرف اپنی جان کا ہے کہ اسے بھی قربان کر دیا جائے لیکن جبکہ یہ معلوم ہے کہ فرزند رسول امام حسینؑ کوفہ کی جانب متوجہ ہیں تو یہ جان اُن کے ساتھ اگر

کام کیوں نہ آئے اور اُس وقت ممکن ہے ہمارے خدمات کچھ کارآمد بھی ثابت ہوں۔ اس خیال سے ان لوگوں نے پھر مسلم بن عقیل کے ساتھ اپنی جانوں کو وابستہ نہیں کیا اور وہ اپنے اپنے گھروں میں اور اپنے قبیلوں میں مخفی ہو گئے اور جب یہ معلوم ہوا کہ امام حسینؑ عراق کے حدود میں آ گئے تو یہ کسی طرح نکل کر حسینؑ کے پاس پہونچے۔ یہ ممکن ہے کہ مسلم بن عقیل سے ان کی علیحدگی خود حضرت مسلم کے ایماء و اشارہ یا کم از کم اجازت سے ہو ورنہ اگر کسی طرح کی بھی بے وفائی اور حضرت مسلم کی امداد میں کوتاہی ان کے دامن پر ہوتا تو کم از کم حضرت سید الشہداء سے کسی طرح کی معذرت آپ کا قبول عذر یا عتاب و تنبیہ تاریخوں سے کہیں نہ کہیں موجود ملتا۔ یہ بھی بتلانا تاریخ کے رو سے دشوار ہے کہ مسلم بن عوسجہ امام حسینؑ کے پاس آ کر کہاں اور کب ملے۔

ابصار العین میں لکھا ہے:

ان مسلم بن عوسجة بعد ان قتل مسلم وهانی وقد اختفى مدة فر باهله الى الحسين فوافاه بكربلاء وقتل الا بنفسه

جب مسلم و ہانی گرفتار ہو گئے اور قتل کئے گئے تو مسلم بن عوسجہ ایک مدت تک روپوش رہے پھر کسی طرح اپنے متعلقین سمیت کوفہ سے بھاگ کر امام حسینؑ کے پاس کربلا پہونچے اور اپنی جان فدا کی۔

maablib.org

امام کا خطبہ اور اُس کا جواب

شب عاشور امامؑ نے جو تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا ہے جس میں آپ نے اپنے اصحاب کو بیعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کرنا چاہا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ "تم مجھ کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جاؤ اور مجھے اکیلا چھوڑ دو اس لئے کہ ان لوگوں کو جو کچھ کام ہے وہ مجھ سے ہے اور تم لوگوں سے کوئی غرض نہیں ہے" اس کے جواب میں عزیزوں کے بعد سب سے پہلے مسلم بن عوسجہ اسدی ہی کھڑے ہوئے تھے اور یہ

پُرجوش، پُرخلوص، دل سے نکلے ہوئے الفاظ کہے تھے جو دنیائے تاریخ میں ابتک یادگار ہیں

انحن نخلّی عنك ولمّا نعذر الی الله فی اداء حقك اما والله حتی اکسر فی صدورهم رمحی و اضربهم بسیفی ما ثبت قائمه فی یدی ولا افارقك ولو لم یكن معی سلاح اقاتلهم به لقذفتهم بالحجارة دونك حتی اموت معك (۱)

کیا ہم آپکو چھوڑ کر چلے جائیں بغیر اسکے کہ خدا کے سامنے جوابدہی کا سامان کر سکیں آپ کے حق کی ادائی میں، خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا یہانتک کریں انکے سینوں میں اپنے نیزہ کو توڑ دوں اور انکو میں تلواریں لگاتا رہوں گا جب تک اُس کا قبضہ میرے ہاتھ میں رہے اور میں آپ سے کبھی جدا نہونگا اور اگر میرے پاس ہتھیار نہونگے جن سے جنگ کروں تو میں انھیں پتھر ماروں گا آپ کی نصرت میں یہانتک کہ آپ ہی کے ساتھ رہ کر مرجاؤں' (۲)

شمر کی گستاخی پر مسلم بن عوسجہ کا غصہ

صبح عاشور جنگ چھڑنے سے پہلے اُسوقت جب سید الشہداؑ نے خندق میں آگ روشن کرائی ہے شمر بن ذی الجوشن گھوڑے پر سوار لوہے میں غرق خیام حسینی کی طرف سے ہو کر گذرا اور ہر طرف آگ مشتعل دیکھ کر اُس نے پکار کر آواز دی

یاحسین استعجلت النار فی الدنیا قبل یوم القیامۃ

تم نے آخرت کے پہلے دنیا ہی میں آگ کا سامان کر لیا؟

اس موقع پر مسلم بن عوسجہ کا جوش ایمانی تاب نہ لا سکا تھا۔ امام سے عرض کیا تھا کہ اجازت دیجئے میں اسے تیر کا نشانہ بنالوں یہ اس وقت بالکل زد پر ہے۔ مگر امام نے منع کیا اور فرمایا کہ ابتدا جنگ کی میں نہیں کرنا چاہتا۔

شہادت اُس وقت جب عمرو بن الحجاج نے عمر بن سعد کی فوج کے میمنہ کے ساتھ

فرات کی جانب سے فوج امام حسینؑ پر حملہ کیا ہے اور حسینی فوج کے میسرہ نے پامردی سے جنگ کی ہے جس سے دشمن کو پسپا ہونا پڑا، اسی وقت جب دامن غبار کا چاک ہوا تو مسلم بن عوسجہ زمین پر غلطاں نظر آئے امام حسینؑ مسلم کے سرہانے گئے۔ دیکھا کہ ایک رمق حیات باقی ہے حضرت نے فرمایا

رحمک ربک یا مسلم بن عوسجۃ منھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا — خدا اپنی رحمت تمھارے شامل حال کرے۔ اے مسلم تم چلو عنقریب ہماری بھی نوبت آیا چاہتی ہے

اس وقت کا یادگار واقعہ مسلم بن عوسجہ اور حبیب بن مظاہر کا وہ مکالمہ ہے جو میں محاربۂ کربلا میں لکھ چکا ہوں۔ حبیب کا جنت کی مبارکباد دینا اور مسلم بن عوسجہ کا خاک و خون میں افتادگی کی حالت میں اُس مبارکباد کو خوشی خوشی قبول کر کے دعائے خیر کرنا اور پھر حبیب کا یہ کہنا کہ مجھے دنیا میں رہنا ہوتا تو کہتا کچھ وصیت کرو“ اور اس پر مسلم کا یہ کہنا کہ ”وصیت جو کچھ ہے وہ یہی ہے کہ ان پر اپنی جان نثار کرنا“

یہ وفا و محبت، استقلال و پامردی، اطمینان و سکون نفس کی وہ مثالیں ہیں جو ان بہادروں پر ختم ہو گئیں۔

طبری نے تصریح کی ہے کہ مسلم بن عوسجہ اصحاب حسینی میں سب سے پہلے مقتول تھے (۱) اس کی تصدیق اُس زیارت سے بھی ہوتی ہے جس میں نام بنام شہدائے کربلا پر سلام کیا گیا ہے اور جسے سید بن طاؤس نے ناحیہ مقدسہ کے اسناد کے ساتھ درج کیا ہے اور علامہ مجلسی نے تحفۃ الزائر میں سولہویں زیارت کے عنوان سے اُسے نقل کیا ہے اس میں مسلم بن عوسجہ پر سلام کرتے ہوئے صاف یہ الفاظ مذکور ہیں۔

کنت اول من شری نفسہ و — آپ سب سے پہلے شخص تھے جس نے (روز عاشور)

اول شهيد من شهداء الله — اپنی جان کو فروخت کیا اور سب سے پہلے شہید ہوئے

قضى نحبه ففزت ورب الكعبة — جس نے اپنی جان نثار کی۔ خدا کی قسم آپ بڑے درجہ پر فائز ہوئے۔

اس کے برخلاف مناقب ابن شہر آشوب میں عمیر بن عبداللہ مذحجی کے بعد مسلم بن عوسجہ کی مبارز طلبی مذکور ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے یہ رجز پڑھی

ان تسألوا عني فاني ذو لبد — اگر مجھے دریافت کرو تو معلوم ہونا چاہیے کہ

من فرع قوم في ذرى بني اسد — میں عالی بنی اسد کے قبیلہ میں کا جو شخص

فمن بغانا حائد عن الرشد — ہماری مخالفت کرے وہ راہ راست سے

وكافر بدين جبار صمد — منحرف اور خدا کے دین کا منکر ہے

اس کے بعد جنگ کی یہاں تک کہ مسلم ضبابی اور عبدالرحمن بجلی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ اس کو مذکورہ بالا تاریخ و زیارت کی تصریح کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہیں سمجھتا ہوں۔ قاتل کے نام بے شک طبری کی روایت سے متفق ہیں۔ اس میں بھی ہے کہ مسلم بن عوسجہ کے قاتل مسلم بن عبداللہ الضبابی اور عبدالرحمن بن ابی خشکارہ بجلی یہ دو شخص تھے۔ زیارت میں عبدالرحمن بن ابی خشکارہ کے بجائے عبداللہ بن خشکارہ بجلی ہے۔

maablib.org

مسلم بن عوسجہ اُن چند گنتی کے اصحاب میں سے تھے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ خدمت امام میں آئے تھے چنانچہ جب اُن کی شہادت کی خبر خیمہ میں پہونچی تو ایک کنیز نے چیخ مار کر کہا "یا ابن عوسجتاہ یا سیداہ"۔ اس آواز کو سن کر عمرو بن الحجاج کی فوج میں خوشیاں ہونے لگیں کہ ہم نے مسلم بن عوسجہ کو قتل کیا۔ اس پر شبث بن ربعی کو غصہ آگیا اور اس نے کہا

کیا غضب کی بات ہے کہ مسلم بن عوسجہ کا ایسا آدمی قتل ہوا اور تم لوگ خوشیاں مناؤ، بخدا میں نے خود خدمت اسلام میں اس شخص کے کارنامے دیکھے ہیں۔ آذربائیجان کی جنگ میں میرا چشم دید ہے یہ واقعہ کہ ابھی مسلمانوں کے لشکر کی پوری صف بندی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس بہادر نے چھ آدمی فوج مشرکین کے قتل کر دئے ایسا آدمی تمہارے ہاتھ سے مارا جائے اور تم خوش ہو؟

ذاکرین کی زبان سے مسلم بن عوسجہ کی شہادت کے بعد انکے فرزند کی شہادت کا واقعہ تو اکثر ذکر ہوا کرتا ہے۔ اس کا ماخذ تاریخ "روضۃ الاحباب" ہے جس سے صاحب ناسخ نے اس واقعہ کو بایں الفاظ نقل کیا ہے؟

"مسلم را پسری جوان بود چوں پدر را کشتہ دید مانند شیرے شرزہ بر دمید حسین علیہ السلام اورا از آہنگ خویش باز داشت و فرمود اے جوان پدرت شہید شد و اگر تو نیز کشتہ شوی مادرت دریں بیاباں قفر در پناہ کدام کس گریزد پسر مسلم خواست طریق مراجعت سپارد مادرش شتاب زدہ سر راہ بروے گرفت وگفت اے فرزند سلامت نفس را بر نصرت پسر پیغمبر اختیار می کنی ہرگز از تو رضا نخواہم شد پسر مسلم عناں بر تافت و حملہ گراں افگند و مادر از قفایش فریاد ہمی کرد کہ اے پسر شاد باش کہ ہم اکنوں از دست ساقی کوثر سیراب خواہی شد و او مردانہ ہمی کوشید تا پس از قتل سی تن از مشرکان شربت شہادت نوشید کوفیاں سر اورا بریدہ بسوے مادرش افگندند مادر سر را بر داشت و ببوسید و چناں بگریست کہ کساں ہمگاں بگریستند"

فرق اتنا ہے کہ ذاکرین اس جوان کو "بچہ" کہتے ہیں اور اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ بچہ نے کہا یہ ہتھیار میرے جسم پر میری ماں ہی نے لگائے ہیں، "حقیقت میں یہ

پورا واقعہ جنادہ بن کعب خزرجی کے فرزند عمرو بن جنادہ کا ہے جسے غلطی سے مسلم کے فرزند کی طرف منسوب کیا گیا ہے "محاربۂ کربلا" میں اس واقعہ کو درج کر چکا ہوں اور اس حصہ میں بھی "جنادہ بن کعب" کے بعد اس شہید کا تذکرہ حوالۂ کتاب ہوگا۔

ایسے دھوکے ارباب مقاتل کو بہت ہوئے ہیں جن کا تتبع محتاط ذاکرین بے بُجھے کر لیتے ہیں لیکن تاریخی جستجو اُن کا پردہ چاک کر دیتی ہے۔

کمیت بن زید اسدی نے شہدائے کربلا کے مرثیہ میں مسلم بن عوسجہ کا تذکرہ کنیت کے ساتھ ان لفظوں میں کیا ہے۔ وان ابا حجل قتیل مجحل (یعنی) ابو حجل (مسلم بن عوسجہ) بھی مقتول تھے جو زمین پر غلطاں تھے۔

(۲)

عبداللہ بن عمیر الکلبی

نام و نسب | عبداللہ بن عمیر بن عباس بن عبدقیس بن علیم بن جناب الکلبی العلیمی۔ ان کی کنیت کی مطابقت طبری کی اُس روایت سے ہوتی ہے جو عنقریب آنیوالی ہے جس میں ان کی زوجہ کو "ام وہب" کے نام سے یاد کیا ہے کیونکہ عرب میں قاعدہ تھا کہ فرزند کی ولادت کے ساتھ باپ اور ماں دونوں اُس کی طرف منسوب کر کے پکارے جاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے کوئی فرزند "وہب" نام ہے ہوئے ہونگے۔

سکونت | کوفہ کے رہنے والے تھے۔ طبری کی روایت کے مطابق قبیلۂ ہمدان کے "بئر جعد" نام کنویں کے پاس ذاتی مکان میں سکونت رکھتے تھے۔ یہ مقام کوفہ کی گنجان آبادی سے بالکل باہر اُن باغات خرما کے قریب تھا جو "نخیلہ" کے حدود میں تھے۔ ان کے ساتھ ان کی رفیقۂ حیات رہتی تھیں جو قبیلۂ نمر بن قاسط سے تھیں ام وہب بنت عبد کے نام سے یاد کیجاتی تھیں

اوصاف وخصوصیات اہل سیر کا قول ہے کان بطلا شجاعا شریفا (یعنی) بڑے سورما، بہادر اور شریف الفنان تھے شیخ طوسیؒ نے کتاب الرجال میں ان کا پہلے اصحاب امیرالمومنینؑ میں اور دوبارہ اصحاب امام حسینؑ میں شمار کیا ہے۔ طبری کی روایت کے مطابق ان کا کوئی خصوصی تعارف حضرت سید الشہداء کے ساتھ روز عاشور کے قبل ظاہر نہیں ہوتا ممکن ہے کہ ان کا اصحاب حسینؑ میں شمار کیا جانا صرف شہدائے کربلا میں محسوب ہونے کے لحاظ سے ہو۔

حلیہ گندمی رنگ لانبا قد مضبوط کلائیاں اور بازو۔ چوڑی پشت اور سینہ یہ وہ حلیہ ہے جسے سر سے پیر تک دیکھ کر امام حسینؑ نے فرمایا تھا کہ یہ بہادر اور جنگ آزما جوان معلوم ہوتا ہے" اور جہاد کی اجازت دی تھی

عزم نصرت اس موقع پر جب کوفہ میں جناب مسلم کی شہادت ہوئی ہے اور ابن زیاد نے قتل امام حسینؑ کی طیاری شروع کی ہے عبداللہ بن عمیر اپنے اُس مکان میں تھے جو بئر جعد کے پاس واقع تھا۔ ان کو موجودہ واقعات سے بالکل اطلاع نہ تھی جب امام حسینؑ کربلا میں پہونچ چکے اور ابن زیاد نے اپنا لشکرگاہ نخیلہ میں قرار دیا تاکہ وہاں سے فوجوں کو معائنہ کے بعد کربلا کی جانب روانہ کیا جائے تو اس غیر معمولی صورت حال کو عبداللہ بن عمیر نے بھی دیکھا اور لوگوں سے واقعہ کی تحقیق کی۔ انہیں بتلایا گیا کہ یہ فوج رسول کے نواسے، فاطمہ کے فرزند حسینؑ سے جنگ کے لئے بھیجی جا رہی ہے۔ یہ سننا تھا کہ بہادر عبداللہ کے ایمانی جذبہ میں تلاطم پیدا ہو گیا۔ اُنھوں نے کہا کہ مجھے مشرکین سے جہاد کرنے کی حسرت رہی ہے یقیناً ان لوگوں سے جہاد کرنا جو اپنے رسول کے نواسے کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں خدا کے نزدیک مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے سے کم درجہ نہیں رکھتا ہو گا۔ یہ بات دل میں ٹھان کر وہ اپنی زوجہ کے پاس آئے اور انہیں اپنے ارادہ سے مطلع کیا۔

پاک عقیدہ اور پرحوصلہ عورت نے آتش شوق کو اور ہوا دیدی۔ اُس نے کہا تم بھی جاؤ اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ چنانچہ رات کے وقت دونوں روانہ ہوئے اور انصار حسین کے ساتھ کربلا میں آکر ملحق ہو گئے۔

جہاد میں سبقت اُس وقت جب فوج عمر بن سعد کی جانب سے تیروں کی بارش ہو چکی جو پیام جنگ کی حیثیت رکھتی تھی یسار اور سالم دونوں زیاد اور ابن زیاد کے غلام میدان جنگ میں آکر مبارزطلب ہوئے انکے مقابلہ کو فوج حسینی سے عبداللہ بن عمیر ہی میدان جنگ میں برآمد ہوئے اور اس طرح سبقت الی الجہاد کے اس خاص امتیاز کو حاصل کرلیا جو واقعہ کربلا کی تاریخ میں اب تک نمایاں ہے۔

اس جنگ کی پوری تفصیل میں "محاربہ کربلا" میں لکھ چکا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ اس موقع پر عبداللہ بن عمیر کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں قطع ہو گئی تھیں۔ زخم خوردگی کا غصہ اور اپنے مقابل دونوں سپاہیوں پر فتح پانے سے جوش شجاعت میں اضافہ ان دونوں سے متاثر ہو کر عبداللہ بن عمیر یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

ان تنکرونی فانا ابن کلب حسبی ببیتی فی علیم حسبی
انی امرؤ ذو مرۃ و عصب ولست بالخوار عند النکب
انی زعیم لک ام وھب بالطعن فیھم مقدما والضرب
ضرب غلام مؤمن بالرب

اس رجز کے آخری تین مصرعوں میں خصوصیت سے "ام وہب" کو مخاطب کیا ہے اور اُسے اطمینان دلایا ہے کہ میں بڑھ بڑھ کر نیزے اور تلواریں لگاؤں گا اور جوش ایمانی کے تقاضے کو پورا کروں گا۔

ممکن ہے کہ یہ عرب بہادروں کے عام رسم کی بناء پر ہو کہ وہ اپنے کارناموں کا گواہ

اپنی شریک زندگی خواتین کو بنایا کرتے تھے مگر وہب کی زوجہ عام عورتوں کے مثل نہ تھی وہ اپنے سینہ میں شیرانہ دل رکھتی تھی اور دل میں ایمان کی غیر معمولی تڑپ، اس کے ساتھ اپنے شوہر سے بے انتہا محبت۔ اُس ایمانی جذبہ کا تقاضا تھا کہ اُس نے اپنے شوہر کے اس اظہار پر کہ میں نصرت حسینؑ کے لئے جانا چاہتا ہوں کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا بلکہ اُس کی ہمت افزائی کی۔ اور اس محبت کا اثر تھا کہ اُس نے شوہر سے علیحدگی گوارا نہیں کی اور یہ کہا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ ممکن ہے اس خواہش میں اُسی وقت یہ نیت مضمر ہو کہ وہ بھی شوہر کے ساتھ میدان جنگ میں داد شجاعت دے گی اس وقت تک اپنے قلبی جذبات کو انتہائی بے چینی کے باوجود شاید وہ روکتی رہی ہو اہلحرم اور ان کی ہمراہی خواتین کو دیکھ کر جو احکام اسلام کے تحت میں میدان جنگ سے کنارہ کشی کے ساتھ خیموں میں ٹھہری ہوئی تھیں اور ہو سکتا ہے کہ اُسے ابھی تک یہ اطلاع بھی نہ ہو کہ اُس کا شوہر میدان جنگ میں پہونچ گیا ہے کیونکہ اُس نے امام سے رخصت ہونے کے موقع پر خیمہ میں آ کے کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔

محبت کا سمندر طوفانی ہو جاتا ہے اور ضبط وتحمل کے ساتھ رکا ہوا اُلفت کا چشمہ بے پناہ سیلابی طاقت کے ساتھ بہ پڑتا ہے جب اُس خاموش جذبہ کو فریق دوم کی جانب سے ذرا چھیڑ دیا جائے

عبداللہ بن عمیر کا میدان جنگ میں یہ شعر پڑھنا انی زعیم لک ام وهب الخ جو ایک طرف ولولۂ جنگ کا مظہر ہے۔ دوسری طرف جوش ایمانی کا محرک ہے اور تیسری طرف قلبی واردات اور تعلق روحانی کا ترجمان ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بہادر جری میدان جنگ کی سخت کٹھن میں اپنی شریکۂ حیات کی یاد اپنے دل میں اور اُس کی تصویر اپنی

آنکھوں میں لئے ہوئے ہے اور اس کے ساتھ گویا اپنی شجاعت اور سرفروشی کی داد اُسی سے لینا چاہتا ہے۔

بس یہ اسباب تھے جن کی بنا پر ان اشعار نے "اُم وہبؓ" کے ضبط و صبر کے لئے "برق خرمن" کا کام کیا اور وہ بے تحاشا ایک گرز ہاتھ میں لیکر میدان جنگ میں آگئی اور پکار کر کہنے لگی

فداك ابى و امى قاتل دون الطيبين ذرية محمد

"میرے ماں باپ دونوں تم پر نثار۔ اولاد رسول کی نصرت میں کوتاہی نہ ہونے پائے"

دلیر و غیور عبداللہ کے لئے یہ منظر انتہائی صبر شکن تھا۔ وہ فوراً زوجہ کے پاس آیا اور چاہا کہ اُسے خیمہ کی طرف پھر بجا دے مگر وہ باتوں میں آنے والی تھی نہیں عبداللہ بن عمیر کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی جس سے دشمن کا خون ٹپک رہا تھا اور دوسرے ہاتھ کی انگلیاں کٹ چکی تھیں جن سے خود لہو جاری تھا پھر بھی اُس نے کوشش کی کہ زبردستی خیمہ کی طرف واپس کرے مگر جوش میں بھری ہوئی عورت نے اپنے کپڑے عبداللہ کے ہاتھ سے چھڑا لئے اور کہنے لگی

"میں تمھیں چھوڑوں گی نہیں جب تک تمھارے ساتھ میں بھی قتل نہ ہوں"

امام حسینؑ نے جو یہ معاملہ دیکھا آواز دی "خدا تم دونوں کو جزائے خیر دے۔ اے مومنہ عورتوں کے پاس واپس جا اور اُن کے ساتھ بیٹھی رہ کیونکہ عورتوں پر سے جہاد ساقط"

ایمان اور اطاعت امام کا احساس بے پناہ جذبۂ اُلفت پر غالب آیا اور عورت خواتین کے پاس خیمہ میں واپس چلی گئی اور اس کے بعد عبداللہ بن عمیر بھی صف مجاہدین میں واپس آگئے۔

شہادت میمنہ والے حملہ کے بعد جس میں مسلم بن عوسجہ شہید ہوئے تھے دوسرا حملہ میسرہ کی

طرف سے شمر بن ذی الجوشن کی قیادت میں ہوا۔ اس طرف بھی اصحاب امام حسینؑ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ عبداللہ بن عمیر نے اس موقع پر کافی جانفشانی کی اور دو سپاہی دشمن کے پھر قتل کئے مگر اس کے بعد وہ ہانی بن ثبیت حضرمی اور بکیر بن حی تیمی کے ہاتھ سے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

طبری نے تصریح کی ہے کہ کان القتیل الثانی من اصحاب الحسینؑ

وہ یہ اصحاب حسین میں دوسرے مقتول تھے

اُلفت و وفا کی بے مثال قربانی

شیدائے شوہر خاتون جس نے اپنی زندگی کی تمام دنیا اپنے عزیز جذبۂ ایمانی کی خاطر قربان کر دی تھی مگر جو اپنے شوہر کا ساتھ آخر وقت تک دینے کا مضبوط ارادہ بھی ٹھان چکی تھی لیکن پھر اطاعت امام کے فولادی شکنجہ سے مجبور ہو کر اپنے دلی ارادوں کو پیس کر کسی طرح خیمہ میں بیٹھی تھی اب یہ معلوم کر کے کہ اُس کا شوہر ہمیشہ کیلئے اُسے چھوڑ گیا اور کربلا کی گرم زمین پر اپنے بہتے ہوئے خون کی سُرخ چادر اُڑھے موت کی نیند سو رہا ہے بے چین ہو گئی اور اس ارادہ سے نہیں کہ وہ جنگ کرے گی یا اپنے شوہر کے خون کا بدلہ لیگی کیونکہ یہ سب باتیں اُس کے ایمان کے نزدیک امام کی ممانعت کے بعد اب حکم خدا کے خلاف تھیں جس کے لئے وہ کسی طرح طیار نہ تھی لیکن صرف اس لئے کہ وہ اپنے شوہر کی لاش سے ایک وداعی ملاقات کرے میدان میں آئی اور شوہر کے سرہانے بیٹھ گئی اُس کے چہرہ سے گرد و غبار صاف کرتی جاتی اور کہتی جاتی تھی۔ کہ "تمھیں جنت مبارک ہو۔ بہشت کی سیر کرنا مبارک ہو" مگر قسی القلب بے رحم درندہ سیرت حیوان خصلت انسانوں کو یہ بھی گوارا نہیں ہوا۔ اُن کی معکوس فطرت اس منظر کو جس کے الفاظ بھی قلب میں رحم و ہمدردی کے جذبات پیدا کرتے ہیں آنکھوں سے دیکھکر رحم و ہمدردی کی طرف مائل ہونے کے بجائے ظلم و تشدد پر آمادہ ہو گئی اور شمر بن ذی الجوشن

نے اپنے غلام کو جس کا نام رستم تھا آواز دی کہ اُس کے سر پر گرز تو لگا دے۔ وہ بڑھا اور اُس نے بے قصور عورت کے سر پر گرز لگایا جس سے وہ اُسی جگہ ختم ہو گئی

وہب کی مشہور روایت اور اُس کے اصلی ماخذ کا پتہ

یہ ہے عبداللہ بن عمیر کی روایت اُس صورت پر جو تاریخ طبری میں مذکور ہے اور جسے ابصار العین میں درج کیا ہے اور علامہ شیخ عبداللہ مامقانی نے تنقیح المقال میں جسے نقل فرمایا ہے۔

اسے دیکھ کر ذاکرین کی اُس روایت کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے جو وہب بن عبداللہ کلبی کی شہادت کے متعلق عام طور سے منبروں پر بیان کی جاتی ہے تو ہمیں واقعات ملتے جلتے نظر آتے ہیں اور اس لئے ذوقِ تحقیق مجبور کرتا ہے کہ اس روایت کے ساتھ اُس روایت کا معیار نقد و تبصرہ کی مطابقت سے جائزہ لیا جائے جس سے ممکن ہے یہ نتیجہ برآمد ہو کہ عبداللہ بن عمیر کلبی اور وہب بن عبداللہ کلبی دو شہید تھے جن کے واقعات کسی حد تک یکساں ہیں یا یہ کہ ان میں کسی ایک کی اصلیت ہے اور دوسرا واقعہ اُسی کی تحریفی شکل سے پیدا ہو گیا ہے جس کی بجائے خود کوئی اصلیت نہیں ہے۔

وہب بن عبداللہ کا نام اور اُن کی شہادت کا تذکرہ کسی حد تک قدیم معتبر ماخذوں میں سب سے پہلے مناقب ابن شہر آشوب میں نظر آتا ہے لیکن وہ اتنا ہے کہ بریر ہمدانی کی شہادت کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے۔

ثم برز وهب بن عبد الله الكلبي وهو يرتجز۔	پھر وہب بن عبداللہ الکلبی میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔
ان تنكروني فانا ابن الكلبي	اگر تم مجھے نہ پہچانتے ہو تو پہچان لو کہ میں کلبی کا فرزند
سوف تروني وترون ضربي	ہوں ابھی ابھی تم دیکھو گے مجھے اور میرے جنگ
وحملتي وصولتي في الحرب	وجدال کو۔ اور میرے حملوں کو اور جنگ میں میری
ادرك ثاري بعد ثار صحبي	شجاعت کو میں اپنے ساتھیوں کا تم سے بدلہ

وادفع الكرب امام الكرب
ليس جهادی فی الوغا باللعب

لوں گا اور اس میں کامیاب ہونگا۔ اور میں جو مصیبتیں پڑینگی اُن کو یکے بعد دیگرے دفع کرونگا میرا جہاد میدان جنگ میں کوئی کھیل نہیں ہے۔

فلم یزل یقاتل حتی قتل منهم جماعة ثم قال لامه یا اماه ارضیت ام لا فقالت ما ارضی او تقتل بین یدی الحسین فرجع قائلا

اسکے بعد وہ برابر مصروف کارزار رہے یہانتک کہ ایک جماعت کو فوج دشمن میں سے قتل کیا پھر اپنی ماں سے کہا کہ اماں آپ راضی ہوئیں یا نہیں اُس نے کہا کہ میں اُسوقت تک راضی نہونگی جبتک حسین کی نصرت میں تو قتل نہو جائے۔ یہ سنکر وہب پھر میدان میں آئے یہ کہتے ہوئے

انی زعیمك ام وهب
بالطعن فیهم تارة والضرب
ضرب غلام مؤمن بالرب
حتی یذوق القوم مر الحرب
انی امرؤ ذو مرة وعصب
حسبی قتیل من علیم حسبی

میں ذمہ دار ہوں تمہارے لئے اے ام وہب (وہب کی ماں) نیزہ بازی کا ان میں اور شمشیر زنی کا اسطرح کی شمشیر زنی جو ایک صاحب ایمان و یقین کے شایاں ہے۔ یہانتک کہ تلخی حرب کا مزہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے میں ایک انسان ہوں صاحب قوت و شجاعت۔ کافی ہے میرے حسب و نسب کے لئے اتنا کہ میں قبیلہ علیم میں سے ایک مقتول ہوں گا۔

فلم یزل یقاتل حتی قتل تسعة عشر فارسا واثنی عشر راجلا ثم قطعت یمینه واخذ اسیرا

وہ برابر جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ ۱۹ سوار اور ۱۲ پیادے قتل کئے پھر اُن کا داہنا ہاتھ قطع کر ڈالا گیا اور وہ گرفتار کر لئے گئے

اس میں وہب کی مشہور روایت کے اجزاء میں سے صرف اُن کی ماں کا تذکرہ اور بیٹے کا ان سے پوچھنا کہ آپ راضی ہوئیں اور ماں کا کہنا کہ جب تک تو قتل نہیں ہوئے گا

mablib.org

میں راضی نہ ہوگی اور پھر وہب کے ایک ہاتھ کا قطع ہونا مذکور ہے اس میں نہ وہب کی زوجہ کا ذکر ہے اور نہ رخصت کے وقت اُس کا وہب کو روکنا اور نہ ماں کا یہ کہنا کہ عورتوں کی باتوں میں نہ آؤ اور نہ پھر اثنائے جنگ میں زوجہ کا میدان جنگ میں آنا اور وہب کو ترغیب و تحریص کرنا ان تمام باتوں کا اس میں پتہ بھی نہیں ہے۔

اس کے بعد امیر آخوند شاہ ہروی کی تاریخ "روضۃ الصفا" ہماری نظر سے گذرتی ہے اُس میں یہ واقعہ پورا حسب ذیل صورت پر نظر آتا ہے۔

"بعد از واقعہ بریر با در وہب بن عبداللہ الکلبی کہ اور اقمری گفتند پسر خود را گفت اے وہب برخیز و در نصرت فرزند رسول تقصیر جائز مدار وہب گفت افعل یا اماہ ولا اقصر انشاء اللہ در وے باہل نفاق و شقاق آورد و رجزی خواند کہ اولش ایں بود:۔

ان تنکرونی فانا ابن الکلبی — سوف ترونی وترون ضربی

و چند کس را کشتہ نزد مادر عود و گفت اے مادر از من راضی ہستی یا نہ مادر گفت تا پیش امام حسینؑ کشتہ نشوی از تو خوشنود نگردم و منکوحہ وہب گفت ترا بخدا سوگند میدہم کہ مرا بفراق ممتحن نگردانی مادرش گفت اے پسر فرمان زن مبر و با اعدار دیں مقاتلہ کن تا در روز جزا محمد رسول خدا شفیع باشد وہب باشارہ مادر بمیدان مراجعت نمود و حرب آغاز کرد تا آں مخالفاں دست چپ او را انداختند و وہب پائے در ریاض رضواں نہاد"۔

اس میں مناقب والے واقعہ پر اتنا اضافہ ہے۔ ماں کا نام اُس کا بیٹے کو میدان جنگ میں بھیجنا۔ وہب کی زوجہ کا صرف اتنا تذکرہ کہ اُس نے جنگ سے واپسی کے موقع پر وہب کو میدان جنگ میں جانے سے روکا لیکن ماں کی ترغیب و تحریص نے اُسے کامیاب نہ ہونے دیا۔

اس کے بعد اتنا مناقب کے ساتھ اختلاف ہے کہ وہاں داہنا ہاتھ قطع ہوا تھا اور یہاں بایاں ہاتھ۔ اور وہاں وہب زندہ دشمنوں کے ہاتھ میں اسیر ہوئے تھے اور یہاں جنگ میں شہید ہوئے۔

اب شیخ فخرالدین طریحی رح نے منتخب میں جو صورت اختیار کی ہے وہ صاحب ناسخ کی زبانی سننے اور خود مؤلف ناسخ التواریخ کے تواریخی اجتہادات سے بھی لطف اٹھائیے انھوں نے بھی وہب کی شہادت کا تذکرہ بریر ہمدانی کی شہادت کے بعد کیا ہے اور لکھا ہے

"دیگر وہب بن عبداللہ بن حباب الکلبی ساختہ جہاد شد کشوف باد کر طریحی در مبارزین یوم طف دو تن وہب در قلم آوردہ نخستین وہب بن وہب گوید او نصرانی بود وباتفاق مادر بدست حسین علیہ السلام ایمان آورد ودر کربلا شہید شد ودیگر وہب بن عبداللہ ادرا نیز گوید با مادر وزن حاضر یوم طف بود آنچہ من بندہ تفحص کردم افزون از یک وہب نیافتم وطریحی بعضی از واردات احوال وہب را بنام وہب بن وہب وبرخی را بنام وہب بن عبداللہ نگاشتہ العلم عند اللہ بالجملہ وہب بن عبداللہ اسپ بمیداں راند واین رجز برخواند۔

ان تنکرونی فانا ابن الکلب سوف تردنی وترون ضربی
وحاتی وصولتی فی الحرب ادرک ثاری بعد ثار صحبی
وادفع الکرم امام الکرب لیس جھادی فی الوغا باللعب

وتاختن کرد بر لشکر کوفہ وچندتن ازآں گروہ را باتیغ درگذرانید وبازشتافت ونزدیک مادر آمد کہ قمری نام داشت بایستاد فقال یا اماہ ارضیت فقالت ما رضیت او تقتل بین یدی الحسین ع گفت اے مادر آیا از من راضی شدی گفت راضی نشوم جز اینکہ در پیش روے حسین کشتہ شوی زن وہب گفت ترا بخداوند سوگند میدہم

پذیرای سخن مادر مشو و هشانه در دهن اژدها مده جان خویش را پاس دار و مرا نیز بیوه مگذار مادر گفت ای فرزند سخن زن را از پس گوش گذار و نصرت حسین را ست بازمدار که به رضای او و رضای من از شفاعت جدش برخوردار توانی شد چون از شب زفاف زن وهب تا روز عاشورا افزون از هفده روز نبود مفارقت شوی بر وی دشوار می آمد گفت ای وهب بر من مکشوف است که چون در راه پسر پیغمبر شهید شوی در بهشت برین جای کنی و با حور العین هم آغوش باشی و مرا فراموش فرمائی و هب میکند که در حضرت امام با من عهد استوار کنی که فردای قیامت در بهشت خدا جدا از من اقامت ننمائی پس بردتن حاضر حضرت شدند زن وهب عرض کرد یا ابن رسول الله مرا در حضرت دو مسئلت است نخست آنکه اینجوان غریب عنقریب بشربت دسناں رهسپار باغ جنان است این بیکس را در این بیابان بیفریاد هیچ فریاد رسی نیست مرا با اهل بیت خویش بسپاری تا نگران حال من باشند دیگر آنکه چون وهب در میدان داهیه انگیز سر بدهد با حور العین بیک بالین سر نهد او را بر من گواه گیر که چون با حور هم آغوش شود مرا فراموش نکند حسین علیه السلام از اصغاء این کلمات سخت بگریست و مسئلت او را باجابت مقرون داشت و زن را مطمئن خاطر ساخت این وقت وهب با تمام طرب و طلب باز کارزار شد و آغاز گیرودار نمود و این رجز بسرود

انی زعیم لک أم وهب بالطعن فیهم تارة والضرب
ضرب غلام مؤمن بالرب حتی یذیق القوم مر الحرب
انی امرؤ ذو مرة و غضب ولست بالخوار عند النکب

حسبی الهی من علیم حسبی

و چون پلنگ درنده و نهنگ دمنده خویش را بر صفوف کوفیان افگند

maablib.org

هلاک دو مار ساخت این وقت مردے از لشکر کوفه فرصتی بدست کرده دست
راستش را با تیغ از تن باز کرد وهب شمشیر را بدست چپ مأخوذ داشت و پاے از
تقدیم جهاد فرو نگذاشت مردے از قبیلهٔ کنده تیغ بزد و دست چپش را قطع کرد این
وقت زن وهب عمود خیمه را بگرفت و بجربگاه درآمد و گفت اے وهب پدر و
مادرم فداے تو باد چند که توانی رزم می کن و حرم رسول خداے را از دشمن دفع میده
وهب گفت اے زن تو آنکس بودی که مرا بقاعد از جنگ میگماشتی و از جنگ باز
میداشتی چه افتاد ترا اکنون دق الباب مبارزت میکنی و مرا تحریص بجهاد مینمائی گفت
من آنگاه دل از جان برکندم و بزندگانی دنیا پشت پاے زدم که ندا حسین علیه السلام
را شنیدم که همی گفت و اغربتاه و قلة ناصراه و احد تاه اما من ذاب یذب
عنا اما من مجیر یجیرنا آیا کسی هست که دشمن را از ما دفع دهد آیا کسی هست که ما را
پناه دهد و اهلبیت در خیمها بهاے هاے میگریستند با خود گفتم که زندگانی بعد از آل رسول
بچه کار آید عزیمت درست کردم که با این قوم رزم زنم تا جان بر سر این کار کنم وهب گفت
اے زن باز شو که ترا جنگ نفرموده اند گفت من روی باز پس نکنم تا باتفاق تو در خون
خویش خرطه زنم وهب را چون دست نبود که او را مأخوذ دارد با دندان جامهٔ او را بگرفت
و باز داشت زن نیز دگرد خود را برهانید وهب فریاد برداشت و بحضرت حسین علیه السلام
استغاثت برد فقال الحسین جزیتم من اهل بیت خیرا ارجعی الی
النساء بارك الله فیك فانه لیس علیكن قتال حسین علیه السلام فرمود از
اهل بیت من جزاے خیر بهره شما باد بسراپرده زنان مراجعت کن چه مقاتلت از براے
زنان روا نیست عرض کرد اے مولاے من بگذار تا قتالی کنم چه قتل بر من سهل تر می آید
از آنکه بدست بنی امیه اسیر باشم آنحضرت فرمود تو با زنان ما بیک حال خواهی زیست

وادرا بر زبان حفاوت و موعظت باز گردانید و ازاں سوے وہب جا مطروح و مجروح مسج ہمی کرد شمر ذی الجوشن ایں بدید غلام خود نا فرمان داد تا گرز بر سر او فرود آورد و اورا با شوہر ہم سفر ساخت اودل زنیست کہ در سپاہ حسین علیہ السلام شربت شہادت نوشید آنگاہ کوفیاں وہب را بنزد ابن سعد آوردند فقال ما اشد صولتک گفت چہ بسیار سخت وصعب است حملہ تو فرمان داد تا سرش را از تن برگرفتند و بہ سپاہ حسین علیہ السلام پرانیدند مادر وہب سر فرزند را برگرفت و بوسید و گفت الحمد لله الذی بیض وجهی بشهادتک بین یدی ابی عبد الله ثم قالت الحکم لله یا امة السوء اشهد ان النصاری فی بیعها والمجوس فی کنائسها خیر منکم یعنی سپاس مرخدا کہ روے مرا بشہادت تو در پیش روے حسین سفید داشت آنگاہ روے با کوفیاں آورد و گفت اے امت نکوہیدہ گواہی میدہم کہ نصاریٰ در کلیسا و مجوس در کنیسہ بر شما شرف دارند و از روے خشم سر وہب را بسوے سپاہ ابن سعد پرتاب کرد و از قضا آں سر بر سینہ قاتل وہب آمد و ہم ازاں زخم درگذشت آنگاہ عمود خیمہ بگرفت و برتاخت و دو تن دیگر بخاک انداخت حسین علیہ السلام اورا باز گردانید فقال لہا اجلسی فقد وضع الجهاد من النساء فانک وابنک مع جدی محمد فی الجنة فرمود بجاے بنشیں کہ جہاد بر زناں نیست تو و فرزندت وہب با جد من محمد در بہشت جاے دارند پس مادر وہب باز شد و گفت الٰهی لا تقطع رجائی حسین علیہ السلام فرمود لا یقطع الله رجاک یا ام وهب یعنی اے مادر وہب خداوند قطع نکند امید ترا۔"

اس روایت میں وہ تمام رنگ آمیزیاں موجود ہیں جو ذاکرین کے لئے رونق مجلس کا

سرمایہ ہیں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ صاحب ناسخ کا ماخذ اس روایت کے باب میں طریحیؒ کی کتاب ہے لیکن طریحی نے وہب نام کے دو شہیدوں کا تذکرہ کیا ہے ایک وہب بن وہب جن کے متعلق اُن کا بیان ہے کہ وہ نصرانی تھا اور اپنی ماں کی ہمراہی میں آ کر خدمت امام میں شرف اسلام سے ممتاز اور پھر درجۂ شہادت پر فائز ہوا اور دوسرے وہب بن عبداللہ۔ مذکورہ واقعات میں سے بعض اُنھوں نے وہب بن وہب کے حال میں لکھے ہیں اور بعض وہب بن عبداللہ کے حال میں لیکن یہ صاحب ناسخ کا ذاتی اجتہاد ہے کہ وہ کہتے ہیں تحقیق و جستجو سے مجھے ایک وہب سے زیادہ کا واقعات کربلا میں وجود ثابت نہیں ہوا۔ بہتر لیکن اگر میں اُن سے یہ مطالبہ کروں کہ آپ نے ان تمام واقعات کو اس مسلسل روایت کی شکل میں اُسی ایک وہب کی نسبت جس کے وجود کو آپ واقعۂ کربلا میں ثابت بتلاتے ہیں کس تاریخی کتاب میں دیکھا؟ تو صاحب ناسخ کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا۔

اب اگر طریحی قابل اعتماد ہیں تو اُن کی اس روایت کو قبول کیجیے کہ واقعۂ کربلا میں دو وہب تھے اور ہر ایک کا واقعہ وہی تھا جو اُنھوں نے تحریر کیا ہے اور اگر وہ قابل اعتماد نہیں ہیں تو اُن کے خیال دو وہبوں کے واقعات کو جو دوسری تاریخوں میں مندرج نہیں ہیں لیکر اُن کو ایک وہب کے حالات میں ضم کرنے کا کیا حق حاصل ہے ممکن ہے وہ لوگ جو صاحب ناسخ کی محققانہ شان پر ایمان لائے ہوئے ہیں اس سے متعجب ہوں لیکن آپ کو اس کتاب میں قدم قدم پر جو اس طرح کے نمونے نظر آئیں گے اُن سے آخر میں آپ کو میری طرح اس نتیجہ تک پہونچنا ناگزیر ہو جائیگا کہ ناسخ کو ایک ادنیٰ درجہ کے تحقیق شیوہ مؤرخ کی بھی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

وہ ایک شاہی کتبخانہ کے مہتمم ضرور تھے اس لئے کتابوں کا ذخیرہ دیکھنے کے لئے

maablib.org

کمانی موجود تھا اور انھیں مؤرخ بننے کا شوق تھا اس لئے انھوں نے لب ولہجہ بیشک محققانہ اختیار کیا ہے۔ روایات میں محاکمہ کیا ہے اور نتیجے بھی نکالے ہیں لیکن اس سب میں ذہنی فروگذاشتیں اور کوتاہیاں نیز غلط اندیشیاں اور خام خیالیاں ہیں جن کی بناء پر ان کے تحریرات اس سے زیادہ ناقابل اعتبار بلکہ مزاج ذہنی کے لئے خطرناک ہو گئے ہیں جتنے ایک "مقتل" نویس کے روایات جن کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ گریہ و بکا کے لئے وہ روایات نقل کر دیے جائیں جو کتب میں مذکور و مندرج ہیں اور اس لئے ہر غث و سمین اس میں بغیر کسی تصرف کے لکھ دیا جاتا ہے۔

زیر بحث روایت کے سلسلہ میں جس نتیجہ تک پہونچا ہوں وہ یہ ہے کہ شہدائے کربلا میں "وہب" نام کسی شہید کا وجود ہی نہیں ہے اور وہب کی روایت جو مشہور ہے اس کی اصل وہی عبداللہ بن عمیر کی روایت ہے جس میں تغیر و تبدیل اور اضافہ و تذئیل کے ساتھ اس روایت کی تشکیل ہو گئی ہے۔ اس کے لئے ملاحظہ ہوں ذیل کے امور۔

قدیم تاریخ میں جہاں عبداللہ بن عمیر کلبی کی روایت مذکور ہے کوئی تذکرہ اور نام نشان "وہب" کا نہیں ہے۔

زیارت شہداء جسے سید ابن طاؤس نے ناحیہ مقدسہ امام عصر کے اسناد سے نقل کیا ہے اور جس میں نام بنام تمام شہداء کو سلام کیا گیا ہے اس میں عبداللہ کا ذکر بایں الفاظ موجود ہے کہ السلام علی عبد اللہ بن عمیر الکلبی لیکن کوئی ذکر اس میں وہب کا نہیں ہے۔

عبداللہ بن عمیر کلبی کی روایت میں یہ موجود ہے کہ ان کی کنیت "ابو وہب" تھی اور ان کی زوجہ جو ان کے ساتھ تھی اس کی کنیت "ام وہب"

عبداللہ کی روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ زوجہ عبداللہ کی میدان جنگ میں آئی اور اُس نے شوہر کو ترغیب و تحریص کی۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ عبداللہ کی شہادت کے بعد اُن کی زوجہ اُنکی لاش پر آئی اور شمر کے حکم سے قتل کی گئی۔

عبداللہ کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی انگلیاں قطع ہو گئی تھیں وہب بن عبداللہ کلبی کی روایت کے ابتدائی خاکہ میں جو "قرون وسطیٰ" یعنی ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں نظر آیا ہے اور جسے ہم نے مناقب ابن شہر آشوب سے نقل کیا ہے۔ وہب کے ساتھ اُن کی زوجہ کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ اس کے بجائے ماں کا ذکر ہے۔

وہب کی جو رجز مذکور ہے وہ کچھ مصرعوں کے اضافہ کے ساتھ وہی ہے جو تاریخ طبری وغیرہ میں عبداللہ بن عمیر کی رجز ذکر کی گئی ہے۔ عبداللہ کی رجز جو طبری میں ہے حسب ذیل ہے:

ان تنکرونی فانا ابن کلب   حسبی ببیتی فی علیم حسبی

انی امرؤ ذو مرۃ و عصب   ولست بالخوار عند النکب

انی زعیم لک ام وھب   بالطعن فیھم مقدما والضرب

ضرب غلام مؤمن بالرب۔

اور وہب کی نسبت یہ لکھا ہے کہ انھوں نے پہلے یہ رجز پڑھی۔

ان تنکرونی فانا ابن الکلبی   سوف ترونی وترون ضربی

وحملتی وصولتی فی الحرب   ادرک ثاری بعد ثار صحبی

وادفع الکرب امام الکرب   لیس جھادی فی الوغا باللعب

اور پھر جب انکی ماں نے دوبارہ یہ کہکر بھیجا کہ اپنی جان فرزند رسول پر نثار کرو تو انھوں نے یہ رجز پڑھی۔

انی زعیم لک ام وھب	بالطعن فیھم تارۃ والضرب
ضرب غلام مومن بالرب	حتیٰ یذوق القوم مر الحرب
انی امرء ذو مرۃ و عصب	حسبی قتیل من علیم حسبی

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ وہب کا داھنا ہاتھ قلم ہوا۔

جب نوبت فارسی اہل قلم تک پہونچی جن میں اکثر کو کسی کو روایات میں تصرف کا خاص ملکہ حاصل ہو تو روضۃ الصفا خاوند شاہی میں اس روایت کے اندر جو مناقب ابن شہر آشوب میں تھی اتنا اضافہ ہو گیا کہ مادر وہب کا نام "قمر" تھا اور نیز یہ کہ وہب کی کوئی زوجہ بھی تھی جو اُسے میدان جنگ میں جانے سے روک رہی تھی۔ اس میں اتنا تصرف اور بھی ہوا کہ بجائے داھنے ہاتھ کے وہب کا بایاں ہاتھ قلم کیا گیا۔

آخری زمانہ کے ارباب مقاتل تک آتے آتے روایت میں طول پیدا ہوا اور صاحب ناسخ کے عہد سے وہ اس شکل میں آگئی جو اسوقت مشہور ہے۔ اب ماں کے مکالموں کے ساتھ زوجۂ وہب کا صرف نام نہیں بلکہ یہ بھی آگیا کہ وہ میدان جنگ میں نکلی تھی اور اُس نے شوہر کو ترغیب و تحریص کی اور یہ بھی کہ شوہر کے بعد وہ اُس کی لاش پر آئی اور قتل ہوئی۔ اس کے علاوہ وہب کے داہنے اور بائیں دونوں ہاتھ قطع ہوئے اور وہ قید ہوئے پھر شہید کئے گئے۔

مذکورہ امور کو دیکھتے ہوئے میرے نزدیک ایک سلجھا ہوا دماغ اس نتیجہ تک پہونچتا ہے کہ سب سے پہلے وہب والی روایت جسے مناقب نے درج کیا ہے راوی کے بھول چوک یا کاتب کی غلطی سے عالم وجود میں آئی اس طرح کہ عبداللہ بن

عمیر کی کنیت "ابو وہب" تھی۔ شہید کا نام اس طرح لکھا گیا ہے کہ "ابو وہب عبداللہ الکلبی" اتفاق سے نسخہ کی غلطی سے "ابو" کی لفظ ساقط ہو گئی۔ اب رہ گیا "وہب عبداللہ" بعد کے خوش فہم کاتبوں نے دیکھا کہ اس کے کوئی معنی نہیں۔ انھوں نے درمیان میں "ابن" کے لفظ کا اضافہ کر دیا۔ ہو گیا "وہب بن عبداللہ" یا کسی خوش حافظہ راوی کو ابو وہب کنیت کے بجائے وہب بن عبداللہ یاد رہ گیا۔ اتفاق سے وہ عورت جس کا تذکرہ روایت میں تھا اُس کی کنیت "ابو وہب" بھولنے کے قابل نہ تھی کیونکہ وہ رجز میں بصورت نظم موجود تھی (انی زعیم لک ام وھب) لیکن شہید کے "وہب" نام ہونے کی صورت میں "ام وہب" اُس کی زوجہ نہیں قرار دی جا سکتی تھی لہذا اُسے زوجہ کے بجائے ماں قرار دیا گیا اور (انی زعیم لک ام وھب) کے الفاظ کے با محل ہونے کیلئے ماں کے ترغیب و تحریص کی ضرورت پیش آئی ہاتھ کی انگلیاں قطع ہونے سے ہاتھ کٹنے کی تعبیر پیدا ہوئی اور وہ روایت اُس صورت میں آ گئی جو "مناقب" میں درج ہے۔

روضۃ الصفا کے راوی کو مناقب والی روایت کی موجودگی پر کچھ کچھ طبری کی روایت بھی یاد تھی جس میں صاف اس شہید کی نسبت جس کے متعلق یہ روایت ہے۔ زوجہ کا ساتھ ہونا مذکور ہے اس لئے اُس نے مناقب والی روایت کے اندر ہی زوجہ کے ذکر کا اضافہ کیا اور اب ایک عورت کے بجائے دو عورتیں ہو گئیں ماں اور زوجہ "ام وہب" نام عورت کی نسبت اُس نے یہ بھی لکھا دیکھا کہ وہ "نمر" (قبیلہ) سے تھی ممکن ہے "نمر" کو کاتب نے کچھ اس طرح لکھا ہو کہ "قمر" پڑھا گیا اس لئے اُس نے کہہ دیا کہ اُس کا نام

قمر" تھا لیکن عربی ذوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ نام عرب کی عورتوں کے ناموں سے جو اس سلسلہ میں ہوا کرتے تھے کس درجہ اجنبیت رکھتا ہے۔

صاحب ناسخ نے اس کا نام "قمری" لکھا ہے۔ یہ میرے خیال کی تقویت کرتا ہے بظاہر کسی فارسی عبارت میں یوں لکھا ہوگا کہ "آں زن "نمری" بود" یہ نمری نسبت ہو نمر بن قاسط کی طرف جس کے قبیلے سے یہ عورت تھی لیکن "نمری" سے "قمری" ہو گیا اور وہ نام قرار دیا گیا۔ اگرچہ صاحب ناسخ نے "قمری" پر حاشیہ لکھا ہے کہ "قمری بروزن بادی" لیکن یہ بھی نام عربی ذوق سے کوسوں دور ہے

مناقب کی روایت میں تھا کہ داھنا ہاتھ قطع ہوا۔ لیکن اس ہاتھ کٹنے کی بنیاد انگلیاں قطع ہونے پر تھی۔ اسے روضۃ الصفا کا راوی بھی سمجھا لیکن انگلیاں کٹنے کے سلسلہ میں طبری کی روایت میں صاف یہ تھا کہ (اطار اصابع کفہ الیسریٰ) یعنی ان کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں قطع ہو گئیں، اس لئے روضۃ الصفا نے داہنے ہاتھ کے بجائے یہ لکھا کہ "دست چپ اورا انداختند"

اس کے بعد جس وقت نوبت صاحب ناسخ تک پہونچی تو اتنے زمانہ میں ایک طرف عبداللہ بن عمیر کی پوری روایت جو طبری میں تھی "وہب" کی روایت میں جو مناقب کے اندر بھی سموئی جا چکی تھی اسلئے زوجہ کا میدان جنگ میں آنا اور ترغیب و تحریص کرنا۔ نیز زوجہ کا لاش پر آنا اور قتل ہونا جس کا وہب کی روایت میں پہلے پتہ بھی نہ تھا وہ سب وہب کی روایت میں داخل ہو گیا اور دوسری طرف ناسخ نے طبری کی دو روایتوں کو جو وہب بن وہب اور وہب بن عبداللہ کے نام سے تھیں ایک دوسرے میں سمو دیا جس سے وہ پوری روایت طیار ہو گئی جو اس کے پہلے موجود نہ تھی۔

پہلی ہی آمیزش کا یہ نتیجہ بھی ہوا کہ مناقب کے رو سے داہنا ہاتھ اور روضۃ الصفا کے رو سے بایاں ہاتھ یہ دونوں جمع ہو گئے اور اس روایت میں عبد اللہ بن عمیر کے داہنے اور بائیں دونوں ہی ہاتھ قطع کرڈالے گئے۔

میری اس رائے کو کہ "وہب" کی شہادت کی کوئی اصلیت نہیں ہے اور جو کچھ ہے وہ عبد اللہ بن عمیر کی شہادت، اس سے بھی تقویت حاصل ہوتی ہے کہ اگر وہب بن عبد اللہ کلبی کی شہادت کو بھی کربلا میں تسلیم کیا جائے جیسا کہ مناقب وغیرہ کی روایت پر ایمان لانے کا تقاضا ہے اور عبد اللہ بن عمیر کلبی کی شہادت کو بھی تسلیم کیا جائے جیسا کہ طبری کی روایت کا تقاضا ہے اور زیارت کی تصریح ہے اور خود مناقب میں بھی بسلسلۂ شہداء اُن کا نام موجود ہے اگرچہ انہیں "حملۂ اولی" کے شہداء میں قرار دیا گیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دونوں شہید باہم باپ اور بیٹے کا رشتہ رکھتے تھے۔ اس کے لئے تاریخ و روایت میں یہ ضرور ذکر ہونا چاہئے تھا کہ عبد اللہ بن عمیر کے ساتھ اُن کے فرزند وہب بھی تھے جو شہید ہوئے یا وہب کے ساتھ اُن کے باپ عبد اللہ بھی تھے جو درجۂ شہادت پر فائز ہوئے لیکن تاریخ میں کوئی اشارہ اس طرح کا موجود نہیں۔

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے اجنبیت رکھتے ہیں کیونکہ وہب کی جو روایت ہے اس میں بھی اُن کے رجز میں ہے حسبی بیتی فی علیم حسبی اور عبد اللہ بن عمیر کے رجز میں بھی ہے حسبی ببیتی فی علیم حسبی اس سے ظاہر ہے کہ دونوں "علیم بن جناب" کے گھرانے کے ہیں۔ نیز اس سے بھی باپ بیٹا ہونا ظاہر ہے کہ ام وہب عبد اللہ عمیر کی زوجہ ہے اور وہب کی ماں۔ نیز اس لئے کہ عبد اللہ کی کنیت ابو وہب تھی۔

عبد اللہ بن عمیر کے بارے میں صاحب ناسخ کے قلم کی بدحواسیاں انتہائی پرلطف ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے عبد اللہ بن عمیر کلبی کو مقتول اول قرار

maablib.org

دیا ہے اور طبری والی پوری روایت درج کی ہے حالانکہ طبری میں اُن کے مقتول اول ہونے کا جزو نہیں ہے۔ بے شک وہ مجاہد اول ہیں لیکن قتیل وہ پہلے نہیں ہوئے ہیں اس کے بعد پھر انھوں نے عبداللہ بن عمیر کو صاحب مناقب کا حوالہ دیتے ہوئے حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں ذکر کیا ہے اور تیسری بار اُن شہداء کے تذکرہ میں جنھیں مورخین و محدثین میں سے کسی نے بھی اپنی مصنفات میں ذکر نہیں کیا ہے اور صرف "زیارت شہداء" میں اُن کا نام آیا ہے درج کیا ہے۔ کیا اتنا اضطراب بیان کسی مورخ کے شایان شان ہے؟

(۳۲)

منجح بن سہم

خاندان رسالت کے ساتھ علاوہ محبت و ایمان کی غلامی کے بندگی کی حیثیت سے بھی رشتۂ غلامی رکھتے تھے۔ شیخ الطائفہ نے کتاب الرجال میں اصحاب امام حسینؑ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حضرت کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور زمخشری نے کتاب ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ حسینیہ حضرت امام حسینؑ کی کنیز تھی جسے حضرت نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے خرید فرمایا تھا حضرت نے اُس کی شادی "سہم" کے ساتھ کر دی جس سے منجح کی ولادت ہوئی اور اس اعتبار سے منجح امام حسینؑ کے غلام تھے۔ یہ کنیز سید سجاد امام زین العابدینؑ کے گھر میں خدمت کرتی تھی جب حضرت سید الشہداء عراق کی طرف روانہ ہوئے تو وہ اپنے فرزند منجح سمیت حضرت کے ہمراہ تھی اس روایت کو علامہ شیخ عبداللہ مامقانی طاب ثراہ نے اپنی کتاب "تنقیح المقال فی علم الرجال" میں درج کیا ہے

maablib.org

فاضل سماوی کا بیان اُس کے خلاف ہے وہ لکھتے ہیں کہ منجح امام حسنؑ کا غلام تھا اور وہ کربلا میں حضرت امام حسن کی اولاد کے ساتھ آیا تھا

بہرحال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "منجح" نے کربلا میں درجۂ شہادت کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ زیارت شہداء میں جو ناحیۂ مقدسہ کی طرف نسبت رکھتی ہے اُن پر یاں الفاظ سلام موجود ہے کہ السلام علی منجح مولی الحسین بن علی علیہ السلام۔

یہ نسخہ زیارت کا اگر صحیح ہے تو وہ پہلی روایت کا مؤید ہے۔

کربلا میں ان کی شہادت اوائل جنگ کے واقعات میں سے حملۂ اولیٰ سے پہلے ہے۔ حدیقۂ وردیہ کے مصنف نے اُن کے قاتل کا نام حسان بن بکر حنظلی لکھا ہے۔

صاحب ناسخ نے ان کا نام اُن شہداء میں درج کیا ہے جن کا تذکرہ مورخین و محدثین کسی نے نہیں کیا ہے اور نہ ہی انکا نام زیارت شہداء میں وارد ہوا ہے لیکن ہمارے گذشتہ بیان سے ظاہر ہوگیا کہ ناسخ کا یہ اظہار درست نہیں ہے

maablib.org

عمرو بن خالد

نام و نسب عمرو بن خالد بن حکیم بن حزام الاسدی الصیداوی

ابتدائی واقعات یہ کوفہ کے اشراف میں سے اور اہلبیتؑ کے بڑے سچے محب تھے۔ شروع میں جناب مسلم کے ساتھ نصرت کے لئے کھڑے ہوئے۔

جب اہل کوفہ نے بالکل ساتھ چھوڑ دیا اور کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو مثل دوسرے افراد شیعہ کے یہ بھی روپوش ہو گئے یہاں تک کہ امام حسینؑ عراق کے حدود میں پہونچے اور آپ نے قیس بن مسہر صیداوی کو اپنی آمد کے اطلاعی خط کے ساتھ کوفہ روانہ کیا۔ اور قیس راستہ میں گرفتار ہو گئے اور اُن کے قتل کا حکم ہوا لیکن اُنھوں نے مرتے مرتے حسینؑ کی سفارت ادا کر دی کہ امام حسین مقام "حاجز" میں پہونچ گئے ہیں جس کو جانا ہو اُن کے پاس جائے۔ یہ خبر عمرو بن خالد کو پہونچی تو یہ اپنے غلام سعد اور تین دوسرے ہمراہیوں کے ساتھ جن کا تذکرہ بعد میں آئے گا امام کی خدمت میں روانہ ہوئے اور دلیل راہ (راستہ بتانے والے) ان کے طرماح بن عدی ہوئے۔ یہ لوگ غیر معروف راستے سے بہت تیز رفتاری کے ساتھ "عذیب الہجانات" میں امام کی خدمت میں پہونچے۔

یہ وہ وقت تھا کہ جب حر بن یزید ریاحی امام کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لئے پہونچ گیا تھا چنانچہ حُر نے مداخلت کی اور کہا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ نہیں آئے تھے اس لئے یا تو میں انھیں گرفتار کر کے قید کر لوں گا یا کوفہ واپس کروں گا۔

حضرت نے فرمایا اب جبکہ یہ میرے پاس پہونچ گئے اور میری امان میں آگئے تو میں انھیں تیرے سپرد نہیں کرسکتا

کارزار و شہادت روز عاشور جنگ چھڑنے کے بعد یہ اور ان کے ساتھی وہ پانچ آدمی تھے جنھوں نے بیک وقت فوج دشمن پر حملہ کیا اور لشکر میں گھس کر شمشیر زنی کرنے لگے۔ مجاربہ کربلا میں ان کے واقعۂ شہادت کو تفصیل سے لکھا گیا ہے اور اس پر نتائج مرتب کئے گئے ہیں۔

زیارت شہداء میں ان کے سلام کے یہ الفاظ ہیں السلام علیٰ عمر بن خالد الصیدائی۔

مناقب ابن شہر آشوب میں وہب کلبی کی جنگ کے بعد عمر بن خالد ازدی کی جنگ کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے یہ رجز پڑھی

الیوم یا نفس الی الرحمٰن تمضین بالروح وبالریحان

الیوم تجزین علی الاحسان ما خط فی اللوح لدی الدیان

لا تجزعی فکل حی فان

اگر ان کو عمر بن خالد اسدی ہی سمجھا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ "ازدی" کی لفظ کتابتی غلطی ہے جیسا کہ خیال یہی ہوتا ہے تو یہ روایت کہ انھوں نے تنہا مبارزطلبی اور جنگ کی اور شہادت پائی گذشتہ روایت کے منافی قرار پاتی ہے۔

صاحب ناسخ نے بھی اس بارے میں مناقب کا تتبع کیا ہے لیکن

[1] طبری ج ۶ صفحہ ۲۳ ۔ مطبوعہ یوسفی پریس صفحہ ۲۰۔

انھوں نے اس کے چند ورق بعد بہت سے شہداء کے تذکرہ کے بعد پھر عمرو بن خالد صیداوی کا ذکر بایں الفاظ کیا ہے۔

"دیگر عمرو بن خالد صیداوی بحضرت امام علیہ السلام آمد فقال یا اباعبد اللہ قد ھممت ان الحق اصحابی وکرھت ان اتخلف واراک وحیدا من اھلک قتیلا۔ عرض کرد یا اباعبد اللہ عزیمت درست کردہ ام کہ با برادراں و مصاحبان خود پیوستہ شوم و مکروہ می شمارم کہ از ایشاں تخلف کنم و ترا تنہا و مقتول بنیم فقال لہ الحسین تقدم فانا لاحقون بک عن ساعۃ فرمود تاختن کن و بذم بیزن کہ ہم دریں ساعت من با تو ملحق خواہم شد پس بتاخت و تنی چند را بخاک بینداخت وہم بخاک در افتاد و جان بداد"

مگر واقعۂ کربلا میں دو عمرو بن خالد کا وجود جن میں سے ایک "ازدی" ہوں اور دوسرے "صیداوی" قطعاً ثابت نہیں ہے اس لئے اسے صاحب ناسخ کی اُن بہت سی فروگزاشتوں میں سے سمجھنا چاہیے جن کی مثالیں آپ کے سامنے آتی رہیں گی۔

(۵)

سعد مولیٰ عمرو بن خالد

عام طور سے کتابوں میں "سعد" نام درج ہے لیکن زیارت شہداء میں "سعید" نام مذکور ہے۔ اگر نسخہ غلط نہ مانا جائے تو یہ گذشتہ اندراج کے خلاف ہے صاحب ناسخ نے بھی اُن شہداء کے تذکرہ میں جن کا ذکر مؤرخین ومحدثین نے نہیں کیا ہے اور صرف اُن کے نام زیارت شہداء میں مذکور ہوئے ہیں "سعید مولیٰ عمر بن خالد

الصیداوی" لکھا ہے۔

طبری وغیرہ میں ان کے نام کے ساتھ ولدیت نہیں مذکور ہے لیکن علامہ مامقانی نے تنقیح المقال میں ان کے نام کے محل پر لکھا ہے "سعد بن عبد اللہ" اور بیان کیا ہے کہ شیخ نے اپنی کتاب الرجال میں اسی عنوان سے بغیر کسی لقب اور وصف کے ان کا نام اصحاب حسینؑ میں مندرج کیا ہے۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ یہ شریف النفس بلند ہمت غلام تھے جنھوں نے اپنے مالک عمرو بن خالد کا آخر وقت تک ساتھ دیا۔ وہ اپنے مالک کے ساتھ اُسی مختصر قافلہ میں آکر امام سے ملحق ہوئے تھے جو عذیب الہجانات میں امام کے پاس پہونچا تھا جس کا تذکرہ اس کے قبل ہو چکا ہے اور میدان جنگ میں بھی وہ انھی ہمراہیوں کے جتھے میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

اس واقعہ کا اجمالی اشارہ اور تفصیلی حوالہ ابھی حوالۂ قلم ہوا ہے۔

(۶)

مجمع بن عبد اللہ

نام ونسب: مجمع بن عبد اللہ بن مجمع بن مالک بن ایاس بن عبد مناۃ بن سعد العشیرۃ المذحجی العائذی سلہ

خصوصیات: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں ان کا تذکرہ اُن تابعین کے ذیل میں کیا ہے جو بزمانۂ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متولد ہوئے اور لکھا ہے

کان مع الحسین بن علی بالطف	حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے
فقتل ذکرہ ابن الکلبی وکان	اور قتل ہوئے۔ اس کا تذکرہ ابن کلبی نے

لابیہ ادراک — کیا ہے اور ان کے باپ نے حضرت رسول کی صحبت کا شرف کو حاصل کیا تھا۔

خیدہ جمع حضرت امیر المومنین کے اصحاب میں سے تھے اور جنگ صفین کے واقعات میں ان کا ذکر پایا جاتا ہے ۵۲

امام سے ملاقات | یہ بھی اُن پانچ اشخاص میں سے تھے جو مقام "عذیب الہجانات" میں امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ عمرو بن خالد صیداوی کے حال میں ابھی ابھی آچکا ہے انکا نام خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر تاریخ میں اس طرح آیا ہے کہ امام نے ان لوگوں سے کوفہ کی حالت پوچھی تو مجمع بن عبداللہ عائذی نے کہا۔

اما اشراف الناس فقد اعظمت رشوتهم وملئت غرائرهم يستمال ودهم ويستخلص به نصيحتهم فهم الب واحد عليك — بڑے بڑے آدمی اُن کو تو بڑی رشوتیں دی گئی ہیں اور گٹھریاں بھر بھر کر مال و دولت عطا کیا گیا ہے تاکہ وہ موافق رہیں اور خیر خواہی کرتے رہیں اس لئے یہ لوگ تو متفق ہیں آپ کے خلاف

واما سائر الناس بعد فان افئدتهم تهوى اليك وسيوفهم غدا مشهورة عليك — رہ گئے عام افراد اُن کے دل تو آپ کی طرف جھکتے ہیں مگر تلواریں اُن کی کل آپ کے خلاف کھنچی ہوئی ہوں گی۔

یہ کتنی صحیح تشریح ہے خلقت کے طرز عمل کی جو بالکل نفسیات کے مطابق ہے۔

شہادت | یہ روز عاشور بھی اپنے اُسی جتھے کے ساتھ رہے جس میں آئے تھے اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جنھوں نے بیک وقت فوج دشمن پر حملہ کیا تھا جنگ کی اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

ابن شہر آشوب نے ان کا تذکرہ اُن شہدا میں کیا ہے جو حملہ اولیٰ کی جنگ مغلوبہ میں قتل ہوئے۔

زیارت شہدا میں ان کے لئے بھی سلام موجود ہے (السلام علی مجمع بن عبد اللہ العائذی)

(۷)

عائذ بن مجمع

یہ مجمع بن عبد اللہ عائذی کے فرزند تھے اور اپنے باپ کے ساتھ اُسی جماعت میں جو "عذیب الھجانات" پہونچی تھی امام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اپنے باپ ہی کے ساتھ اُسی جماعت کی شرکت میں جنگ کی اور شہید ہوئے

(۸)

جنادہ بن حارث سلمانی

"سلمان" قبیلہ مراد کی ایک شاخ اور "مراد" قبیلہ مذحج کا ایک شعبہ ہے جنادہ بن حارث کوفہ کے باشندہ تھے۔ شیخ طوسی نے کتاب الرجال میں ان کا نام اصحاب حسین میں درج کیا ہے اور فاضل سماوی نے لکھا ہے کہ وہ اصحاب میں سے تھے پھر امیر المومنین کے ساتھ رہے اور جنگ صفین میں جہاد کیا یہ فقرہ دونوں کے یہاں متفقہ حیثیت سے ہے کہ وہ مشاہیر شیعہ سے تھے۔

جب مسلم بن عقیل کوفہ میں امام حسین کی بیعت لے رہے تھے تو جنادہ نے عہد وفاداری کے ساتھ بیعت کی اور مسلم کے ساتھ جہاد میں شریک بھی ہوئے مگر جب مسلم

کے خلاف حالات نے پلٹا کھایا تو یہ بھی مثل دیگر اشخاص کے مخفی ہوگئے اور آخر اسی جماعت میں جو عمرو بن جنادہ صیداوی اور مجمع بن عبد اللہ عائذی وغیرہ افراد پر مشتمل تھی یہ بھی "عذیب الہجانات" میں امام کی خدمت میں ملحق ہوئے اور اپنی اسی جماعت کے ساتھ رہ کر جنگ کرکے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اس واقعہ کا تذکرہ عمرو بن جنادہ اور اُن کے دوسرے رفقاء کے حال میں اجمالاً واشارۃً ہو چکا ہے۔

تاریخ طبری میں اس موقع کے حال میں انکا نام "جابر بن حارث سلمانی" لکھا ہے سلہ یہ بظاہر چھاپہ کی غلطی ہے۔

زیارت شہداء کے اُس نسخہ میں جو میرے پیش نظر ہے انکا نام اس طرح ہے السلام علی حیّان بن حارث السلمانی الازدی۔

اور ناسخ میں بھی جہاں اس زیارت کو نقل کیا ہے یہ الفاظ اسی طرح ہیں لیکن اس کا غلط ہونا بھی ظاہر ہے۔ اسی لئے صاحب ناسخ نے شہیدوں کے حالات میں کہیں "حیّان بن حارث" کی شہادت کا تذکرہ نہیں کیا ہے

صاحب ابصار العین نے تصریح کی ہے کہ (جنادۃ) بالجیم والنون والالف والدال المھملۃ وبعد ھا الھاء وتصحف بجبار وحیان، ولکن المضبوط ذٰلک۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں جنادہ کو "جبار" بھی لکھا گیا ہے لیکن وہ بھی غلط ہے۔

ابن شہر آشوب نے نافع بن ہلال جملی کی شہادت کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے کہ پھر جنادہ بن حارث انصاری میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

انا جناد وانا ابن الحارث لست بخوار ولا بناکث

عن بیعتی حتی یرثنی وارثی　　　　　الیوم ثاری فی الصعید ماکث

اور اُنھوں نے سولہ آدمی قتل کئے　　　　　انھیں کوئی دوسرا شخص فرض

نہ کیا جائے تو یہ گذشتہ روایت کے خلاف ہے اور چونکہ مناقب کی اس طرح کی

روایتوں میں گوناگوں کمزوریاں موجود ہیں جو اس کتاب میں نذر ناظرین ہوتی رہینگی

اس لئے اس روایت پر بھی اعتماد مشکل ہے۔

(۹)

جندب بن حجیر کندی خولانی

کوفہ کے باشندہ اور ممتاز شیعی افراد میں سے۔ امیر المومنینؑ کی صحبت سے شرفیاب ہوئے تھے اور جنگ صفین میں "کندہ" اور "ازد" کے رسالوں کے افسر تھے

جب امام حسینؑ کوفہ کی طرف راہ پیما تھے تو حر کی ملاقات سے پہلے ہی یہ خدمت امام میں جاکر ہمراہی کے شرف سے بہرہ یاب ہوئے اور روز عاشور جنگ کے ابتدائی ہنگام میں جنگ کرکے شہید ہوئے۔

زیارت شہداء میں انکا نام اسطرح ہے السلام علی جندب بن حجر الخولانی اور صاحب ناسخ نے بھی اُن شہداء کے ذیل میں جن کا تذکرہ مورخین و محدثین نے نہیں کیا ہے اور صرف زیارت میں انکا نام وارد ہوا ہے "جندب بن حجر" ہی تحریر کیا ہے

حدائق وردیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ اُن کے بیٹے حجیر بن جندب بھی انہی کے ساتھ قتل ہوئے لیکن یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچا ہے۔ اُن زیارتوں میں بھی جو شہدائے کربلا کے تذکرہ پر مشتمل ہیں اُن کا تذکرہ نہیں ہے

maablib.org

(۱۰)

اب حملۂ اولیٰ کے شہدا کا سلسلہ ہے جن کی تعداد بتصریح مؤرخین پچاس تک پہونچتی ہے اور جن میں نہیں کہا جا سکتا کہ کون پہلے شہید ہوا اور کون بعد۔ اسی لئے "محاربۂ کربلا" میں میں نے اُن کے نام "حروف تہجی" کی ترتیب سے درج کئے ہیں اور اس موقع پر اُن کے حالات بھی اسی ترتیب سے تحریر کئے جاتے ہیں۔

ادہم بن امیہ عبدی بصری

قبیلہ عبد قیس سے، بصرہ کے باشندہ تھے۔ بصرہ میں ایک عورت ماریہ بنت سعد یا بنت منقذ شیعہ اور دوست اہلبیت تھی اور اُس کے مکان میں اکثر شیعیان اہل بیت کا اجتماع ہوتا رہتا تھا۔ جب امام حسینؑ نے مکۂ معظمہ سے کوفہ کی روانگی کا قصد کیا اور ابن زیاد کا تبادلہ بصرہ سے کوفہ کی گورنری پر ہوا اور بصرہ کے گورنر کی جانب سے ناکہ بندی کا انتظام ہوا کہ کوئی شخص نصرت حسینؑ کے لئے بصرہ سے نہ جانے پائے۔ تو ماریہ عبدیہ کے مکان میں یزید بن ثبیط قیسی نے نصرت حسینؑ کے جانے کا عزم ظاہر کیا یہ قصد خطرہ سے خالی نہ تھا اور مشکل تھا کہ اُس نازک حالت میں جبکہ راستے بند ہیں کچھ زیادہ لوگ اس عزم و ارادہ کے ساتھ ہم آہنگ ہوتے مگر یزید کے دو فرزند اور چار دوسرے اشخاص تھے جنھوں نے یزید بن ثبیط کے ساتھ اتحاد عمل کیا۔ اُنھوں نے اپنی جان پر ٹھان لی اور مقام ابطح میں جو مکۂ معظمہ ہی کے حدود میں تھا پہونچکر امام کی ہمراہی اختیار کی۔ ان چار اشخاص میں ایک ادہم بن امیہ تھے

روز عاشور حملۂ اولیٰ میں جو ظہر کے قبل واقع ہوا تھا درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

امیہ بن سعد بن زید طائی

قبیلہ "طے" میں سے، بہادر جنگ آزما شہسوار اور امیرالمؤمنین کے اصحاب میں محسوب تھے۔ آپ کے ساتھ جنگ صفین میں شرکت بھی کی تھی اور کارنمایاں انجام دیا تھا اس کے بعد کوفہ میں قیام رہا۔ جب امام حسینؑ کے کربلا پہونچنے کی خبر پہونچی تو گفتگوئے صلح کے زمانہ میں کوفہ سے کربلا پہونچے اور امام کی ہمراہی اختیار کی۔ بقول علامہ مامقانی یہ آٹھویں محرم کی شب کا واقعہ ہے روز عاشور جنگ چھڑنے کے بعد حملۂ اولی میں شہید ہوئے

(۱۲)

جابر بن حجاج

قبیلہ "تیم اللہ بن ثعلبہ" میں سے عامر بن نہشل تیمی کے آزاد کردہ غلام تھے کوفہ کے باشندہ بہادر اور شہسوار تھے۔ پہلے جناب مسلم بن عقیل کی حمایت کیلئے کمربستہ ہوئے مگر حالت کے دگرگوں ہونے کے ساتھ شل دوسرے بہت سے افراد کے وہ بھی اپنے قبیلہ میں چھپ رہے جب امامؑ کے کربلا میں وارد ہونے کی اطلاع ہوئی تو یہ عمر سعد کی فوج کے ساتھ کربلا پہونچے اور خفیہ طریقہ سے آکر حضرت سید الشہداء کے انصار میں شامل ہو گئے

روز عاشور جنگ چھڑنے کے بعد حملۂ اولی میں دوسرے شہداء کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

(۱۳)

جبلہ بن علی شیبانی

کوفہ کے باشندہ، بہادر اور شجاع تھے۔ جنگ صفین میں امیر المومنینؑ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت مسلم کی نصرت کیلئے بھی کمربستہ ہوئے تھے اور مثل دیگر اشخاص کے اُن کی تنہائی و بے یاوری کے بعد یہ بھی اپنے قبیلہ میں روپوش ہو گئے اور جب امام حسینؑ کربلا میں پہونچے تو آکر رفقائے امام میں شامل ہوئے تھے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ جن کے متعلق ملتا ہے کہ انھوں نے حضرت مسلم کی بیعت کی تھی اور پھر مخفی ہو گئے وہ ہوں گے جو موقع جنگ سے مسلم کے پاس پہونچ ہی نہ سکے۔ اور اس صورت حال کی بنا پر جس کا میں نے قاتلان حسینؑ کا مذہب رسالہ میں کافی تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ یہ یقینی ہے کہ سب لوگ جنھوں نے مسلم کی بیعت کی تھی اُن کا مسلم تک پہونچنا ممکن نہیں تھا۔

ابن شہر آشوب کی تصریح کے مطابق وہ اُن ہی شہداء میں ہیں جو حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے

زیارت شہداء میں انپر سلام موجود ہے (السلام علی جبلۃ بن علی الشیبانی)

(۱۴)

جنادۃ بن کعب بن حارث انصاری خزرجی

امام کی ہمراہی میں مکہ معظمہ سے متعلقین سمیت ساتھ آئے تھے اور حملۂ

maablib.org

اولیٰ میں جنگ کر کے شہید ہوئے۔

زیارت شہداء میں جو ناحیہ مقدسہ کے اسناد سے ابن طاؤس نے نقل کی ہے اُن پر سلام میری نظر سے نہیں گذرا مگر علامہ سماوی طاب ثراہ نے زیارت کے حوالہ سے اُن پر سلام بایں الفاظ نقل کیا ہے:۔ السلام علیٰ جنادۃ بن کعب بن الحرث الانصاری الخزرجی وابنہ عمرو بن جنادۃ ممکن ہے یہ زیارت کوئی دوسری ہو۔ ان کے فرزند عمر بن جنادہ کا تذکرہ اس کے بعد آئے گا۔

(۱۵)

جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی

قبیلہ بنی تیم میں سکونت رکھتے تھے اس لئے اسی قبیلہ کی طرف منسوب ہوئے اور جب کوفہ کے تمام قبائل امام حسینؑ سے جنگ کے لئے بھیجے جا رہے تھے تو یہ قبیلہ بنی تیم کے ساتھ عمر سعد کی فوج میں کربلا پہونچے اور جب امام حسینؑ کے پیش کردہ شرائط صلح نامنظور ہوئے اور جنگ کے آثار نظر آنے لگے تو یہ اسی قبیلہ کے چند دوسرے اشخاص کے ساتھ شب کے وقت عمر سعد کی فوج سے جدا ہو کر رفقائے امام کی جانب آ گئے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

maablib.org

زیارت شہداء کا جو نسخہ میری نظر سے گذرا ہے اُس میں ان کا نام اس طرح ہے:۔ السلام علی جون بن مالک الضبعی ۔لیکن صاحب ناسخ نے جو اس زیارت کو نقل کیا ہے اُس میں ہے السلام علیٰ جوین بن مالک ضبعی اور اُن شہداء کی فہرست میں جن کا تذکرہ مؤرخین ومحدثین نے نہیں کیا ہے

ور صرف زیارت میں اُن کا نام مندرج ہے وہاں بھی "جوی ابن مالک ضبعی" نام لکھا ہے۔

"لیکن اس سب کے برخلاف علامہ مامقانی نے زیارت کے حوالہ سے "جوین" ہی پر سلام نقل کیا ہے۔

ابن شہر آشوب نے عمرو بن مطاع جعفی کی شہادت کے بعد لکھا ہے۔ کہ پھر جون بن ابی مالک مولیٰ ابی ذر میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے

کیف تری الفجار ضرب الاسود الخ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے جون مولیٰ ابی ذر الغفاری اور جوین بن مالک دونوں کے حال کو خلط ملط کر دیا ہے۔ اس قسم کی غلطیاں مناقب میں بھی بہت ہیں۔

(۱۶)

حارث بن امرأ القیس بن عابس کندی

شجاعانِ روزگار میں سے عابد و زاہد تھے اور لڑائیوں میں کار نمایاں انجام دے چکے تھے۔ اُن کے مذہبی احساس اور ثبات و استقلال کے لئے یہ واقعہ یادگار ہے کہ قلعہ "مجیر" کے حصار میں وہ موجود تھے۔ جب مرتدین اُس قلعہ سے باہر نکال کے قتل کئے جانے لگے تو حارث نے اپنے حقیقی چچا پر حملہ کیا۔ اُس نے کہا میں تو تمہارا چچا ہوں۔ حارث نے کہا "اور خدا میرا پروردگار ہے" اُس کا حکم مقدم ہے" یہ کہکر اُسے قتل کر ڈالا

کربلا میں یہ بھی عمر سعد کی فوج میں آئے تھے لیکن شرائط صلح نامنظور ہونے

MAAB 1431
maablib.org

کے بعد وہاں سے علیحدہ ہوئے اور امام کے ساتھ ہو گئے حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

(۱۷)

حارث بن نبہان

نبہان حضرت حمزہ بن عبد المطلب کے غلام بہادر اور شہسوار تھے جنگ احد میں حمزہ کی شہادت ہوئی اس کے دو برس بعد نبہان نے دنیا سے مفارقت کی ان کے فرزند حارث نے امیر المومنینؑ کی خدمت میں رہنا اختیار کیا اور پھر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی خدمت میں رہے۔ جب حضرت سید الشہداءؑ نے مدینہ منورہ سے ہجرت فرمائی تو حارث بھی ہمراہ رکاب ہوئے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت کو حاصل کیا

(۱۸)

حباب بن حارث

علامہ ابن شہر آشوب نے حملۂ اولیٰ میں ان کا بھی نام درج کیا ہے حالات بالکل معلوم نہیں ہو سکے۔

(۱۹)

حباب بن عامر بن کعب تیمی

قبیلہ تیم اللات بن ثعلبہ میں سے کوفہ کے باشندہ شیعۂ اہلبیت تھے اور جناب مسلم بن عقیل کی بیعت کی تھی۔ جناب مسلم کی شہادت کے بعد اپنے قبیلہ میں پوشیدہ ہو گئے۔ جب امام حسینؑ کی کوفہ کی جانب روانگی کی اطلاع ہوئی تو خفیہ طریقہ پر کوفہ سے باہر نکلے اور راہ میں امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچ کر ہمراہ رکاب ہوئے۔ عاشور کے دن قبل ظہر حملۂ اولیٰ میں شہادت پائی

(۲۰)

حبشتہ بن قیس النہمی

پورا نام و نسب حبشتہ بن قیس بن سلمۃ بن طریف بن ابان بن سلمۃ بن حارثہ ہمدانی نہمی ہے۔

حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ ان کے دادا سلمۃ بن طریف صحابہ پیغمبر میں سے تھے اور خود حبشہ بن قیس راوی حدیث ہیں۔ یوم طف (روز عاشورہ) حسین بن علیؑ کے ساتھ قتل ہوئے۔

اصابہ ہی میں ایک دوسری جگہ انکا نام "حجیہ بن قیس" لکھا ہے جو کاتب کی غلطی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

"محاربۂ کربلا" میں انکا نام میں نے "حبشی بن قیس" لکھا ہے جو ابصار العین کے تتبع میں ہے لیکن تحقیق سے اس کے خلاف ثابت ہوا۔

(۲۱)

حجاج بن زید سعدی تمیمی

قبیلۂ بنی سعد بن تمیم میں سے بصرہ کے باشندہ تھے۔ امام حسینؑ نے مکہ معظمہ سے روانگی کے موقع پر چند خط رؤسائے بصرہ کے نام روانہ فرمائے تھے جن میں سے ایک مسعود بن عمرو ازدی کے نام تھا۔ مسعود نے اپنے قبیلہ کے تمام اقوام بنی تمیم۔ بنی حنظلہ۔ بنی سعد اور بنی عامر کو مجتمع کر کے تقریر کی اور نصرت امام حسینؑ کے لئے آمادہ کیا جن میں سے بعض نے ساتھ دینے میں تامل کیا اور بعض نے اعانت و نصرت کا پختہ وعدہ کیا۔ مسعود نے اس صورت حال سے مطمئن ہو کر ایک خط امام کے نام تحریر کیا جس میں امام کی تشریف آوری عراق پر اظہار مسرت کرتے ہوئے

یہ لکھا تھا کہ میں نے بنی تمیم اور بنی سعد کو تمام تر آپ کی نصرت کے لئے آمادہ کرلیا ہے اور وہ سب آپ پر اپنی جان نثار کریں گے۔

یہ خط حجاج بن یزید سعدی کے ہاتھ روانہ کیا گیا وہ امام کی خدمت میں کربلا میں آکر شرفیاب ہوئے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

زیارت شہداء میں انپر سلام بایں الفاظ ہے:۔ السلام علی الحجاج بن زید السعدی ۔ اور صاحب ناسخ نے ان کا نام اُن شہداء کی فہرست میں درج کیا ہے جنھیں مورخین و محدثین نے نظر انداز کردیا ہے اور صرف زیارت سے اُن کے نام کا پتہ چلتا ہے۔ تنقیح المقال میں بھی اُن کا نام اسی طرح ہے۔ اس سب کے برخلاف ابصار العین میں اُنکا نام "حجاج بن بدر التیمی السعدی" لکھا ہے جس کے تتبع میں میں نے بھی "محاربۂ کربلا" میں اس غلطی کا ارتکاب کیا ہے جو یقیناً محتاج اصلاح ہے۔

(۲۲)

حلاس بن عمرو ازدی راسبی

اصحاب امیر المومنینؑ میں سے تھے اور حضرت کے زمانۂ خلافت میں کوفہ میں افسر پولیس کی حیثیت رکھتے تھے۔ کربلا میں ابن سعد کی فوج کے ساتھ آئے اور گفتگوئے مصالحت کے ناکام ہونے پر مخفی طریقہ سے شب کے وقت امام حسینؑ کی طرف منتقل ہوگئے۔

ابن شہر آشوب نے اُن کا نام حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں درج کیا ہے ان کے نام کے متعلق شیخ طوسی رہ کی تصریح ہے کہ "جلاس" بوزن "غراب"

ہے اور بعض لوگوں نے "عنلاس" لکھا ہے اور مناقب کے مطبوعہ نسخہ میں "حلاسی" ہے۔ لیکن یہ چھاپہ کی غلطی ہے۔ ان کے بھائی نعمان بن عمرو ازدی کا تذکرہ اس کتاب میں اس کے بعد آئے گا۔

(۲۳)
حنظلہ بن عمر شیبانی

ابن شہر آشوب نے ان کا نام حملہ اولیٰ کے مقتولین میں ذکر کیا ہے۔

زاہر بن عمرو اسلمی کندی

اصحاب رسول میں سے راوی حدیث اور بیعت رضوان کے شرف سے بہرہ اندوز تھے صلح حدیبیہ کے بعد جنگ خیبر میں شریک جہاد بھی ہوئے ... شجاعت اُن کی ممتاز صفت اور نمایاں جوہر تھا اور اہل بیت کی محبت اُن کے لئے سرمایۂ اعزاز۔ جب زیاد بن ابیہ معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا اور عمرو بن الحمق الخزاعی نے اُس کی مخالفت کا علم بلند کیا تو زاہر بھی اُن کے ساتھ تھے اور ہر قول و فعل میں اُن کے ہم آہنگ۔ جب معاویہ نے عمرو بن الحمق کی گرفتاری کا حکم بھیجا تو زاہر کے نام بھی وارنٹ جاری ہوا مگر وہ روپوش ہو گئے اور قبضہ میں نہ آسکے۔

اصحاب ائمہ میں سے محمد بن سنان زاہری متوفی ۲۲۰ھ جو امام رضاؑ اور امام محمد تقیؑ کے رواۃ میں سے ہیں انہی زاہر کی اولاد میں سے تھے سنہ ۶۰ھ میں حج بیت اللہ الحرام سے شرفیاب ہوئے اور اس سلسلہ میں

امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی اور حضرت کی ہمراہی میں کربلا آئے اور ابن شہر آشوب کی تصریح کے مطابق حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

زہیر بن بشر خثعمی

ابن شہر آشوب نے حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں ذکر کیا ہے۔ اور زیارت شہداء میں ان پر سلام موجود ہے۔ السّلام علی زہیر بن بشر الخثعمی۔

(۲۶)

زہیر بن سلیم بن عمر ازدی

شب عاشور جبکہ امام حسینؑ کے قتل کا ارادہ یقینی صورت پر فوج ابن سعد کی طرف سے ظاہر ہو گیا تو اسوقت یہ امام حسینؑ سے آکر ملحق ہوئے اور حملۂ اولیٰ میں جنگ کر کے شہید ہوئے زیارت شہداء میں انپر سلام کے الفاظ یہ ہیں۔ السّلام علیٰ زہیر بن سلیم الازدی۔

فضل بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب نے ایک قصیدہ میں بنی امیہ کی سیاہ کاریوں کا تذکرہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں شہداء کربلا میں سے بعض کا نام بنام تذکرہ کیا ہے۔ ان میں زہیر کا نام بھی موجود ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

ارجعوا عامراً ورُدّوا زهیراً	ثم عثمان فارجعوا غارمینا
وارجعوا الحرّ وابن قین وقوماً	قتلوا حین جاوروا صفینا

(یعنی واپس کرو عامر کو اور زہیر کو ان کے علاوہ عثمان کو انہیں واپس کرو تاوان ادا کرتے ہوئے
اور واپس کرو جُرکو اور ابن قین کو ۔ اور اُن لوگوں کو جو جنگ صفین میں قتل ہوئے

یہاں زہیر سے مراد یہی زہیر بن سلیم ہی ہے کیونکہ زہیر بن قین کا ذکر اس کے بعد ابن قین کے الفاظ میں موجود ہے ۔

(۲۷)

سالم مولیٰ عامر بن مسلم العبدی

اپنے مالک کے ساتھ اسی قافلہ میں جو یزید بن ثبیط قیسی کے ساتھ بصرہ سے کربلا آیا تھا امام کی خدمت میں آئے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے زیارت شہداء میں ان پر سلام کیا گیا ہے ۔ السلام علیٰ سالم مولیٰ عامر بن مسلم

(۲۸)

سلیم

امام حسنؑ کا غلام بادفا کربلا میں حضرت امام حسینؑ میں شہید ہوا ۔

(۲۹)

سوار بن ابی عمیر نہمی

پورا نام و نسب سوار بن منعم بن حابس بن ابی عمیر بن نہم الہمدانی النہمی ہے شیخ طوسی نے کتاب الرجال میں اصحاب امام حسینؑ میں درج کیا ہے اور صدوق ابن بابویہ قمی نے من لایحضرہ الفقیہ میں ”باب میراث الجنین“ کے ذیل میں ایک حدیث درج کی ہے جس کا سلسلۂ سند سوار بن ابی عمیر تک پہونچا ہے امام حسینؑ کے کربلا پہونچنے کے بعد گفتگوئے صلح کے زمانہ میں یہ کربلا وارد ہوئے اور

امام کے ہمراہ رہے یہاں تک کہ حملۂ اولیٰ میں نصرت امام میں جنگ کا شرف حاصل لیا۔ ابن شہر آشوب نے ان کا ذکر حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر شہید نہیں ہوئے بلکہ زخمی ہو کر گر گئے اور گرفتار ہو کر عمر سعد کے پاس لائے گئے۔ اس نے چاہا کہ قتل کرائے مگر ان کی قوم کے لوگ مانع ہوئے اور انھیں اپنے ساتھ لے گئے۔ پھر بھی زخمی اتنے ہو چکے تھے کہ جانبر نہ ہو سکے اور چھ مہینے کے بعد انہی زخموں کی تکلیف سے انتقال کیا۔

اجر اُخروی کے اعتبار سے صورت حال کی بنا پر انکا شہدائے کربلا میں محسوب ہونا بعید نہیں اور چونکہ زخمی ہو کر گرنا اُن کا حملۂ اولیٰ میں ہے اس لئے ہم نے بھی شہدائے حملۂ اولیٰ کے ذیل میں ذکر کیا۔ زیارت شہداء میں حسب ذیل الفاظ میں سلام بھی موجود ہے۔ السلام علی الجریح للماسور سوار بن ابی عمیر النہمی الھمدانی۔ "نہمی" کے بجائے بعض کتب میں "فہمی" لکھا ہے جو صریحی غلط ہے۔

(۲۰)

سیف بن مالک عبدی

قبیلۂ عبد قیس سے بصرہ کے باشندہ اور اُن شیعیان اہلبیت میں سے تھے جو ماریہ بنت منقذ عبدیہ کے مکان میں مجتمع ہوا کرتے تھے یزید بن ثبیط قیسی کے ساتھ نصرت امام حسینؑ کے لئے روانہ ہوئے اور مقام ابطح میں امام کی ملاقات سے شرف اندوز ہوئے۔

اس تفصیل ادہم بن امیہ کے حالات میں آچکی ہے۔

ابن شہر آشوب نے حملۂ اولےٰ کے مقتولین میں "سیف بن مالک نمیری"

کا نام لکھا ہے اس میں نمیری کی لفظ بظاہر "بصری" کی تحریف ہے۔
ابصار العین میں "سیف بن مالک نمیری" جوین بن مالک تیمی مجهول کیا گیا ہے
اس میں نام اور نسبت دونوں کو غلط قرار دینے کی ضرورت پڑتی ہے اور
پھر "جوین" اور "سیف" میں کوئی تشابہ نہیں ہے جس سے ایک کو دوسرے کی
تحریف شدہ صورت سمجھا جائے اور نہ "تیمی" اور "نمیری" میں کوئی مناسبت ہے
اس کے علاوہ ابن شہر آشوب نے جوین بن ابی مالک کا صراحتہً مبارز طلبی
کے سلسلہ میں تذکرہ کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اُن کو جون مولیٰ ابی ذر کے
ساتھ متحد سمجھے ہیں جس کا تذکرہ سابق میں ہو چکا ہے۔ اس کے بعد کوئی وجہ
نہیں معلوم ہوتی کہ حملہ اولیٰ کے مقتولین میں اُن کی کسی عبارت کو جوین بن مالک کا
کے منطبق کیا جائے۔

ہمارا خیال اس بنا پر ناقابل انکار ہے کہ اس میں نام و نسب میں کوئی
تصرف لازم نہیں آتا۔ صرف "نمیری" کی لفظ غلط قرار پاتی ہے۔ جس کی اصل
"بصری" ہے اور ان دونوں لفظوں میں تناسب موجود ہے۔

زیارت شہداء میں ان پر سلام مذکور ہے (السّلام علی سیف بن مالک)

(۳۱)

شبیب بن عبداللہ

حارث بن سریع ہمدانی جابری کے غلام۔ صحابی رسول اور حضرت امیر المومنین
کے ساتھ جمل، صفین، نہروان تینوں لڑائیوں میں شرکت کا شرف حاصل کئے
ہوئے۔ کوفہ کے باشندہ تھے کربلا میں سیف بن حارث بن سریع اور مالک
بن حارث بن سریع دونوں اپنے آقازادوں کی معیت میں امام کی خدمت میں

پہونچے اور روز عاشور حملۂ اولی میں شہید ہوئے۔

زیارت شہداء کے پیش نظر نسخہ میں ان پر سلام کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

السلام علی شبیب بن الحارث بن سریع ۔ صاحب ناسخ نے بھی ان شہداء کی فہرست میں جنھیں مؤرخین و محدثین نے نہیں لکھا ہے اور صرف زیارت میں اُن کے اسماء کا تذکرہ ہے۔ "شبیب بن حارث بن سریع" ہی نام درج کیا ہے۔ بظاہر یہ راوی حدیث کی غلطی ہے جس نے "مولی" کے بجائے "ابن" کا لفظ نقل کردی ہے

(۳۴)

شبیب بن عبداللہ النہشلی

طبقۂ تابعین میں سے امیرالمومنینؑ کے اصحاب میں محسوب تھے اور حضرت کے ساتھ تینوں لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ آپ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کی صحبت اختیار کی اور پھر امام حسینؑ کے اصحاب میں داخل ہوئے اور حضرت کے مخصوصین میں سمجھے جاتے تھے۔ شیخ طوسی طاب ثراہ نے کتاب رجال میں انکا نام اصحاب امام حسینؑ ہی کی فہرست میں لکھا ہے جب امام حسینؑ نے مدینہ کو چھوڑ کر سفر غربت اختیار کیا تو شبیب بن عبداللہ وہیں سے آپ کے ہمراہ رکاب ہوئے اور مکہ میں آپ کے ساتھ رہے۔ پھر جب آپ مکہ سے روانۂ عراق ہوئے تو شبیب نے اسوقت بھی ساتھ دیا اور کربلا پہونچے۔ آخر روز عاشور حملۂ اولی میں شہید ہوئے

زیارت شہداء میں انپر سلام موجود ہے (السلام علی شبیب بن عبد الله النهشلی ۔۔

صاحب ناسخ نے انھیں اُن شہدار کی فہرست میں درج کیا ہے جنھیں محدثین و مؤرخین نے نہیں ذکر کیا اور صرف زیارت میں اُن کا نام درج ہے

(۳۳)

ضرغامۃ بن مالک تغلبی

شیخ طوسی نے رجال میں اصحاب امام حسینؑ میں محسوب کیا ہے۔ کوفہ میں انھوں نے جناب مسلم بن عقیل کی بیعت کی اور اُن کے شہید ہونے کے بعد روپوش ہو گئے۔ پھر عمر سعد کی فوج کے ساتھ کربلا آئے اور امام حسینؑ کے پاس آکر ملحق ہوئے۔

ابن شہر آشوب نے انھیں حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں درج کیا ہے۔

(۳۴)

عامر بن مسلم عبدی بصری

بصرہ کے باشندہ انھی شیعہ اشخاص میں سے تھے جو ماریہ بنت منقذ کے مکان میں جمع ہوا کرتے تھے۔ یزید بن ثبیط قیسی کے ساتھ نصرت امام کے لئے روانہ ہوئے اور مقام "ابطح" میں حضرت کے پاس پہونچے روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے

زیارت شہدا میں انپر سلام ہے السلام علی عامر بن مسلم

(۳۵)

عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جہنی

مکۂ معظمہ سے امام حسینؑ کی روانگی اہل کوفہ کی دعوت پر مبنی تھی اس لئے

عام طور سے لوگوں کے توقعات آپ کے ساتھ وابستہ تھے کہ آپ ایک ایسے ملک میں جارہے ہیں جہاں بحیثیت پیشوا و امام کے آپ کی اطاعت کی جائے گی اور آپ کو اقتدار کلی حاصل ہوگا۔

اس کا نتیجہ تھا کہ راستہ میں عرب کے بدّو قبائل جن کی طرف سے گذر ہوتا تھا بہت سے اُن میں سے قافلہ میں شامل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ "میاہ جہینہ" نام والے چشموں کے پاس سے قبیلہ جہینہ کے بہت سے لوگ آپ کے ساتھ ہوئے انہی میں سے عباد بن مہاجر بھی تھے

جب مسلم و ہانی کے مقتول ہونے کی خبر سننے کے بعد امام حسینؑ نے منزل زبالہ پر لوگوں کو اپنا پیغام سنایا کہ حالات اس صورت پر ہیں اور ہمارے ساتھ کوئی امید نہ رکھنا چاہئے لہٰذا جو شخص واپس جانا چاہتا ہو وہ واپس چلا جائے تو اسوقت بہت سے لوگ جب و راست منتشر ہو گئے اور بس وہ لوگ رہ گئے جو آپ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے

لیکن عباد بن مہاجر ان باوفا لوگوں میں سے تھے جنھوں نے اس وقت امام کا ساتھ نہیں چھوڑا اور وہ آخر تک حضرت کے ساتھ ساتھ رہے یہاں تک کہ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

(۳۶)

عبدالرحمن بن عبد رب انصاری خزرجی

صحابۂ رسول میں سے حدیث غدیر کے راوی اور شاہد تھے جیسے حافظ ابن عقدہ نے اپنی طریق سے نقل کیا ہے

رجال شیخ میں ان کا نام اصحاب امیرالمومنین میں لکھا ہے۔ وہ حضرت

کے بڑے مخصوص تربیت یافتہ شاگرد تھے۔ حضرت نے اُن کو خود قرآن مجید کی تعلیم دی اور اُن کی تربیت کی طرف توجہ فرمائی ۵۲
امام حسینؑ کے ساتھ مکہ ہی سے روانہ ہوئے اور کربلا تک ہمراہ رکاب آئے
صبح روز عاشور بعض آداب طہارت کی ادائی کے لئے جب امام حسینؑ نے ایک خیمہ نصب کرایا ہے اور آپ مصروف تطہیر ہوئے ہیں تو عبدالرحمن بن عبد ربہ اور بریر بن حضیر ہمدانی خیمہ کے دروازہ پر تھے اور اُس میں بے تکلفانہ کشمکش ہو رہی تھی کہ امامؑ کے بعد پہلے کون جا کر مصروف تطہیر ہوگا۔ اس موقع پر بریر عبدالرحمن سے مذاق کرنے لگے تو عبدالرحمن نے کہا۔ چھوڑو ان باتوں کو یہ مذاق کا وقت نہیں ہے جس کے جواب میں بریر نے کہا تھا کہ آج سے بڑھ کر تو کوئی خوشی کا ہنگام ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ تھوڑی ہی دیر میں جنت کی سیر ہوگی اور حوروں کے ساتھ لطف ملاقات۔ اس روایت کا راوی انہی عبدالرحمن کا غلام تھا جو ان کے ساتھ تھا مگر کربلا سے زندہ واپس گیا تھا
جنگ چھڑنے کے بعد حملۂ اولیٰ میں شہادت پائی

(۱۷)

عبدالرحمن بن عبداللہ بن کدن ارحبی

طبقۂ تابعین میں سے معزز شخص، بہادر اور معرکہ آزما تھے
کوفہ سے جو دوسرا وفد امام حسینؑ کے پاس بھیجا گیا ہے اور جس کے ہاتھوں تقریباً ۵۳ عرضداشتیں جن میں سے ہر ایک دو تین اور چار دستخطوں سے تھی امام کے نام روانہ کی گئی تھیں اس وفد میں قیس بن مسہر صیداوی اور عمارہ بن عبید سلولی کے ساتھ یہ عبدالرحمن بن عبداللہ بھی تھے۔

امام سے جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تو ان تینوں نمایندوں کو اُن کے ساتھ کر دیا

پھر عبدالرحمٰن بن عبداللہ کسی صورت سے دوبارہ امام حسین کے پاس آگئے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

زیارت شہداء میں اُن پر سلام بایں الفاظ ہے (السلام علی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن الکدن الارحبی۔

(۳۸)

عبدالرحمٰن بن مسعود

ان کے والد مسعود بن حجاج تیمی تھے جن کا تذکرہ سلسلۂ شہداء میں بعد کو آئے گا۔ یہ دونوں باپ بیٹے عمر سعد کی فوج کے ساتھ آئے تھے اور ساتویں محرم کو امام کے پاس سلام کرنے کے قصد سے آئے مگر پھر واپس نہیں گئے۔ روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے

(۳۹)

عبداللہ بن بشر خثعمی

پورا نام و نسب حسب ذیل ہے۔ عبداللہ بن بشر بن ربیعۃ بن عمرو بن منارۃ بن قمیر بن عامر بن رائسۃ بن مالک بن واہب بن جلیحۃ بن کلب بن ربیعۃ بن عفرس بن خلف بن اقبل بن انمار الانماری الخثعمی۔

بشر بن ربیعہ خثعمی اپنے زمانہ کے مشہور روزگار شخص اور میدان جنگ کے معرکہ آزما شہسواروں میں سے تھے کوفہ کا مشہور احاطہ جو "جبانہ بشر" کہلاتا تھا وہ انہی کے نام سے منسوب تھا اور جنگ قادسیہ میں اُن کا یہ شعر زبان زد تواریخ ہے۔

انخت بباب القادسیۃ ناقتی وسعد بن وقاص علی امیر

ان کے فرزند عبداللہ بھی صفات شجاعت وجرائت ونام آوری میں اپنے پیشرو کے قدم بقدم تھے۔ میدان کربلا میں فوج عمر سعد کے ساتھ پہونچکر انصار امام حسینؑ میں آکر شامل ہوئے اور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت کو حاصل کیا

(۴۰)

عبد اللہ بن یزید بن ثبیط قیسی

یزید بن ثبیط قیسی کا تذکرہ اس کے بعد آئے گا۔ ان کے دس بیٹے تھے جن کے سامنے انھوں نے حضرت امام حسینؑ کے لئے چلنے کا سوال پیش کیا لیکن ان میں صرف دو وہ تھے جنھوں نے اس اہم ارادہ میں باپ کا ساتھ دیا ان میں سے ایک یہی عبداللہ تھے۔

چنانچہ وہ اپنے باپ کی ہمراہی میں بصرہ سے روانہ ہوئے اور ابطح میں آکر خدمت امامؑ میں بہرہ اندوز ہوئے کربلا پہونچ کر روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

(۴۱)

عبید اللہ بن یزید بن ثبیط قیسی

اپنے باپ کے دوسرے وہ فرزند تھے جنھوں نے حضرت امام حسینؑ کے لئے باپ کا ساتھ دیا۔ اور یہ بھی اپنے بھائی کی طرح حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے

(۴۲)

عقبہ بن صلت جہنی

"میاہ جہینہ" کے اعراب میں سے جو اشنار راہ میں سے امام کے ساتھ

ہو گئے تھے ایک یہ بھی تھے منزل زبالہ میں امام کے خطبہ کو سنکر جب دوسرے لوگ چلے گئے تو یہ امام کے ساتھ باقی رہے یہاں تک کہ روز عاشور شہید ہوئے

علامہ مامقانی کا بیان ہو کہ وہ صحابی رسولؐ اور راوی حدیث ہیں اور سفر عراق کے موقع پر امام کے ساتھ آئے تھے

(۴۳)

عمار بن ابی سلامہ دالانی

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ عمار بن ابی سلامہ بن عبد اللہ بن عمران بن راس بن دالان ہمدانی' انھوں نے رسالتمآبؐ کے زمانہ کا ادراک کیا اور علی بن ابیطالب کے ساتھ جمل۔ صفین۔ نہروان تینوں لڑائیوں میں شرکت کی ور کربلا میں حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ قتل ہوئے

ابن شہر آشوب نے ان کا نام حملہ اولی کے مقتولین میں ذکر کیا ہے

(۴۴)

عمار بن حسان طائی

عمار بن حسان بن شریح بن سعد بن حارثہ بن لام بن عمرو بن ظریف بن عمرو بن ثمامہ بن ذہل بن جذعان بن سعد بن طے۔

مخصوص و ممتاز شیعیان اہلبیت میں سے مشہور بہادر و جنگ آزما تھے ان کے باپ حسان بن شریح امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے تھے اور جنگ صفین میں حضرت کی نصرت میں شہید ہوئے۔

عمار امام حسین کے ساتھ مکہ معظمہ سے آئے تھے۔ اور روز عاشور حملۂ اولی میں شہید ہوئے

زیارت شہداء میں اُن پر سلام ہے السلام علی عمار بن حسان

بن شریح الطائی۔

اصحاب زمانۂ ائمہ میں سے عبداللہ بن احمد بن عامر بن سلیمان بن صالح بن وہب بن عمار بن حسان بن شریح طائی جلیل القدر عالم اور فقیہ تھے جو اپنے والد کے ذریعہ سے امام رضاؑ سے روایت رکھتے تھے اور کتاب القضایا والاحکام کے مصنّف تھے۔ وہ انہی عمار بن حسان کی اولاد میں سے تھے لیکن کتب رجال میں ان کا نام اس موقع پر عامر بن حسان لکھا ہے۔ بہرحال یہ تصریح موجود ہے کہ ھو الذی قتل مع الحسینؑ بکربلا

(۴۵)

عمرو بن ضبیعۃ بن قیس بن ثعلبۃ ضبیعی تیمی

یہ بہادر اور شہسوار اور جنگ کے میدانوں میں کارنمایاں انجام دئے ہوئے تھے۔ شیخ طوسی نے انھیں اصحاب امام حسینؑ میں ذکر کیا ہے عمر سعد کی فوج کے ساتھ میدان کربلا میں آئے اور پھر انصار امام حسینؑ میں شامل ہو گئے۔ اور ابن شہر آشوب کی تصریح کے مطابق حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ مناقب مطبوعہ بمبئی میں اُن کا نام "عمرو بن مشیعہ" لکھا ہے۔ لیکن یہ چھاپہ کی غلطی ہے۔

اسی بنا پر سپہر کاشانی نے مناقب ہی کے حوالہ سے جو شہدائے حملۂ اولیٰ کی فہرست درج کی ہے اُس میں عمرو بن ضبیعہ ضبعی لکھا ہے۔ اور ابصار العین نے بھی اس بارے میں مناقب کا حوالہ دیا ہے۔

(۴۶)

عمران بن کعب بن حارث اشجعی

ابن شہر آشوب نے حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں محسوب کیا ہے

زیارت میں آپ پر سلام بایں الفاظ ہے السلام علی عمران بن کعب الانصاری لیکن صاحب ناسخ نے زیارت کے الفاظ میں "عمر بن کعب" نقل کیا ہے اور اُن شہدار کی فہرست میں بھی جنھیں مورخین و محدثین نے نہیں لکھا ہے اور صرف زیارت میں اُن کا تذکرہ ہے، یہی نام درج کیا ہے

(۴۷)

قارب مولی الحسینؑ

قارب بن عبداللہ بن اریقط لیثی دئلی، ان کی ماں فکیہہ امام حسینؑ کی حرم سرا میں جناب رباب مادر سکینہؑ کی کنیز تھیں ان کی شادی عبداللہ بن اریقط کے ساتھ ہوئی جن سے قارب کی ولادت ہوئی۔ قارب اپنی ماں کی ہمراہی میں امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور پھر کربلا آگئے اور حملہ اولیٰ میں قتل ہوئے۔

زیارت شہدار میں ان پر سلام کیا گیا ہے۔ السلام علی قارب مولی الحسینؑ بن علیؑ۔

اور صاحب ناسخ نے ان کا نام اُن شہدار کے سلسلہ میں درج کیا ہے جنھیں محدثین و مؤرخین نے ذکر نہیں کیا ہے اور صرف زیارت میں اُنکا تذکرہ ہے

(۴۸)

قاسط بن زہیر بن حارث تغلبی

یہ اور ان کے دو بھائی جن کا تذکرہ بعد کو ہوگا۔ امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے تھے اور حضرت کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے۔ پھر امام حسنؑ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ حضرت نے حجاز کی طرف مراجعت فرمائی

اس کے بعد یہ لوگ کوفہ میں قیام پذیر رہے جب امام حسینؑ کربلا میں وارد

ہوئے تو یہ لوگ کسی طرح مخفی طریقہ سے امام کی خدمت میں پہونچے

اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے

زیارت شہداء میں اُن پر سلام بھی موجود ہے۔

(۴۹)

قاسم بن حبیب بن ابی بشر ازدی

شیعیان کوفہ میں سے بہادر دلیر اور شہسوار تھے۔ شیخ الطائفہ نے ان کو اصحاب امام حسینؑ میں محسوب کیا ہے عمر سعد کے ساتھ کربلا آئے اور یہاں پہونچکر امام کے انصار میں ملحق ہوگئے اور روز عاشور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے زیارت شہداء میں اُن پر سلام مذکور ہے۔ السلام علی قاسم بن حبیب الازدی۔

صاحب ناسخ نے اُن کے نام کا ذکر اُن شہداء کے ذیل میں کیا ہے جنہیں مؤرخین و محدثین نے نہیں لکھا ہے اور صرف زیارت سے اُن کا پتہ چلتا ہے۔

(۵۰)

کردوس بن زہیر بن حارث تغلبی

اُن کے ایک بھائی قاسط بن زہیر کا تذکرہ ابھی ہو چکا ہے اور دوسرے بھائی مقسط کا حال بعد کو لکھا جائے گا۔ یہ تینوں بھائی اصحاب امیر المومنینؑ میں سے تھے اور حضرت کے ساتھ لڑائیوں میں شرکت کی کربلا میں خفیہ طریقہ پر نصرت امام حسینؑ کے لئے آئے اور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت

پر فائز ہوئے

زیارت شہداء کے پیش نظر نسخہ میں سلام کے الفاظ یہ ہیں۔ السلام علی قاسط وکرش ابنی زہیر التغلبیین۔

صاحب ناسخ نے بھی زیارت کے الفاظ یہی نقل کئے ہیں بلکہ اتنا اور اختلاف ہے کہ "زہیر" کے بجائے "ظہیر" لکھا ہے انھوں نے مناقب ابن شہر آشوب سے حملۂ اولیٰ کے مقتولین کی جو فہرست نقل کی ہے اس میں بھی کرش بن ظہیر کے بعد ظہیر" کا نام لیا ہے لیکن مناقب کے مطبوعہ نسخہ میں یہ موجود نہیں ہے۔ قاسط کا نام ہے مگر ان کی ولدیت مثل دیگر کتب کے "زہیر" ہی لکھی ہے اس لئے میں اسے ناسخ کی غلطی ہی سمجھتا ہوں۔

(۵۱)

کنانہ بن عتیق تغلبی

کنانہ بن عتیق بن معاویہ بن جماعت بن قیس تغلبی کوفی، شجاعان روزگار میں سے۔ عابد و زاہد انسان اور حافظ قرآن تھے۔ میں نے ان کے حالات "تذکرۂ حفاظ شیعہ" میں لکھے ہیں۔ وہ لڑائی ٹھننے سے پہلے کربلا میں امام کے پاس پہونچے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے

زیارت شہداء میں بھی سلام مذکور ہے السلام علی کنانۃ بن عتیق۔

(۵۲)

مجمع بن زیاد بن عمرو جہنی

یہ میاہ جہینہ کے اعراب میں سے تھے اثناء راہ میں جو امام کے ساتھ ہو گئے تھے منزل زبالہ کے خطبہ کو سنکر ان کا کثیر مجمع متفرق ہو گیا مگر مجمع بن زیاد

امام کے ہمراہ رہے اور روز عاشور شہید ہوئے
پہلے اُن کا گھوڑا زخمی ہو کر قتل ہوا پھر چند آدمیوں کو قتل کر کے دشمنوں میں
گھر گئے اور قتل ہو گئے یہ صورت حملۂ اولیٰ کے حالات کے بالکل مطابق
ہے

۵۳
مسعود بن حجاج تیمی

کوفہ کے بڑے مشہور شیعہ اور لڑائیوں میں کام کئے ہوئے تھے۔ شیخ الطائفہ
نے انھیں اصحاب امام حسینؑ میں درج کیا ہے وہ اپنے فرزند عبدالرحمٰن
بن مسعود کے ساتھ جن کا ذکر پہلے آچکا ہے عمر سعد کی فوج کے ساتھ آئے تھے
اور ساتویں محرم کو امام کے پاس سلام کرنے کے لئے آئے تو پھر واپس
نہیں گئے حملۂ اولی میں شہید ہوئے
زیارت شہداء میں اُن کا اور اُن کے فرزند کا ایک ساتھ تذکرہ ہے۔
السلام علی مسعود بن الحجاج وابنہ۔ اسے زیارت کی روایت میں
سپہر نے بھی اسی صورت سے نقل کیا ہے
مگر حملۂ اولی کے مقتولین میں صاحب مناقب کی زبانی بیٹے کے بجائے باپ
ہو گیا یعنی پوتے کی جگہ دادا نے چھین لی۔ چنانچہ مسعود بن حجاج کے نام کے بعد
لکھا ہے۔" ودیگر پدرش حجاج
مجھے ایک "مفعل" انسان کی حیثیت دیکھتے ہوئے اس پر کوئی تعجب نہیں۔ بیشک
وہ افراد اسے دیکھیں جو صاحب ناسخ کی محققانہ حیثیت پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔

maablib.org

(۵۴)

مسلم بن کثیر اعرج

انھیں الفاظ میں اُن کا نام رجال شیخ طوسی میں اصحاب امام حسینؑ کی فہرست میں درج ہے لیکن اُنکا نام و نسب حسب ذیل ہے۔

مسلم بن کثیر بن قلیب صدفی ازدی قبیلہ "ازد شنواہ" میں سے۔ اعرج یعنی لنگ تھے۔ جنگ جمل میں امیرالمومنینؑ کی نصرت میں شریک جنگ رہا اور پنڈلی پر تیر پڑا جس کا اثر ہمیشہ رہا۔ انھوں نے زمانہ رسالتمآبؐ کا ادراک بھی کیا تھا۔ کوفہ سے نصرت امام حسینؑ کے لئے روانہ ہوئے اور کربلا میں آکر قدم بوس ہوئے۔ حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

ناسخ میں مناقب کے حوالہ سے شہدار حملۂ اولیٰ میں ان کا نام اسلم بن کثیر ازدی عرج لکھا ہے

اس کا ماخذ زیارت شہدار کا پیش نظر نسخہ ہے جس میں سلام اس طرح ہے السلام علی اسلم بن کثیر الازدی۔

صاحب ناسخ نے بھی زیارت کو اسی صورت سے نقل کیا ہے بلکہ اُس میں "الازدی" کے بعد "الاعوج" کی لفظ کا اضافہ کیا ہے جو "الاعرج" کی خرابی ہے لیکن یہ سب روایتی تحریفیں ہیں جن کی اصل وہی ایک ہے۔"

(۵۵)

مقسط بن زہیر بن حارث تغلبی

یہ اور ان کے دو بھائی قاسطؔ اور کردوس جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اصحاب امیرالمومنین میں تھے اور حضرت کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے۔

کربلا میں خفیہ طریقہ پر نصرت امام حسینؑ کے لئے آئے اور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

رجال شیخ طوسی میں انکا ذکر اصحاب امام حسینؑ میں موجود ہے۔ بیشک علامۂ مامغانی کا یہ تعجب حق بجانب ہے کہ زیارت شہداء میں تا اسط اور کردوس اُن کے دونوں بھائیوں پر سلام موجود ہے لیکن انکا کوئی ذکر نہیں ممکن ہے یہ راویوں کے حذف و اسقاط کا نتیجہ ہو۔

(۵۶)

منیع بن زیاد

علامۂ مامغانی زیارت رجبیہ سے اُنپر سلام کا حوالہ دیتے ہیں اور یہ کہ اُن کا نام وہاں "منیع بن زیاد" ہی درج ہے لیکن رجال شیخ طوسی میں اصحاب امام حسینؑ کے ذیل میں "منیع بن رقاد" لکھا ہے "زیارت رجبیہ" کا اصل ماخذ اب تک میری نظر سے نہیں گذرا

(۵۷)

نصر بن ابی نیزر

ابو نیزر نجاشی بادشاہ حبشہ یا کسی اور ملک عجم کے بادشاہ کی نسل سے تھے بچپنے میں شرف اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کا شوق پیدا ہوا، رسالتمآبؐ کی خدمت میں لائے گئے اور اسلام لائے۔ حضرتؐ نے اُن کی تربیت کی۔ آپکی وفات کے بعد وہ امیرالمومنینؑ کی خدمت میں رہے اور آپ کے ایک مملوکہ نخلستان میں اصلاح و تربیت پر مامور ہوئے۔ کامل میں اُن کے حالات کا تذکرہ ہے اور اُن کی زبانی ایک خاصی طویل روایت امیرالمومنینؑ کے چشمہ برآمد کرنے اور

اُسے وقف کرنے کے بارے میں درج کی گئی ہے

ان کے فرزند نصر نے کمسنی اور نوجوانی امیرالمومنین اور امام حسنؑ کے ساتھ گذاری اور آخر میں امام حسینؑ کی غلامی میں رہے یہاں تک کہ سفر عراق میں حضرت کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا آئے۔ حملۂ اولیٰ میں ان کا گھوڑا کام آیا پھر وہ خود درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

ابن شہر آشوب نے حالات امیرالمومنینؑ کے ذیل میں غلاموں کی فہرست میں سعد اور نصر کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "قتل مع الحسین" امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے

(۵۸)

نعمان بن عمرو ازدی راسبی

کوفہ کے باشندہ اصحاب امیرالمومنینؑ میں سے تھے اور امیرالمومنینؑ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک بھی ہوئے تھے۔ شیخ طوسی نے ان کا نام اصحاب امام حسینؑ میں درج کیا ہے ان کے بھائی حلاس بن عمرو ازدی کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔

کربلا میں دونوں بھائی عمر سعد کی فوج کے ساتھ آئے اور شرائط صلح ختم ہونے پر آکے امام سے ملحق ہوگئے حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ ۵۱

(۵۹)

نعیم بن عجلان انصاری

نعیم بن عجلان بن نعمان بن عامر بن زریق الانصاری الزرقی الخزرجی وہ اور اُن کے دو بھائی نضر اور نعمان اصحاب امیرالمومنینؑ میں سے تھے اور جنگ

صفین میں کارنمایاں انجام دیے تھے اور یہ تینوں شجاعان روزگار اور شعرا میں سے تھے۔

نعمان بن عجلان کو امیر المومنین ؑ نے عمرو بن ابی سلمہ مخزومی کی معزولی کے ساتھ بحرین کا حاکم مقرر کیا۔ نضر اور نعمان دونوں نے امام حسن ؑ کی خلافت کے زمانہ میں انتقال کیا اور نعیم کوفہ میں قیام پذیر رہے۔ جب امام حسین ؑ سرزمین عراق پر پہونچے تو وہ کوفہ سے نکلکر خدمت امام میں آئے۔ اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

زیارت شہدا میں انپر سلام ہے۔ السلام علی نعیم بن عجلان الانصاری

یہاں پر حملۂ اولیٰ کے پچاس شہدا کی تعداد پوری ہوگئی۔ مذکورہ بالا تفصیل اس اجمالی فہرست سے کافی اختلاف رکھتی ہے جو گذشتہ سال کے رسالہ "محاربۂ کربلا" میں درج کی گئی تھی یہ تجدید نگاہ اور ذوق تحقیق کا لازمی نتیجہ ہے آئندہ کے ایڈیشن میں اس فہرست کو اسی تفصیل کے مطابق کر دینا چاہیے۔

اب وہ لوگ ہیں جو حملۂ اولیٰ کے بعد سے نماز ظہر تک شہید ہوئے۔

بکر بن حی بن تیم اللات بن ثعلبہ تیمی

عمر سعد کی فوج کے ساتھ کربلا آئے تھے مگر جنگ چھڑنے کے بعد توفیق الٰہی دستگیر ہوئی اور امام حسین ؑ کے ساتھ آکر شریک جہاد ہو گئے۔ حملۂ اولیٰ کے بعد درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

عمرو بن جنادہ بن کعب خزرجی

ان کے باپ جنادہ بن کعب کا تذکرہ حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں ہو چکا

ہو۔ عمر بن جنادہ کا میدان کربلا میں تو دس برس کا سن تھا ؎۱ ان کی شہادت کا واقعہ میں نے "محاربۂ کربلا" میں تفصیل سے لکھا ہے۔

بچہ کا خدمت امام میں آکر طالب رخصت ہونا اور امام کا توقف فرمانا اور یہ کہنا کہ اس کے قتل سے اس کی ماں کو تکلیف پہونچے گی اور بچہ کا کہنا کہ مجھے میری ماں ہی نے بھیجا ہے اور مجھے جنگ کا لباس اُنھوں ہی نے پہنایا ہے یہ تمام اُس روایت کے اجزا ہیں جو عام طور سے مسلم بن عوسجہ کے فرزند کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور عام طور سے ذاکرین کی زبان پر آیا کرتی ہے اس کے متعلق میں نے سابق میں مسلم بن عوسجہ کے حالات میں تبصرہ کیا ہے۔

عمرو بن جنادہ کے قتل ہونے پر دشمنوں نے ان کا سر کاٹ کر خیام حسینی کی طرف پھینک دیا۔ بیوہ ماں نے فرزند کا سر اُٹھالیا اور شاباشی دی پھر اُس سر کو فوج دشمن کی طرف پھینک دیا اور خود عمود خیمہ لیکر میدان جنگ میں آگئی۔ امام نے اسے گوارا نہ کیا اور اُس عورت کو خیمہ کی طرف واپس کرادیا۔

ابن شہر آشوب نے عمرو بن جنادہ کے بعد ایک دوسرے نوجوان کی طرف اس واقعہ کو منسوب کیا ہے۔ اُنھوں نے جنادہ بن حارث انصاری کی شہادت کے بعد اُن کے فرزند کے واقعہ کو صرف اس جملہ میں ختم کیا ہے کہ

ثم برز ابنہ فاستشهد — پھر انکا فرزند میدان جنگ میں آیا اور شہید ہوا

ثم برز فتی قائلاً:- امیری حسین ونعم الامیر سرور فؤاد البشیر النذیر

(یعنی) پھر ایک جوان میدان میں آیا یہ رجز پڑھتا ہوا کہ امیری حسین ونعم الامیر — الخ

اور اس روایت کے تتمہ میں درج کیا ہے کہ اُس جوان کا سر کاٹ کر اُس کی ماں کی جانب پھینکدیا اور وہ میدان جنگ میں آگئی۔ اس میں رخصت کے وقت کی صورت امام کا اجازت دینے سے انکار کرنا اور بچہ کا کہنا کہ میری ماں نے بھیجا ہے یہ سب مذکور نہیں۔

صاحب ناسخ نے اس گمنام جوان کی شہادت کا عمرو بن مطاع جعفی کی شہادت کے بعد تذکرہ کیا ہے اور وہاں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ اس جوان کا باپ میدان جنگ میں قتل ہوچکا تھا اور وہ ماں کے کہنے سے میدان جنگ میں آیا۔ اور امام نے منع کیا اس لحاظ سے کہ اس کی ماں اس کو برداشت نہ کرسکے گی اور جوان نے کہا کہ میری ماں ہی نے مجھ کو بھیجا ہے۔ وہ میدان جنگ میں آیا اور وہی رجز پڑھی۔ امیری حسین ونعم الامیر الخ

پھر اُس کا سر قلم کرکے خیام حسینی کی طرف پھینکا گیا اور ماں نے اُٹھالیا پھر فوج دشمن کی طرف پھینکدیا اور خود میدان جنگ میں آکر لڑنے لگی لیکن امام نے واپس بلالیا۔

اب یہ روایت بالکل عمرو بن جنادہ والی روایت سے متحد ہوگئی۔ مگر اُنھوں نے عمرو بن جنادہ کی شہادت کا تذکرہ پھر اس کے بعد اُن کے باپ جنادہ بن حارث کی شہادت کے بعد کیا ہے۔ اور ان کی ایک بالکل خاص الخاص نئی رجز بھی لکھی ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

اضق الخناق من ابن ھند وارمہ ٭ من عامہ بفوارس الانصار

یہ اشعار بالکل رجز کے انداز سے علیحدہ ہیں اور ذوق سلیم اُن کی صحت سے انکار رکھتا ہے۔

(۶۲)
یزید بن حصین مشرقی

کوفہ کے رہنے والے بڑے عبادت گذار انسان اور شجاع و بہادر تھے۔ شیخ طوسی نے اُنھیں اصحاب امام حسین میں محسوب کیا ہے۔ جناب مسلم بن عقیل کے کوفہ آنے پر اُن کی بیعت کی اور مسلم کے قتل ہونے پر یہ کوفہ سے باہر نکلے اور امام حسینؑ سے جاکر ملحق ہوئے۔ کربلا میں جب فرزند رسول پر پانی بند کیا گیا تو یزید بن حصین نے امام سے اجازت طلب کی کہ عمر سعد کے پاس جاکر پانی کے باب میں گفتگو کریں۔ امام نے اجازت دی۔ وہ عمر سعد کے پاس آئے اور گفتگو کی جو ناکام ہوئی۔ آخر اپنی جگہ پر واپس آئے روز عاشور نماز ظہر کے قبل جہاد کرکے شہید ہوگئے۔

زیارت شہداء میں اُن پر سلام بایں الفاظ ہے۔

السلام علی یزید بن حصین الھمدانی المشرقی القاری المجدّل بالمشرفی

صاحب ناسخ نے نام اُن کا اُن شہداء میں درج کیا ہے جنھیں مؤرخین و محدثین نے نہیں لکھا ہے اور صرف زیارت میں اُن کے نام کا تذکرہ ہوا ہے۔ مجھے بعض قرائن کی بناء پر یہ شبہہ پیدا ہو رہا ہے کہ یزید بن حصین نام کے کوئی شہید نہیں تھے بلکہ یہ "بریر بن حضیر" ہمدانی کے نام کی مغلوط صورت ہے ممکن ہے آئندہ میرا یہ شبہہ یقین کا درجہ حاصل کرلے اور یہ نام بالکل ساقط ہوجائے۔

(۶۳)

حبیب ابن مظاہر اسدی

نام و نسب | حبیب بن مظاہر بن رئاب بن اشتر بن ججوان بن فقعس بن طریف بن عمرو بن قیس بن حارث بن ثعلبہ بن دودان بن اسد کنیت ابوالقاسم۔ قبیلہ کے لحاظ سے اسدی فقعسی کہلاتے تھے اور عرب کے مشہور شہسوار شاعر ربیعہ بن حوط بن رئاب کے حجازاد بھائی تھے۔

طبقہ | ابن کلبی کی روایت کے مطابق وہ صحابی تھے اور رسولؐ کی زیارت کی تھی۔ الشیخ طوسی نے انھیں اصحاب امیرالمومنینؑ اور پھر اصحاب امام حسنؑ اور اصحاب امام حسینؑ تینوں بابوں میں درج کیا ہے۔

باپ کے نام کی تحقیق | حبیب کے باپ کا نام جو زبان زد خلائق ہے وہ "مظاہر" الف کے ساتھ مگر بعض اقوال اس کے خلاف ہیں۔

فاضل سماوی لکھتے ہیں (مظہر) بضم المیم و فتح الظاء المعجمۃ بزنۃ محمد علی الاشہر و یضبط بالطاء المہملۃ فی بعض الاصول و بعضہن علی الالسن و فی الکتب مظاہر و ھو خلاف المضبوط قدیماً

(یعنی) مظہر میم کے ضمہ ظاء کے فتحہ کے ساتھ "محمد" کے وزن پر ہے جیسا کہ زیادہ تر مشہور ہے اور بعض ماخذوں میں اس کی "مطہر" طائے غیر منقوطہ کے ساتھ تعیین کی گئی ہے۔ اور عام طور سے زبانوں پر اور کتابوں میں "مظاہر" جاری ہے۔ لیکن یہ اس لفظ کی قدیم تعیین کے خلاف ہے۔

اس کے بالکل برخلاف رجال ابن داؤد میں حبیب کا نام درج کرتے ہوئے اُن کو "ابن مظاہر" لکھا ہے۔ اور دوسرے قول کو تضعیفی شکل سے

اس طرح لکھا ہے کہ قیل مظہر بفتح الظاء و تشدید الھاء وکسرہا (یعنی) کہا گیا ہے کہ مُظَہِّر ظار کے فتح اور ہار کے تشدید اور کسرہ کے ساتھ ہے۔ پھر پہلے قول کی اس طرح تقویت کی ہے کہ والاول بخط الشیخ رحمۃ اللہ۔ لیکن اول (مظاہر) خود شیخ طوسی کے قلم کی تحریر میں درج ہے۔

شہید ثانی کے حواشی خلاصہ میں لکھا ہے:۔ قال ابن طاؤس انہ وجدہ مظاہر بخط عمید الرؤساء۔

"سید ابن طاؤس کا بیان ہے کہ "مظاہر" میں نے کاتب ابن عمید کے قلم کی تحریر میں دیکھا ہے۔"

اس کی تصریح سید ابن طاوس کی کتاب "تحریر طاؤسی" کے حاشیہ پر موجود ہے۔

علامہ مامقانی نے اس موقع پر اچھا محاکمہ کیا ہے۔ انھوں نے شیخ الطائفہ اور عمید الرساء کی قلمی تحریروں کے اسناد پر "مظاہر" کو اصح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ زیادہ تر مشہور زبانوں پر جاری اور زیارات میں منقول یہی ہے۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ قدیم نسخوں میں جہاں جہاں "مظہر" لکھا تھا اُس سے مقصود بھی مظاہر ہی تھا جیسا کہ "اسماعیل" کے بجائے "اسمٰعیل" اور "اسحاق" کے بجائے "اسحٰق" اور "قاسم" کے بجائے "قسم" اور "حارث" کے بجائے "حرث" لکھنے کا رواج رہا ہے کہ کتابت میں الف نہیں لکھا جاتا اور قرائت میں پڑھا جاتا ہے۔

صاحب ناسخ نے اپنا تاریخی اجتہاد اس کے خلاف صرف کیا ہے لیکن اُن کا مستند اس باب میں صرف رجز کا قافیہ ہے اُن کی رجز جو تاریخوں میں

مذکور ہے۔ یہ ہے۔

انا حبیب وابی مظاہر   فارس ہیجاء وحرب تسعر
انتم اعد عدۃ و اکثر   ونحن اوفی منکم واصبر
ونحن اعلیٰ حجۃ واظہر   حقا واتقیٰ منکم واعذر

وہ لکھتے ہیں" ازیں ارجوزہ کہ از حبیب مرقوم شد معلوم میشود کہ مظہر نام داشتہ چہ مظاہر خوانیم با سائر مصرعہا قافیہ نخواہد داشت چہ رعایت الف تاسیس در نزد عرب از شرائط صحت قافیہ است بر خلاف عجمان کہ شرط لمید انندہ اللہ اعلم"۔

لیکن یہ استدلال اُن کا بہت کمزور ہے اول تو درایتی نقطۂ نظر سے اُن جزوں کو جو جنگ کے میدانوں میں مختلف پہلوانوں کی طرف منسوب ہیں اُتنا تاریخی اعتبار حاصل نہیں ہے جتنا دوسرے واقعات کو۔ اس کے قرائن و شواہد بہت ہیں جن کے لکھنے کے لئے اسوقت طیار نہیں ہوں ۔ دوسرے میدان جنگ کے رجز ہمیشہ وقتی حیثیت سے اور صرف ایک جوش قلبی کے مظاہرہ یا ایک رسم کے ادا کرنے کی صورت سے ہوا کرتے تھے۔ اُن میں نہ شاعری نہ ہنر مندیوں کا لحاظ ہوتا تھا اور نہ ہر جنگ آزما مرد میدان کے لئے شاعری کے فن میں کامل ہونے کی ضرورت تھی۔ اسی بنا پر اس کے لئے بحر "رجز" منتخب کی گئی جس میں لاانتہا وسعت حاصل ہے اور سیدھے ٹیڑھے آڑے بیڑے الفاظ بھی سب اُس میں آکر موزون ہو جاتے ہیں۔ شعراء نے اس بحر کو اسی بنا پر فن شاعری کی سلیقہ مندیوں سے اس درجہ اجنبی سمجھا کہ اُس کا نام "حمار الشعراء" رکھ لیا اور قصائد وغیرہ کے لئے جو شاعری کے کارنامو

کا میدان ہیں اس بحر سے بہت کم کام لیا۔

تیسرے الف تاسیس کا لحاظ عربی میں اگرچہ باین معنی ضروری ہے کہ اگر قافیہ مبنی بر الف تاسیس قرار دیا گیا ہے جیسے عالم قائم دائم وغیرہ تو اُس میں ایسا قافیہ نہیں ہونا چاہئے جس میں الف نہ ہو تو اس میں شاذ و نادر طریقہ پر ایسے الفاظ کا آجانا جن میں الف موجود ہے ممنوع نہیں ہے۔ اس صورت میں اس الف کا بصورت "تاسیس" لحاظ ہی نہیں کیا جاتا بلکہ صرف نظر روی پر رکھی جاتی ہے۔

مثلاً نظم۔ علم۔ خضرم۔ وغیرہ کے قوافی میں "عالم" آجانا شعرائے عرب کے کلام میں معدوم النظیر نہیں ہے۔ اس لئے شعرائے عرب کے کلام سے مثالیں پیش کرنے کے بجائے خود اسی ناسخ کے باب المراثی میں سے بعض مثالیں پیش کر دینے پر اکتفا کی جاتی ہے

ملاحظہ ہو۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کا مرثیہ جس کا مطلع یہ ہے۔

خلیلی من شهر المحرم غالنی مصاب لہ عینای اسبلتا دما

یہاں الف موجود ہے لیکن اس کے بعد کا شعر ہے۔

وذلت رقاب المسلمین لاجلہ وھد قوی الاسلام قصر وھدما

اس کے بعد آخر تک کہیں الف نہیں ہے۔

شیخ خنیفی کا مرثیہ جو مقتل عوالم سے نقل کیا گیا ہے اُس کا مطلع ہے۔

لمرابک ربعا للاحبۃ قد خلا وعفا وغیرہ الجدید واحجلا

لیکن اسی قصیدہ میں یہ شعر ہے۔

نبکی علیٰ تکیں یردھن ما صفا من بعدہ وقریر عیش ماحلا

نیز یہ شعر ؎

ام انزلت اُمی بمعنی ارثہ ۔۔۔ قد کان یخفیہا النبی اذا تلا

پھر یہ شعر ؎

وفی فتیۃ مثل البدور کواملا ۔۔۔ عرض المحاق بہا فاضحت افلا

شیخ محمود طریحی کا قصیدہ ہے جس کا مطلع یہ ہے ۔ ؎

ھجوعی قلیل اذی علی محرم ۔۔۔ اذا ھل فی دور الشھور محرم

اس قصیدہ میں یہ بھی ہے ؎

ھم العروۃ الوثقی ھم معدن التقیٰ ۔۔۔ ھم الشرف السامی ونور الھدیٰ ھم

نیز یہ شعر

اخی زید الوالھی سکینۃ نظرۃ ۔۔۔ فھیجتا حرّیٰ وعبرتہا دم

پھر اگر "تسعر" "اصبر" کے قوافی کے ساتھ "مظاہر" آجائے تو کونسا ارضی و سماوی انقلاب ہو جائے گا۔ کیا اتنے کمزور دلائل پر تاریخی نتائج کی بنیاد قائم ہو سکتی ہے اور ان شواہد کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے جو "مظاہر" کی صحت کو ثابت کر رہے ہیں۔

اوصاف و خصوصیات حبیب بن مظاہر، میثم تمار اور رشید ہجری کی طرح امیر المؤمنین کے اُن صحابۂ با اختصاص میں سے تھے جنہیں امیر المؤمنینؑ نے خاص طور سے علوم باطنی اور اسرار کی تعلیم دی تھی جس کی بنا پر اُن لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے اُس کے طریقۂ شہادت کو پیشین گوئی کے طور سے بیان کیا اور اطلاع دی سنہ

کوفہ کا پہلا خط سب سے پہلے جب معاویہ کے انتقال کی خبر کوفہ میں پہونچی اور امام حسینؑ کو کوفہ کی طرف بلانے کا خیال بعض دماغوں میں پیدا ہوا تو سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر شیعیان کوفہ کا اجتماع ہوا - اس موقع کی پوری تفصیل میں نے "قاتلان حسینؑ کا مذہب" میں لکھی ہے"۔

اس جلسہ کی روئداد سے ظاہر ہے کہ اس موقع پر حبیب بن مظاہر موجود تھے، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اُس جماعت میں نمایاں ذمہ دارانہ

عام طور سے یہ مشہور ہے کہ حبیب بن مظاہر امام حسینؑ کے بچپنے کے رفیق تھے لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت ابتک پیش نظر نہیں ہے۔

بعض ارباب مقاتل نے جو امام حسینؑ کا خط ان کے نام نقل کیا ہے اُس میں اُن کے نام کے ساتھ "الرجل الفقیہ" کے الفاظ ذکر کئے ہیں لیکن اس خط کی روایت کا بھی تاریخی اعتبار کوئی نہیں۔

بہرحال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حبیب بن مظاہر کی شخصیت اصحاب امام حسینؑ میں خاص امتیاز رکھتی تھی جس کے شواہد خود اسی کتاب میں ابھی سامنے آئیں گے جیسے سب سے پہلے خط میں جو امام حسینؑ کے نام شیعیان اہل کوفہ کی طرف سے گیا تھا اُن کے نام کا سلیمان بن صرد وغیرہ کے ناموں کے ساتھ خصوصیت سے مذکور ہونا۔ امام کا اُنہیں میسرہ کا افسر بنانا، میدان جنگ میں مبارزطلبی کے سلسلہ میں دشمن کی طرف سے اُن کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جانا۔ اُن کی شہادت سے امام حسینؑ کے چہرہ پر خاص طرح کی شکستگی کا طاری ہونا۔ یہ باتیں یقینی اُنھیں ایک بلند درجہ کا مالک ثابت کرتی ہیں جو عام اشخاص کو حاصل نہیں ہوا کرتا۔

حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ جب یہ رائے قرار پائی کہ خط امام کے نام لکھا جائے تو حسب ذیل عبارت تحریر کی گئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
لحسین بن علی من سلیمان بن صرد والمسیب بن نجبة ورفاعة بن شداد وحبیب بن مظاہر وشیعتہ من المومنین والمسلمین من اھل الکوفة الخ

(یعنی) بنام حسین بن علی از جانب سلیمان بن صرد، مسیب بن نجبہ رفاعہ بن شداد و دیگر شیعیان مومنین ومسلمین از اہل کوفہ۔

یہ خط عبداللہ بن سبع ہمدانی اور عبداللہ بن وال کے ہاتھ بھیجا گیا اور امام کو ۱۰ ماہ رمضان کو مکۂ معظمہ میں پہونچا؛ ان ۱۰

یہ ظاہر ہے کہ تمام مجمع میں جو نمایاں، معزز اور ممتاز اشخاص تھے اور جنھیں امام حسین کے ساتھ تعلقات خصوصی حاصل تھے انھیں کے نام صراحۃً مذکور ہوئے ہیں اور دوسرے افراد کو "شیعتہ من المومنین والمسلمین" کے تحت میں داخل کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ مذکورہ بالا اسم اشخاص میں سے سلیمان بن صرد خزاعی ہیں جو اخیار و افاضل میں سے صحابی رسول اور راوی احادیث تھے اور امیر المومنین کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہو چکے تھے

مسیب بن نجبہ بھی صاحب ادراک ہیں۔ قادسیہ اور فتوح عراق میں شرکت کی۔ ابن عساکر نے ان کی صحابیت کا بھی اظہار کیا ہے۔۔۔

maablib.org

رفاعہ بن شداد بجلی اصحاب امیر المومنینؑ و امام حسنؑ میں سے اور اُن لوگوں میں سے ہیں کہ جنھوں نے ابوذر کے دفن میں شرکت کی تھی جن کیلئے پیغمبرؐ کی بشارت موجود تھی۔

یقیناً ان لوگوں کے ساتھ حبیب ابن مظاہر کے نام کا صراحتہ درج ہونا اسی بناء پر ہو سکتا ہے کہ یہ بھی اسی پایہ کے مالک اور اسی مرتبہ کے حامل تھے اور عام جماعت شیعہ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔

جلسہ میں تقریر | جب حضرت مسلم کوفہ میں وارد ہوئے اور مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے مکان میں فروکش ہوئے تو سب سے پہلا اجتماع شیعوں کا جو ہوا اُس میں جناب مسلم نے امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سُنایا۔ اس موقع پر سب سے پہلی تقریر عابس بن ابی شبیب شاکری نے کی تھی جو اُن کے حالات میں تمام و کمال درج کیجائے گی۔ خلاصہ اُس کا یہ تھا کہ میں دوسرے اشخاص کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا اور آپ کو کسی دھوکے میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا مگر جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں ہر طرح امداد کیلئے آمادہ ہوں۔

اس تقریر کے ختم ہونے پر حبیب ابن مظاہر کھڑے ہوئے اور تائیدی حیثیت سے عابس کو شاباشی دی اور کہا کہ کتنے مختصر الفاظ میں تم نے حقیقت حال اور اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کر دیا ہے پھر جناب مسلم سے مخاطب ہو کر کہا۔ وانا واللہ الذی لا الٰہ الا ہو علیٰ مثل ما ھذا علیہ۔ اور میں بھی قسم اُس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی ارادہ پر قائم ہوں جو انھوں نے ظاہر کیا ہے۔

دشمن کو نصیحت | حبیب بن مظاہر برابر ایسے مواقع کے منتظر رہتے تھے

جن میں وہ دشمن کے ساتھ گفت و شنید کر سکیں اور نصیحت کے فرض کو انجام دیں۔ چنانچہ جب عمر بن سعد نے قرۃ بن قیس حنظلی کو امام حسینؑ کے پاس بصیغۂ مراسلت بھیجا ہے اور قرۃ بن قیس دور سے آتا دکھائی دیا امام نے پوچھا تم لوگ اس شخص سے واقف ہو؟ حبیب بن مظاہر نے کہا "جی ہاں" یہ قبیلۂ بنی حنظلہ سے تمیمی شخص ہے اور اپنے ننہیالی رشتہ سے ہمارا عزیز بھی ہوتا ہے۔ میں اسے کافی سمجھدار انسان سمجھتا ہوں اور ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ اس جنگ میں یہ آکر شریک ہوگا۔

وہ آیا اور امام کو ابن سعد کا پیغام پہونچایا جس کا حضرت نے مناسب جواب دیدیا۔ حبیب ابن مظاہر نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر کہا۔

"اے قرۃ بن قیس کہاں جا رہے ہو ظالم جماعت کی طرف۔ اس بزرگ کی امداد کرو جس کے بزرگوں کی بدولت خدا نے تم کو اور ہم کو اسلام کی عزت عطا کی"۔

قرۃ نے کہا میں جواب پیغام کا جا کر کہہ دوں۔ اس کے بعد اس مسئلہ پر غور کروں گا

اس تقریر کا اثر قرۃ کے دل پر ہوا ضرور۔ چنانچہ اس موقع پر جب حر بن یزید ریاحی فوج دشمن سے کنارہ کشی کر کے امام کے لشکر کی طرف آنا چاہتا تھا قرۃ بن قیس اس کے ساتھ تھا۔ حر نے قرۃ کو پاس سے ہٹانے کے لئے کہا تم نے اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا؟ قرۃ نے کہا ابھی جاتا ہوں پانی پلائے لیتا ہوں یہ کہکر وہ ہٹ گیا اور حر اپنی جگہ سے آگے بڑھ کے فوج حسینی کی طرف پہونچ گئے۔ قرۃ کو اس کا بڑا غم رہا کہ حر نے اپنا پورا ارادہ مجھ سے

ظاہر نہ کیا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر حُر مجھ سے اپنا پورا قصد ظاہر کر دیتے تو میں بھی اُن کے ساتھ نصرت حسینؑ کے لئے چلا جاتا۔

اس تاسف اور اظہار رنج سے صاف ظاہر ہے کہ دل تو اُس کا اس احساس سے معمور ہو چکا تھا اور ضمیر اُس کا آمادہ کر رہا تھا مگر اُس میں قوت ارادی اتنی نہ تھی کہ وہ حُر کی طرح اُس خیال کو عملی جامہ پہنا سکے وہ اس کیلئے سہارے کا محتاج تھا اور اُس کی عملی کمزوری تھی جس نے سہارا نہ ہونے سے اُس کے قدم سعی کو روک لیا۔

فوج مخالف سے گفتگو نویں تاریخ کی شام کو جب اہل کوفہ نے دفعتہً امام کی طرف کا رُخ کیا اور حملہ کر دیا اور امام نے جناب عباس کو اُنکے پاس مکالمہ کے لئے بھیجا۔ جناب عباس بیس سواروں کے ساتھ جن میں زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر بھی تھے اُن کے سامنے گئے اور دریافت کیا کہ تمہارا کیا مطلب ہے۔ جواب ملا کہ ابن زیاد کا حکم آگیا ہے کہ یا تم سے بیعت لی جائے اور یا جنگ کی جائے۔ جناب عباس یہ کہکر کہ میں امام سے جا کر دریافت کر لوں تو آ کر جواب دوں۔ امام کی خدمت میں واپس گئے اور دوسرے اصحاب سب وہیں کھڑے رہے۔ اتنے وقت کو حبیب نے بیکار جانے نہیں دیا۔ زہیر بن قین سے کہا کہ ان لوگوں سے کچھ گفتگو کرو اگر چاہو اور کہو تو میں کچھ بات چیت کروں۔ زہیر نے کہا کہ آپ نے اس کی تحریک کی ہے تو آپ ہی گفتگو بھی کیجئے۔ حبیب نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا۔

سوچو تو کتنا بُرا انجام ہو گا خدا کے یہاں اُس جماعت کا جو اُس کے سامنے جائے گی اس حالت میں کہ اُس نے اولاد رسول کا خون بہایا ہے اور

ملک کے اُن عبادت گذاروں کو قتل کیا ہے جو پچھلے پہر سے اُٹھنے والے اور کثرت سے ذکر الٰہی کرنے والے ہیں۔"

عزرہ بن قیس نے جو ایک خفیف الحرکات مسخرا انسان تھا بات کو کاٹنے کے لئے پکار کر کہا کہ حبیب تم اپنی طرف ہر موقع پر اشارہ کرتے رہتے ہو کہ میں بڑا عبادت گذار ہوں۔ یہ بے موقع گستاخی سُنکر زہیر کو غصہ آگیا اور کہا عزرہ اس میں مو شک کا ہے کا۔ بیشک حبیب کا نفس ایسا ہے جس کا خدا نے تزکیہ کیا ہے اور اُس کو صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا کی ہے

شمر کی گستاخی کا جواب جب امام حسینؑ نے صبح روز عاشور اپنا تاریخی یادگار خطبہ پڑھا ہے شمر نے انتہائی بے شرمی، بے حیائی اور کمینہ فطرتی سے پکار کر آواز دی کہ میں منافق ہوں اور خدا کی عبادت ایک حرف پر کرتا ہوں (یعنی صرف زبانی) اگر کچھ میری سمجھ میں آرہا ہو کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ اس گستاخی کا حبیب بن مظاہر نے جواب دیا۔

واللہ انی لاراک تعبد اللہ علی سبعین حرفا وانا اشہد انک صادق ماتدری مایقول قد طبع اللہ علی قلبک

بیشک خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ تو خدا کی ستر حرفوں پر عبادت کرتا ہے (یعنی تیری عبادت مخلصانہ حقیقت سے یکسر محروم نہیں بلکہ بغض آمیز ہے) اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ تو سچ کہتا ہے۔ تیری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ امام کیا فرماتے ہیں کیونکہ تیرے دل پر مہر لگ چکی ہے۔

بنی اسد سے امداد حبیب ابن مظاہر نے شب عاشور امام حسین علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ وہ جا کر اپنے قبیلہ بنی اسد سے جو اطراف میں مقیم ہیں۔ آپ کی امداد کی خواہش کریں۔ امام نے اجازت دیدی اور حبیب گئے بنی اسد

کے مجمع میں جا کر اُن کو وعظ و نصیحت کی اور اُنھیں نصرت امام پر ترغیب دلائی جس پر سب سے پہلے عبد اللہ بن بشیر اسدی نے لبیک کہی اور پھر دوسرے لوگ بھی آمادہ ہوئے اور یہ سب حبیب کے ساتھ روانہ ہوئے مگر اس کی خبر عمر سعد کو ہو گئی اور اُس نے پانچ سو سوار سد راہ ہونے کے لئے بھیجدئے جن کے مقابلہ کی اُس جماعت کو تاب نہ ہوئی اور سب لوگ واپس چلے گئے حبیب تنہا خدمت امام میں واپس پہونچ گئے

سرداری کا منصب روز عاشور جب امام نے اپنی مختصر فوج کو ترتیب دیا تو اس موقع پر زہیر بن قین کو میمنہ کا افسر اور حبیب بن مظاہر کو میسرہ کا سردار مقرر کیا تھا۔

ظاہری نگاہ میں اس سے زہیر بن قین کی فضیلت زیادہ ظاہر ہوتی ہے مگر بعض ارباب نظر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ میسرہ کا مقابلہ دشمن کے میمنہ سے ہوتا ہے اس لئے وہاں زیادہ قابل اعتبار اور طاقتور انسان کی ضرورت ہے۔

سبقت الی الجہاد پر آمادگی جنگ چھڑنے کے بعد سب سے پہلے جو دو پہلوان دشمن کی طرف سے نکلے ہیں وہ یسار اور سالم دو غلام تھے۔ اُنھوں نے مبارز طلبی کی تو حبیب بن مظاہر اور بریر خضیر ہمدانی یہی دو جواں ہمت مشتاق شہادت تھے جو حرکت کرکے کھڑے ہو گئے تھے مگر امام نے اُن کو منع کر دیا جس کے بعد عبد اللہ بن عمیر کلبی اُٹھ کھڑے ہوئے اور جا کر اُن دونوں کا مقابلہ کیا۔

فوج حسینی میں حبیب اور زہیر اور بریر چند ایسے مجاہد تھے جن کی دشمن کی فوج میں خاص شہرت تھی چنانچہ جب عبد اللہ بن عمیر مقابلہ پر نکلے اور اُن دو نوں پہلوانوں نے نام و نسب پوچھا اور معلوم ہوا تو اُنھوں نے کہا کہ ہم

تم سے واقف نہیں ہیں - ہمارے مقابلہ پر زہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر یا بریر بن خضیر کو آنا چاہیے یہ سُن عبداللہ کو غصہ آگیا اور انھوں نے حملہ کردیا۔

مسلم بن عوسجہ سے گفتگو مسلم اور حبیب دونوں ہی قبیلہ بنی اسد کے تھے ممکن ہے آپس میں اس کے علاوہ کچھ قرابت بھی ہو اور سن بھی دونوں مجاہدوں کا قریب ہی قریب تھا۔

جیساکہ مسلم بن عوسجہ کے حالات میں لکھا جاچکا جب وہ مجروح ہوکر گرے اور امام اُن کے سرہانے تشریف لیگئے تو حبیب بھی حضرت کے ساتھ ساتھ تھے حبیب نے مسلم کو مبارکباد دی اور اس کے بعد یہ کہا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں بھی تمہارے بعد ہی تم سے آکر ملتا ہوں تو میں کہتا کہ کچھ وصیت کر دو تاکہ میں اُس وصیت کو پورا کروں اور جو تمہاری قرابت اور مذہبی خصوصیت کا حق ہے اُس کو ادا کروں مسلم نے کہا اور کچھ نہیں یہی وصیت ہے کہ ان کی نصرت سے ہاتھ نہ اُٹھانا اور اشارہ کیا امام حسینؑ کی طرف - حبیب نے کہا ضرور ایسا ہی ہوگا خدا کی قسم

نماز ظہر کا ہنگام اور حصین کی جسارت جب ظہر کا وقت آیا اور امام نے اپنے اصحاب سمیت نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور فرمایا فوج مخالف سے نماز پڑھنے کی مہلت لی جائے تو حصین بن تمیم نے جو عمر سعد کی فوج کا ایک افسر تھا پکار کر آواز دی کہ نماز پڑھنا ہو تو پڑھ لو مگر وہ قبول نہیں ہے۔

بس یہ سننا تھا کہ حبیب کو تاب نہیں رہی - پکار کر کہا کہ "قبول نہیں ہے؟ فرزند رسول کی نماز تیرے خیال میں قبول نہ ہوگی اور تیری نماز قبول ہوگی اے شرابخوار؟"

حصین نے یہ سنکر حملہ کردیا اور حبیب بھی مقابلہ پر آگئے - اُس کے گھوڑے

کے منہ پر تلوار لگائی جس سے وہ الف ہوگیا اور حصین گر کر زمین پر آگیا۔ دوسرے ساتھیوں نے بڑھ کر حلقہ میں لے لیا اور حبیب کے ہاتھ سے چھڑا کر لے گئے۔

جنگ اور شہادت اب حبیب میدان جنگ میں آ ہی چکے تھے۔ ایمان کا جوش اور شجاعت کی امنگ۔ دشمن کی جرأت و جسارت کا غصہ اور اس کے زندہ نکل جانے کا دوسرا غم و غصہ وہ یہ شعر پڑھنے لگے۔

اقسم لو کنا لکم اعدادا　　　او شطرکم ولیتم اکتادا

یا شر قوم حسبا و ادا

(یعنی) میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم اگر تعداد میں تمہارے برابر ہوتے یا تمہارے آدھے بھی ہوتے تو تم ہمارے سامنے سے یقینی بھاگ جاتے۔ اے بد ترین خلق قوم حسب و نسب اور اخلاق کے لحاظ سے۔ پھر انھوں نے یہ رجز پڑھی۔

انا حبیب و ابی مظاهر　　　فارس هیجاء و حرب تسعر

انتم اعد عدۃ و اکثر　　　و نحن اوفی منکم و اصبر

و نحن اعلی حجۃ و اظهر　　　حقا و اتقی منکم و اعذر

(یعنی) میں حبیب ہوں اور میرے باپ کا نام مظاہر تھا۔ میدان جنگ اور بھڑکتی ہوئی لڑائی کے ہنگام کا شہسوار ہوں۔ تمہاری تعداد ہم سے زیادہ اور لڑائی کا سامان تمہارے پاس فراواں ہے مگر ہم اپنے بات کے زیادہ دھنی اور مشکلات کے زیادہ برداشت کرنے والے ہیں۔ نیز حجت ہماری بالا اور حقیت نمایاں اور فرائض کی پابندی زیادہ اور دامن صاف ہے۔

آخری باتیں جو ذکر ہوئی ہیں تمام وہ ہیں کہ دل میں طاقت اور نفس میں اطمینان پیدا کرتی ہیں جن کے بعد انسان خطرات کو کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ حبیب نے سخت جنگ کی یہاں تک کہ

ایک تمیمی پہلوان نے جس کا نام بدیل بن حریم تھا حبیب پر حملہ کیا حبیب نے فوراً ایک ضرب شمشیر میں اُس کا کام تمام کیا لیکن اسی کے ساتھ بنی تمیم کے ایک دوسرے شخص نے انپر نیزہ کا وار کر دیا جس سے وہ زمین پر آرہے ابھی وہ اُٹھنا چاہتے تھے کہ اُن کے پہلے کے شکست خوردہ حریف حصین بن تمیم نے اُن کے سر پر تلوار لگائی جس سے وہ بیجان ہو کر گر گئے۔ تمیمی شخص جس کے نیزہ نے حبیب کو گرایا تھا سر کاٹنے کے لئے قریب آیا حصین نے کہا میں ان کے قتل میں شریک ہوں۔ تمیمی نے کہا نہیں کام میں نے کیا ہے

آخر حصین نے کہا کہ مجھے اتنا کر لینے دے کہ میں اُن کا سر اپنے گھوڑے کی گردن میں باندھ کر ایک دفعہ لشکر میں گردش کر لوں تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ میں نے ان کے قتل میں شرکت کی پھر تم اس سر کو لے لینا اور ابن زیاد کے پاس لیجانا وہاں سے جو انعام ملے اُس میں میں حصہ نہیں لونگا۔" تمیمی نے انکار کیا مگر لوگوں کے کہنے سے راضی ہو گیا اور حصین نے ایک مرتبہ سر کو اپنے ساتھ لیکر فوج کے اندر گردش کر لی اس طرح اس نے گویا اس شکست کی خفت کو مٹا دیا جو اُسے حبیب کے مقابلہ میں حاصل ہوئی تھی۔

امام پر اثر تاریخ کی روایت ہے کہ جب حبیب بن مظاہر قتل ہوئے تو امام حسینؑ پر شکستگی کے آثار نمودار ہوگئے اور آپ کی زبان پر کلمات حسرت و یاس جاری ہوئے

نوعمر فرزند کا جذبۂ محبت قرارداد کے مطابق حصین بن تمیم سے اُس دوسرے شخص نے حبیب کا سر لے لیا اور کوفہ لیگیا پھر اپنے گھوڑے کی گردن میں آویزاں کر کے ابن زیاد کے قصر دار الامارہ کی طرف چلا۔ حبیب کا ایک نوعمر فرزند "قاسم بن حبیب" جو ابھی پورے طور پر بالغ نہ ہوا تھا اُس نے جو اپنے باپ کے سر کو دیکھا تو ایک عجیب جذبۂ بے قرار کے ساتھ اُس سوار کے پیچھے ہولیا

جدھر جدھر وہ جاتا یہ بھی اُس کے ساتھ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اُسے احساس پیدا ہوا اُس نے کہا "صاحبزادے تم میرے ساتھ کیوں پھر رہے ہو" قاسم نے بتلایا کہ یہ میرے باپ کا سر ہے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تو یہ مجھے اسے دیدے کہ میں دفن کر دوں؟! اُس نے کہا "امیر اس پر راضی نہیں ہوگا اور مجھے اس پر انعام حاصل کرنا ہے" یہ سُنکر وہ بچہ مایوس ہوا اور رونے لگا اور اُسے چھوڑکر چلا گیا۔

اُس دن کی گھڑی اور پھر کئی برس کی مدت وہ بات اُس بچہ کے دل میں بیٹھ گئی اور جب وہ جوان ہوا تو اس فکر میں رہنے لگا کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو کسی طرح قتل کر ڈالوں یہاں تک کہ جب مصعب بن زبیر کا زمانہ ہوا اور مصعب نے "باجمیرا" میں جاکر عبد الملک بن مروان سے لڑائی کے سلسلہ میں چھاؤنی اپنی قرار دی تو حبیب کا فرزند مصعب کی فوج میں ملازم ہو گیا۔ اُس نے یہاں اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھا اور اس کے درپے ہوا کہ میں موقع پاکر اسے قتل کردوں یہاں تک کہ ایک روز دوپہر کے وقت وہ اپنے خیمہ میں سو رہا تھا قاسم نے جاکر اپنی تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیا۔[1]

صاحب ناسخ نے اس واقعہ میں جس تاریخی دیدہ ریزی سے کام لیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

"گفتہ اند بدیل بن صریم سر حبیب را برید و از گردن اسپ آویخت و برنشست و بمکہ رفت و در مکہ پسر حبیب کہ ہنوز کودکے مراہق بود سر پدر را بشناخت بدیل را و اگذاشت و سر پدر را ماخوذ داشتہ مدفون ساخت۔ و این سخن در نزد من بندہ استوار نمی افتد چہ در مکہ کسی نبود کہ بدیل بن صریم را دیں کردار خطائی کند و جائزہ دہد۔

عبداللہ بن زبیر بن العوام کہ ایں ہنگام دعویدار خلافت بود با جبیب کینی وکیدی نداشت کہ بدیل ایں مسافت دراز را بپیماید وہمہ جا سر جبیب حلاقہ گردن اسپ بباشد اگر بطمع عطا بود البتہ بکوفہ میشافت واللہ اعلم

اب ملاحظہ کیجئے اول تو قاتل جبیب کا نام بدیل بن صریم نہیں ہے بلکہ بدیل بن صریم وہ تھا جسے جبیب نے قتل کیا اور پھر ایک دوسرے تمیمی شخص نے انھیں نیزہ لگایا۔ دوسرے روایت میں اس کا پتہ بھی نہیں ہے کہ وہ اس سر کو لیکر مکہ گیا جس پر صاحب ناسخ نے یہ پوری عمارت کھڑی کر دی ہے۔ تیسرے روایت میں اس جزو کا بھی نشان نہیں۔ کہ فرزند جبیب نے وہ سر لیکر اسے دفن کر دیا اور قاتل کو اسی وقت مار ڈالا۔

یہ ہے صاحب ناسخ کی تحقیقی وتاریخی شان جس سے دنیا اب تک بے خبر رہی ہے۔

(۶۴) حُر بن یزید ریاحی

نام ونسب حُر بن یزید بن ناجیہ بن قعنب بن عتاب بن ہرمی بن ریاح بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم التمیمی الیربوعی الریاحی۔

طبری میں ایک جگہ "الحر بن یزید الحنظلی ثم النہشلی" لکھا ہے۔ حنظلی لکھنے کی وجہ مذکورہ بالا سلسلہ نسب سے ظاہر ہے کیونکہ "یربوع" کے پہلے "حنظلہ بن مالک" کا نام سلسلہ اجداد میں موجود ہے لیکن "نہشلی" لکھنے کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ ممکن ہے اس سلسلہ میں حنظلہ کے بعد کہیں پر

نہشل" کا واسطہ ہو جو درمیان سے ساقط ہو گیا ہے۔

خاندانی خصوصیت

حرؒ کا خاندان عرب میں قدیمی عزت کا مالک تھا۔ عتاب جو حر کی چوتھی پشت میں ہے نعمان بن منذر ملک حیرہ کے مخصوصین میں وہ درجہ رکھتا تھا کہ گھوڑے پر اُسکے "ردلیف" کی صورت سے سوار ہوتا تھا۔

عتاب کے دو فرزند تھے قیس اور قعنب۔ باپ کے انتقال کے بعد یہ منصب قیس کو حاصل ہوا۔ بنی شیبان نے اُس سے منازعت کی جسکے نتیجہ میں "یوم الطخفہ" کی خونریز جنگ واقع ہوئی۔ قیس کے سلسلہ میں احوص شاعر ایک صحابی تھے جن کا نسب ہے "زید بن عمر بن قیس بن عتاب" طبقہ کے لحاظ سے وہ حُر کے باپ یزید کے چچازاد بھائی اور حُر کے رشتہ کے چچا ہوتے ہیں۔

ذاتی عزت

حُر کوفہ کے رؤسا میں سے تھا۔ اور ابن زیاد کی فوج میں افسر کی حیثیت رکھتا تھا۔ جب امام حسینؑ مکہ سے کوفہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں اور ابن زیاد کی جانب سے جو کوفہ کا حاکم تھا حدود کی ناکہ بندی ہوئی ہے۔ جس کا تذکرہ میں نے اپنی متعدد کتابوں میں کیا ہے۔ حصین بن تمیم کو کئی ہزار سواروں کے ساتھ قادسیہ میں مقرر کیا گیا تھا۔

حُر بھی اس لشکر میں تھا اور وہیں سے ایک ہزار سواروں کا سردار ہو کر امام حسینؑ کے سد راہ ہونے کیلئے آگے بڑھا تھا۔

امام سے پہلی ملاقات

امام حسینؑ اپنے منازل سفر میں شراف پر آگے

بڑھے ہیں، پہلی محرم سنہ ۶۱ ھ دوپہر کا وقت ہی اُس وقت سامنے سے لشکر آتے ہوئے نظر آیا۔ میں نے "مجاہدہ کربلا" میں اسکو تفصیل کیساتھ لکھا ہے امام نے فوج کو آتے دیکھکر ذوحسم پہاڑ کا جو آپکے بائیں طرف تھا رخ کیا تاکہ اُسے پس پشت قرار دیکر دشمنوں سے سامنے کی جانب سے مقابلہ کریں آنے والی فوج نے بھی اُسی طرف کا رخ کر دیا مگر حضرت اس مقام تک پہلے پہونچ گئے تھے۔ آپکے خیمے نصب ہو چکے تھے اُس وقت وہ لشکر پہونچا۔ یہ حُر ہی تھا جو اپنے رسالے کے ساتھ آیا تھا۔ فوج پر پیاس کا غلبہ تھا۔

امام نے سب سے پہلے پورے لشکر کو پانی سے سیراب کرایا، اس کی تفصیل بھی میں نے اپنی اور کتابوں میں لکھی ہے۔

فرزندِ رسول کے اس ایثار، کرم، حسن اخلاق، بلند حوصلگی اور انسانی ہمدردی کا سب سے پہلا اثر تھا جو حُر کے دل پر قائم ہوا۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اُس سے امام کے مقابلہ میں کسی مخالف طرزِ عمل کا اختیار کرنا بنتا ہی نہ تھا۔ یہاں تک کہ جب نماز ظہر کے وقت امام نے حُر کی فوج کے سامنے تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تمھارے خطوط کی بنا پر تمھارا بلایا ہوا آیا ہوں، اگر تم اس بات پر باقی ہو تو خیر نہیں تو جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلا جاؤں۔" تو اس تقریر کا بھی حُر کی جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ بالکل خاموش تھا اور اسے کچھ کہنے کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی جب نماز کی اقامت ہوئی تو اس وقت امام نے حُر سے

نماز جماعت فرمایا کہ تم اپنے ساتھیوں کو علحدہ نماز پڑھاؤ گے حُرؔ نے عرض کیا نہیں بلکہ آپ نماز پڑھائیے اور ہم سب آپ ہی کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دونوں طرف کے لشکروں نے امام کے پیچھے نماز ادا کی۔

اس سے یہ نتیجہ تو نکالا نہیں جا سکتا کہ حُرؔ یا اُس کے ساتھی مذہبی حیثیت سے شیعہ تھے جبکہ عام اسلامی نقطہ نظر سے امامت جماعت کے لئے امام یعنی جانشین رسول ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اکثریت کے نزدیک عدالت تک بھی معتبر نہیں ہے بلکہ صرف مسلمان ہونا کافی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ غیر شیعہ مسلمان بھی حسین بن علی کو ایک فرد مسلم سمجھنے پر تو مجبور ہی ہیں۔ پھر آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ شیعہ تھے، مگر پھر بھی یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے دل میں امام حسین کی نسبت کوئی خاص جذبۂ عداوت و نفرت نہیں تھا بلکہ کسی نہ کسی حد تک آپ کے عظمت و بزرگی کے احساس سے متاثر تھا جب ہی وہ خود آپ کے مقابلہ میں علحدہ نماز جماعت قائم کرنے کو ایک غیر موزوں اور بے محل بات اور ایک طرح کی بے ادبی سمجھا۔

امام کی دوسری تقریر اور حُرؔ کا جواب نماز کے بعد امام اپنے خیمہ میں تشریف لیگئے اور حُرؔ اپنے خیمہ میں۔ پھر عصر کے بعد امامؑ نے اپنے اصحاب کو روانگی کیلئے تیار ہونے کا حکم دیا اور عصر کی نماز پڑھائی جسکے بعد آپ نے فوج حُرؔ کے سامنے دوسری تقریر کی

بس ہیں دوبارہ خطوط کا تذکرہ کیا اور اُسی بات کو دوہرایا کہ اگر تم اپنے خطوط کے مضمون پر قائم نہ ہو تو میں واپس چلا جاؤں

حُر اسکے پہلے امام کے اخلاقی اثر سے خاموش تھا مگر اُسے اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے کا خیال تھا۔ وہ ابن زیاد کا نوکر تھا اور خاص طور پر حسینؑ کو روکنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ وقت اب وہ آگیا تھا کہ حسینؑ روانگی کے لئے آمادہ ہو چکے ہیں اور اب اگر حُر خاموشی کی پالیسی پر قائم رہا تو اُس کا مقصد بالکل فوت ہوتا ہے۔ اس لئے اب اپنے دل کو سخت کر کے وہ بولا اور اُس نے کہا

"ہمیں نہیں معلوم یہ خط کیسے ہیں جن کا آپ حوالہ دیتے ہیں"۔

حضرتؑ نے وہ تمام خطوط منگوا کر سامنے پھیلا دئے۔

حُر نے کہا "ہم اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں جنھوں نے یہ خط بھیجے تھے۔ ہمیں یہ حکم ہوا ہے کہ جہاں آپ مل جائیں پھر ہم آپ سے جدا نہ ہوں۔ یہاں تک کہ آپ کو ابن زیاد کے سامنے لیجائیں"۔

بس حُر اب امام کے سامنے ایک مخالف کی صورت سے تھا۔ امام نے فرمایا۔

"الموت ادنی الیک من ذالک"

"یہ بھلا کہاں ممکن ہے۔ اس سے پہلے موت تیرے سامنے ہوگی"۔

مخالفانہ اقدام اور ادب شناسی

حر کے لئے بڑا نازک مرحلہ تھا اس لئے کہ اُس کا ضمیر بالکل مردہ نہ تھا۔ اُسے ایک طرف فرضِ منصبی کا خیال اور دوسری طرف حسین بن علی

کی شخصیت کا احساس۔ مگر موقع سخت سے سخت ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے پہلے صرف الفاظ کی ضرورت تھی اور اب عمل۔ کیونکہ امام نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اپنی سواریوں پر سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ سب لوگ یہانتک کہ مخدرات بھی اپنی عماریوں میں سوار ہو گئے۔ حضرت نے اصحاب سے فرمایا کہ چلو جس راستہ سے آئے ہیں اُسی راستے پر چلو۔ اب حُر کو کیا کرنا چاہیے۔ وہی جو اُس کو حکم دیا گیا ہے، حر کی فوج سامنے آکر سدراہ ہو گئی اور اُس طرف جانے سے مزاحمت کی۔

حُر سامنے تھا۔ امام نے غصہ سے فرمایا۔

ثکلتک امک ما ترید۔ ماں تیری تیرے ماتم میں بیٹھے کیا ارادہ رکھتا ہے۔

حُر ایک شریف قوم وقبیلہ کا انسان تھا اور دنیا وی عزت رکھتا تھا۔ اُس کے لئے اس فقرہ نے تازیانہ کا کام کیا۔ مگر پھر بھی وہ حسین کے مقابلہ میں اپنے نفس کو چھوٹا پا رہا تھا، اس لئے اُس نے ایک عجیب انداز سے اس فقرہ پر احتجاج کیا۔ وہ کہتا ہے۔

"خدا کی قسم اگر کوئی اور قوم عرب میں سے مجھے یوں کہتا اس حالت میں کہ جس حالت میں آپ ہیں تو میں بھی ضرور اُس کی ماں کا اسی طرح ذکر کرتا، وہ کوئی بھی ہوتا مگر بخدا آپ کی والدۂ ماجدہ وہ ہیں کہ جن کا ذکر بغیر انتہائی ممکن عزت و احترام کے میں کر ہی نہیں سکتا۔"

امام نے فوراً اندازہ کر لیا کہ اس کا دل میرے مقابلہ میں جھکا ہوا ہی

آپ نے طرزِ کلام میں تبدیلی فرمائی اور کہا "پھر تم چاہتے کیا ہو؟" حُر نے کہا
"خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لیجاؤں"۔
حضرت نے فرمایا۔ "میں تمہارا کہنا ہرگز نہیں مانونگا"۔
اُس نے کہا۔ "میں آپ کو چھوڑونگا ہرگز نہیں"۔
تین مرتبہ ردّ و بدل ہوئی۔ آخر میں پھر حُر کے نفس نے شکست کھائی اور اُس نے کہا۔ "میں آپ سے جنگ کرنے پر مامور نہیں ہوں۔ مجھے تو یہ حکم تھا کہ آپ کے ساتھ ساتھ رہوں یہاں تک کہ آپ کوفہ پہونچیں۔ جب آپ کوفہ جانے سے انکار کرتے ہیں تو ایک ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف واپسی کا راستہ ہو اس کے بعد میں ابن زیاد کو لکھوں۔ اور آپ بھی چاہیں تو یزید یا ابن زیاد کو خط لکھیں۔ شاید خدا اس طرح سے ایسی صورت پیدا کردے کہ مجھے آپ سے کوئی عملی مخالفت نہ کرنا پڑے۔
دیکھا آپنے۔ حُر کی نیت کا پردہ چاک ہوگیا۔ معلوم ہورہا ہے کہ اُس کا دل ڈانوا ڈول ہے۔ اُسے یہ فکر ہے کہ میں اس بلند ہستی سے عملی مخالفت کس طرح کرونگا۔ وہ پہلو ڈھونڈھ رہا ہے کہ کسی طرح اُسے آپکے ساتھ تصادم نہ کرنا پڑے اور عملی مخالفت کی نوبت نہ آئے اُسے اس کی بھی آرزو ہے کہ کسی طرح معاملات رو باصلاح ہو جائیں اور اس لئے وہ یہ مشورہ بھی دینا چاہتا ہے کہ آپ یزید یا ابن زیاد کو خط لکھیے۔ مگر ابھی اُس کے نفس میں اتنی طاقت نہیں

ہے کہ وہ اپنی ملازمت کے خیال کو بالکل دل سے نکال دے اور دنیاوی زندگی کو اپنی بخیال خود فنا کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

راستہ کی گفتگو جب امام اُس راستہ پر روانہ ہوئے جو آخر میں حُر نے معین کیا تھا تو راستہ میں حُر کہنے لگا۔

انی اذکرک اللہ فی نفسک فانی اشھد لئن قاتلت لتقتلن ولئن قوتلت لتھلکن فیما اری۔

"میں آپکو خدا کا واسطہ دیتا ہوں آپ اپنی زندگی پر رحم کیجئے اگر آپ نے بڑھ کر جنگ کی تو یقیناً قتل کئے جائیں گے اور اگر دشمن نے بڑھ کر آپ پر حملہ کیا تب بھی میری رائے میں آپ ہلاک ہونگے۔"

الفاظ میں یقیناً ہمدردی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اُس کا دل حسین پر کڑھ رہا ہے۔ مگر اُس کا نفس اُس بلندی پر نہیں ہے کہ وہ حسین کے اس اقدام کے آخری نتائج تک پہونچ سکے۔ اس کو حسین کی نفس کی پوری عظمت کا اندازہ بھی نہیں ہے جو دنیا کی زندگی کو اپنے سامنے ہیچ قرار دیتی ہے۔ پھر وہ ایک فوج مخالف کی فرد ہونے کے ساتھ یہ کہہ رہا ہے جس میں ایک تہدید کا پہلو بھی مضمر معلوم ہوتا ہے جس کو حسین کی بلند ہمتی برداشت نہیں کر سکتی حسین نے اُس کو اپنے مقصد کی گہرائیوں پر ایک عمیق ابہام کے پردہ میں مطلع کر دیا یہ فرما کر کہ:-

افبالموت تخوفنی وھل یعدو بکم الخطب ان تقتلونی

"کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ اور کیا تم اس سے زیادہ کچھ

کر سکتے ہو کہ مجھے قتل کر دو۔"

یہ بظاہر عجیب چیز ہے ---- انسانی نگاہ میں آخری زیادہ سے زیادہ انجام قتل ہی ہے۔ لیکن حسین اس کو ایک درمیانی منزل قرار دے کر کسی اُس کے بعد کے درجہ کو فتح و شکست کا معیار قرار دے رہے ہیں۔

حر سمجھا یا نہیں سمجھا مگر وہ اتنا سمجھ لیا کہ میری نصیحت کا کچھ اچھا اثر نہیں ہوا۔ اس لئے اُس نے اب حسینؑ کے ساتھ ساتھ چلنا بھی مناسب نہیں سمجھا اور وہ حضرتؑ سے تھوڑے فاصلہ پر علٰحدہ ہو گیا اور وہ دور روانہ ہوا مگر آپ سے جدا نہیں ہوا۔

ایک اور واقعہ جب امامؑ "عذیب الہجانات" میں پہونچے تو چار آدمی اہل کوفہ میں سے غیر معروف راستہ سے امامؑ کی نصرت کے لئے آئے۔ یہ عمر بن خالد صیداوی، انکا غلام سعد اور تین اور آدمی تھے (ملاحظہ ہو شہدائے کربلا حصہ اول ص ۴۳ - ۴۹)

حر امامؑ کی نقل و حرکت کا نگراں تھا، اُس نے مداخلت کی اور کہا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ نہیں آئے ہیں۔ اس لئے یا تو میں انھیں گرفتار کر کے قید کر لونگا یا کوفہ واپس کر دونگا۔

حضرتؑ نے فرمایا اب جبکہ یہ میرے پاس پہونچ گئے اور میری امان میں آ گئے تو میں انھیں تمہارے سپرد نہیں کر سکتا اور تم نے اقرار کیا تھا کہ جب تک ابن زیاد کا خط تمھارے پاس نہ آ جائیگا مجھ سے کچھ تعرض نہ کرو گے اب اگر تم اس بات پر قائم نہیں رہو گے تو میں

maablib.org

م سے مقابلہ کرونگا۔ حر نے پھر خاموشی اختیار کی اور بات رفت و گذشت ہو گئی۔

ابن زیاد کا خط

آخر کار وہ امام کے ساتھ مشکوک تھا جیسا کہ ہیں نے "مجاہدہ کربلا" میں خیال ظاہر کیا ہے ممکن ہے اُس کے رسالہ کے کسی شخص نے ابن زیاد کو اطلاع دی ہو کہ حر امام کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہیں کر رہا ہے اس کا نتیجہ تھا کہ ابن زیاد نے تنبیہ کی ضرورت محسوس کی اور حُر کے نام یہ خط بھیجا کہ " تم کو لازم ہے کہ جہاں پر یہ خط پہونچے اور میرا قاصد آئے فوراً حسینؑ کو آگے بڑھنے سے روک دو اور انھیں ایسی جگہ قیام کرنے پر مجبور کرو جہاں آب و گیاہ موجود نہ ہو اور نہ کوئی قلعہ و جائے پناہ ہو۔ میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ تمھارے ساتھ ساتھ رہے اور اُسوقت تک علٰحدہ نہ ہو جب تک کہ میرے حکم کی تعمیل نہ ہو جائے "

آخری الفاظ صاف بے اطمینانی کا پتہ دے رہے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ حُر کے متعلق یہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اس معاملہ میں رو رعایت کریگا یا سہل انگاری سے کام لے گا۔

اب حُر بھی مجبور تھا۔ حقیقتہً مجبور نہیں بلکہ اس دنیا کی بندگی کی بنا پر جس سے واقعی حرّیت اُسے ابھی نہیں حاصل ہوئی تھی۔ اس لئے اس خط کے آنے کے بعد اس نے امام اور امام کے اصحاب کے سامنے یہ اعلان کر دیا کہ:۔

"یہ امیر ابن زیاد کا خط ہے اور اس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم سب کو اُسی جگہ اترنے پہ مجبور کر دوں جہاں مجھے یہ خط پہونچے اور امیر کا قاصد موجود ہے اور اُسے حکم ہے کہ یہ مجھ سے علحدہ نہ ہو جب تک اس حکم کی تعمیل نہ ہو جائے"

ان الفاظ میں بھی کمزوری صاف نمایاں ہے۔

وہ حسینؑ کے سامنے اپنی بے بسی اور مجبوری کو پیش کئے دے رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ میں اپنی طرف سے سختی نہیں کرنا چاہتا۔ مگر اب میں خود زیر حراست و نگرانی ہوں۔

وہ ان الفاظ میں گویا درخواست کر رہا ہے کہ آپ مجھے اس کا موقع نہ دیجئے کہ میں اپنے ضمیر کے خلاف اس حکم کی تعمیل پر آمادہ ہوں اور عملی حیثیت سے کوئی مزاحمت کروں۔

اُس کی اس صفائی کی حسینؑ نے قدر کی اور وہی حسینؑ جو اس کے پہلے اسی حر کی مزاحمت پر بگڑ گئے تھے اور کہا تھا:۔ الموت ادنی الیک من ذلک۔ "تجھے اس کے پہلے کہ مجھے روکے موت کا سامنا کرنا پڑیگا"

صرف اس کے اتنے کہنے پر وہیں اترنے پر آمادہ ہوگئے، بیشک کچھ قریبی آبادیوں کا نام لیا کہ وہاں ہم کو پہونچ لینے دیا جائے مگر حر نے اُنہی الفاظ میں اپنی مجبوری کا اظہار کیا کہ مجھے حکم یہ ہے کہ آپ کو ایسی جگہ اتار دوں جہاں آب و گیاہ نہ ہو۔ اور یہ شخص میرے اوپر نگراں مقرر کیا گیا ہے کہ یہ جا کر میرے طرز عمل کی اطلاع دے۔

گویا وہ اپنی نسبت خطرہ کا اظہار کر رہا ہے اور یہ کہ ابن زیاد مجھ سے بدگمان ہو چکا ہے اور میری جانب سے اب ذرا بھی مراعات میرے واسطے مناسب نہیں ہے۔

حسینؑ اُسکے انداز گفتگو اور طرز عمل کی ان تمام گہرائیوں کو سمجھ رہے تھے۔ وہ ابھی اُس سے اس کی توقع نہیں کرنا چاہتے تھے کہ وہ دنیاوی زندگی کے خیال کو بالکل دل سے نکال دے اور اپنی جان کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ کیونکہ اُس کا نفس ابھی خام تھا اور اُس کے پختہ ہونے میں تھوڑا وقفہ تھا۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ باوجود اصحاب میں جوش پیدا ہونے اور جنگ پر آمادہ ہو جانے کے امام نے اُن سب کو روک دیا اور یہ فرمایا کہ "میں جنگ میں ابتدا نہیں کرنا چاہتا"۔ اس کے معنی صاف ظاہر ہیں کہ جب اس نے عملی تصادم نہیں کیا ہے بلکہ سچائی کے ساتھ اپنا معاملہ میرے سامنے رکھ دیا ہے اور صرف زبانی اپنے مقصد کو میرے سامنے پیش کیا ہے تو مجھے عملی طور پر ایسی صورت نہیں لانا چاہیے کہ اس سے اور مجھ سے جنگ درپیش ہو۔

چنانچہ آپ نے آگے بڑھنے کا خیال ترک کیا اور اُسی صحرا میں آپ اتر پڑے جہاں کیلئے حرؔ نے کہا تھا۔

کربلا پہونچنے کے بعد حسینؑ کے کربلا میں ٹھہرنے کے بعد حرؔ نے ابن زیاد کو اطلاع دی۔

وہاں سے عمر بن سعد اس مہم کا ذمہ دار بنا کر بحیثیت افسر اعلیٰ،

کے بھیج دیا گیا۔ حر کی ذمہ داری ختم ہوئی اس کے بعد سے عاشور کے دن تک پھر حر کا کوئی ذکر تاریخ میں نہیں ملتا۔

ذاکرین جو یہ روایت پڑھتے ہیں کہ شبہائے عاشور میں سے کسی شب حر خدمت امام میں حاضری کے لئے آیا جناب عباس طلایہ پھر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر امام کے پاس جانا ہے تو اسلحہ یہیں رکھ دو، حر نے انکار کیا اور کہا کہ سپاہی اپنے ہتھیار کسی کے سپرد نہیں کرتا جناب عباس نے فرمایا کہ پھر تو امام کی خدمت میں جا بھی نہیں سکتا اس گفتگو کی آواز امام نے سن لی، فرمایا کہ حر کو آنے دو۔ جناب عباس حکم امام سے مجبور ہوئے حر کو حاضری کی اجازت دی مگر حر کی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اس شان سے امام کی خدمت میں لائے"۔

اس کی اصلیت بالکل اس سے مختلف ہے۔ میں نے اس واقعہ کو "معرکۂ کربلا" (صفحہ ۱۶) میں لکھا ہے۔

آنے والا کثیر بن عبد اللہ شعبی تھا طلایہ پھرنے والے ابو ثمامہ صائدی تھے۔ انھوں نے کہا ہتھیار کھول کر رکھ دو۔ اس نے انکار کیا۔ انھوں نے کہا اچھا میں تیری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے رہونگا اور اس طرح تجھ کو لے جاؤنگا۔ اُس نے اسے بھی گوارا نہ کیا۔ آخر ابو ثمامہ نے اُسے خدمت امام میں نہ جانے دیا اور وہ واپس گیا۔ یہ پورا واقعہ وہ ہے جو اُس شکل میں مشہور ہو گیا ہے۔

اس طرح کی روایتیں بہت مشہور ہیں جن کی اصلیت کچھ اور ہے اور ہم نے اُن میں سے بعض کے متعلق حقیقت کا انکشاف اپنی مختلف

کتابوں میں کیا ہے۔

عاشور کی صبح عمر سعد نے صبح عاشور جب لشکر کو ترتیب دیا اور میمنہ و میسرہ مختلف افسروں کے سپرد کیا تو پھر قبائل کے اعتبار سے ایک تقسیم کی، اس میں حر کو بھی افسری کا عہدہ دوبارہ ملا۔

عبداللہ بن زہیر بن سلیم ازدی، جماعت اہل مدینہ پر۔ عبدالرحمن بن ابی سبرہ حنفی، مذحج و اسد پر، قیس بن اشعث بن قیس ربیعہ کندہ پر اور حر بن یزید ریاحی، تمیم و ہمدان پر افسر مقرر کئے گئے۔

دوسری تاریخ محرم سے دسویں تک، اس آٹھ دن میں حر کی حالت کیا تھی؟ اسے تاریخ کے اندھیرے پردہ میں رہنے دیجئے۔ اور یہ راز منکشف ہوتا تو کیونکر؟ جبکہ اس کا کوئی بتلانے والا رہا نہیں۔

لیکن بعد کی صورت حال اور حر کی گفتگوؤں نے صاف بتلا دیا ہے کہ حر جس وقت سے امام حسینؑ کو کربلا میں پہونچا کر ابن زیاد کو اطلاع دیچکا اُس وقت سے برابر خاموشی کے عالم میں انتہائی عمیق نگاہ سے مگر بیچینی کے ساتھ حالات کا مشاہدہ کرتا رہا۔

اُس نے راستہ ہی میں اس طرح کی سلسلہ جنبانی کی تھی کہ کسی طرح امام حسینؑ اور یزید یا ابن زیاد کے درمیان کچھ خط و کتابت ہو اور معاملات رو باصلاح ہو جائیں۔ اُسے کربلا میں پہونچنے کے بعد بھی یہ توقع تھی کہ درمیان میں کوئی ایسا مشترک نقطہ پیدا ہو جائیگا جہاں امام اور اُنکے مخالف مجتمع ہو جائیں اور جنگ کی صورت پیش نہ آئے۔ اُسے کوفہ

سے متواتر فوجیں آنے سے انتشار ضرور پیدا ہوا ہوگا مگر عمر سعد کا طرز عمل اس کے لئے امید افزا تھا جو خود صلح کی گفتگوئیں کر رہا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگ نہ ہو۔

ایسا بھی وقت آیا جب سلسلۂ گفتگو ایک ایسے نقطہ پر پہونچا جہاں عمر سعد تک نے یہ طے کر لیا کہ اب معاملہ یکسو ہو گیا۔ اور مقابلہ کی ضرورت نہیں باقی رہی۔ پھر ایسی صورت میں حر کو یہ سمجھنے کی کیا وجہ تھی کہ جنگ ضرور ہو گی۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ امام کا طرز عمل روادارانہ ہے۔ آپ اپنی جانب سے معقول شرائط پیش کر رہے ہیں جن پر صلح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

یہ توقعات تھے جو اس کے دل میں نویں محرم کی سہ پہر تک قائم تھے اور اس پر کیا، کسی شخص کو اس وقت تک اس امر سے مایوسی کے اسباب نہ پیدا ہوئے تھے کہ صلح نہ ہوگی مگر ۹ محرم کی شام کو یہ سب امیدیں منقطع ہو گئیں ابن زیاد کے اس خط سے جو شمر بن ذی الجوشن کے ہاتھ عمر سعد کے پاس پہونچا جس کے بعد عمر سعد مجبور ہوا کہ وہ اسی وقت امام کے لشکر پر حملہ آور ہو جائے اور بہت مشکل سے صرف ایک شب کی مہلت عبادت خدا کے لئے منظور کرے۔

یقیناً یہ وہ وقت تھا کہ اب حقیقۃً حر کے سامنے امام حسینؑ سے جنگ اور ان کے قتل میں شرکت کا سوال پیش تھا؛ در اب وہ سمجھا کہ میں نے اس کے پہلے جتنے بھی اقدامات کئے وہ ایک مظلوم مقدس ہستی کو فنا

کی منزل سے قریب کرنے کے سامان تھے۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اس کے بعد پھر اب کیا مجھ کو اس سے بڑے اقدامات میں شرکت کرنا چاہیے۔ کیا میں حسین کے خون میں اپنے ہاتھوں کو رنگین کر سکتا ہوں۔

اُس کا ضمیر سختی سے انکار کرتا تھا کہ ہرگز نہیں، مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ اُسے اب سب کچھ یاد آتا تھا کہ حسینؑ وہ انسان تھے جس نے اُس سخت موقع پر مجھے اور میری تمام فوج کو پانی سے سیراب کیا۔ اب اُن پر پانی بند ہے اور میری بدولت جس نے کہ انھیں اس بے آب و گیاہ جنگل میں اترنے پر مجبور کیا۔ اُسے یہ احساس کر کے خود اپنی ہستی سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اس کا تدارک کیا ہے میں حسین کے پاس جا کر اپنی اس خطا کو معاف کراؤں۔ مگر کیا اتنا بڑا جرم دنیا میں معافی کے قابل بھی ہے؟! پھر اگر حسین نے میری خطا کو معاف نہ کیا تو میں کہاں کا رہا۔ نہ دنیا ملی نہ آخرت۔ پھر بھی اُس کا ضمیر کہتا تھا کہ چل کر معافی مانگنا تو چاہیے۔ انھوں نے نہ بھی معاف کیا پھر بھی اپنی امکانی کوشش تو اس دھبے کے اپنے دامن سے مٹانے کی کر لونگا۔ میں جب اپنی جان اُن کے قدموں پر ڈال دونگا تو پھر وہ بھی کریم النفس ہیں کہاں تک خیال نہ کرینگے۔

یہ خیالات تھے جو اُس کے دماغ میں ایک تلاطم برپا کئے ہوئے ہونگے۔ اور وہ شب عاشورہ ہی تھی جس کی سیاہی کے بے پایاں سمندر میں اُس کے خیالات کی کشتی تھپیڑے کھا رہی تھی اور کسی مرکز پر ٹھہرتی نہ تھی ہو مارتا ہوا جنگل اور رات کا سناٹا، صفحۂ تاریخ بھی سنسان ہے

کون مؤرخ ہے جو اس معرکہ کی داستان قلمبند کرے جو حر کے دل و دماغ میں برپا رہا۔

ہاں البتہ "الشعراء تلامیذ الرحمٰن" سچا شاعر حقیقت کا ترجمان ہوتا ہے۔ میر انیس علیہ الرحمہ اور اُن کے خاندان کے دوسرے باکمال مرثیہ گویوں نے جس طرح اس رات حر کی حالت کی تصویر کشی کی ہے وہ یقیناً ایک صحیح واقعہ ہے جس کی روایت خاموش فطرت کے واسطہ سے شاعر کے دل تک پہنچی ہے اور واقعات کے قرائن اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔

رات کسی طرح گذری اور صبح ہوئی، حر کو پھر بھی یہ دیکھنا ہے کہ اب کیا ہوتا ہے؟ کیا واقعی جنگ ہی ہوگی یا کوئی اور صورت رونما ہوگی۔ اُس نے انتہائی ضبط و صبر کے ساتھ دیکھا کہ فوج کی ترتیب ہوئی۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ایک حصۂ فوج کا افسر قرار دیا گیا ہے۔ اُس نے امام کا بے نظیر اور مؤثر خطبہ سنا جس نے اُس کے دل کے تاثرات میں اور اضافہ کر دیا۔ مگر پھر اُس نے انتظار کیا کہ اس کا اثر مخالف فوج پر کیا پڑتا ہے۔ اُس نے دیکھا کہ زہیر بن قین نے بڑھ کر تقریر شروع کی اور ناصحانہ انداز میں اہل کوفہ کو مخاطب کیا، ان تمام باتوں کے بعد بھی اُسے احساس ہوا کہ فوج ابن زیاد جنگ پر آمادہ ہے اور اُس کے ارادوں میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔

بس اب حر کے ضبط و صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ اور وہ خیال جو اُس کے دل میں پرورش پا رہا تھا اب رازداری کے حدود سے آگے بڑھ گیا

عمر سعد سے گفتگو | حر آیا عمر سعد کے پاس، کہا۔
أمقاتل انت ھذا الرجل "کیا تم ان سے واقعی جنگ کرو گے"

یہ سوال اپنے اندر ان سب قلبی کیفیتوں کو مضمر رکھتا ہے جن کی تشریح کے لئے میں کئی صفحے سیاہ کر چکا ہوں۔

اُسے یہ یقین آنے کے قابل بات ہی نہیں معلوم ہوتی کہ فرزند رسول سے جنگ عملی شکل بھی اختیار کرے گی۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ آثار و قرائن کو جنگ کے قطعی پا رہا ہے۔ مگر پھر بھی اس کی آرزو رکھتا ہے کہ یہ سب نمائشی ہو اور اس میں حقیقت بالکل نہ ہو

عمر سعد جو اپنے ضمیر کے اندرونی کیفیات سے بالکل بیگانہ تھا اُس نے افسرانہ انداز میں بڑے اطمینان کے ساتھ کہا:۔

ای واللہ قتالا ایسرہ ان تسقط الرؤس و تطیح الایدی

"ہاں ہاں! بخدا ایسی جنگ جس کا انتہائی کم نتیجہ یہ ہو کہ سروں کی بارش ہو اور ہاتھ کٹ کٹ کر زمین پر گرتے ہوں!"

حر نے کہا افما لکم فی واحدۃ من الخصال التی عرض علیکم رضا۔

"کیا اتنے مطالبے جو حسینؑ نے پیش کئے ان میں سے کوئی تم لوگوں کے نزدیک منظوری کے قابل نہیں ہے"۔

دیکھا آپ نے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ صلح کی گفتگو کو پوری غور سے نتیجہ کی جستجو کے ساتھ دیکھ رہا تھا اور اُسے یقین تھا کہ حسینؑ کے مطالبات ضرور مان لئے جائیں گے۔

عمر سعد نے کہا واللہ لو کان الامر الی لفعلت لکن امیرک قد ابی ذلک

"خدا کی قسم اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا، لیکن کیا کروں کہ تمہارا حاکم (ابن زیاد) نہیں مانتا"۔

عمر سعد کے جواب میں خود کمزوری تھی، اُسکا مضمون حر کی رائے اور خیال کو اور تقویت دینے والا تھا۔ وہ تسلیم کر رہا تھا کہ حسین کا مسلک صلح پرورانہ ہی مگر ابن زیاد کی ضد حسین کے قتل ہی کی طالب ہے۔

اس کے بعد حر نے کچھ گفتگو کرنا بیکار سمجھا۔ اور اب وقت آ گیا تھا کہ وہ اُس اپنے فیصلہ کو جو بہت مشکل سے اُس کے دل و دماغ کی جنگ سے طے پایا تھا عملی لباس پہنائے۔

فوج مخالف سے علیحدگی

حر کو یہ اندیشہ ضرور تھا کہ اگر فوج سے نکلنے کے پہلے یہ اطلاع ہو جائے کہ میری نیت میں کچھ تبدیلی ہو رہی ہے تو مجھے یہیں گرفتار کر لیا جائیگا اور میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونگا۔ اس لئے وہ اس وقت بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ اُس کے قبیلہ کا ایک شخص قرہ بن قیس اُسکے ساتھ تھا جس کو اُسکا رہنا ناگوار ہو رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ کسی طرح میرے پاس سے ٹل جائے مگر کچھ بنتا نہ تھا۔ آخر اُس نے کہا "قرہ آج تم نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا"۔ اُس نے کہا "نہیں ابھی نہیں"۔ کہا "پھر پلاؤ گے نہیں؟"

انسان کا چہرہ، اُس کی بات چیت، اُس کے چہرہ کا رنگ، سب ہی اُس کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں۔ حر لاکھ چھپائے مگر دل کا اضطراب چھپنے کی چیز نہیں۔ قرہ کچھ نہ سمجھا، اتنا تو سمجھ لیا کہ یہ مجھے اپنے پاس سے ٹالنا چاہتے ہیں اور چونکہ وہ سنجیدہ شخص تھا (ملاحظہ ہو معرکہ کربلا" ص۱۷) اس لئے

وہ ہٹ گیا،

حر نے اپنے خیال میں بڑی فتح حاصل کی۔ اُس نے آہستہ آہستہ گھوڑا اپنا فوج امام کی طرف بڑھانا شروع کیا۔

اُس کا دل دھڑک رہا ہوگا، اُس کے سینہ میں طوفان برپا ہوگا وہ سمجھتا تھا اب میں کہیں اور ہوں مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔ میں دنیا سے علیحدہ ہوں۔

اس وقت کسی کا ٹوک دیا! مہاجر بن اوس، اُسی کے قبیلہ کا شخص اُس نے کہا۔

"کیوں حر! کیا ارادہ ہے؟ کیا حملہ کرنا چاہتے ہو؟"

وہ چونک پڑا "حملہ کرنا چاہتے ہو؟" حر اسکا کیا جواب دیتا۔

اُس نے پھر بھی پردہ داری کی کوشش کی۔ کچھ جواب نہیں دیا۔ مگر جسم میں لرزہ سا پیدا ہو گیا۔

راز فاش تھا، مہاجر نے کہا "حر تمھاری یہ کیا حالت ہے؟ میں نے تو تمھاری یہ حالت کبھی نہیں دیکھی مجھ سے پوچھا جاتا کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو تمھارے سوا کسی کا نام نہ لیتا۔ مگر اس وقت میں تمھاری عجیب حالت دیکھ رہا ہوں۔ یہ آخر ہے کیا؟"

یہ شجاعت پر حملہ تھا حر اس غلط فہمی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے چھپانے کی مہم میں اپنی شکست کا احساس بھی کر لیا اس لئے اب صاف کر دینا چاہا۔ کہا

"میرے سامنے اس وقت جنت دوزخ کا سوال ہے" ——— وہ

کہہ رہا تھا اور الفاظ کی رفتار کی ساتھ دل کی بےچینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

"میں تو جنت کیسی چیز پر کبھی مقدم نہ سمجھونگا چاہے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دئیے جائیں اور آگ میں جلا دیا جائے"۔

اب دیر کا موقع نہ تھا۔ یہ کہتے ہی اُس نے گھوڑے کو چابک لگایا اور لشکر امام حسینؑ کی طرف پہونچ گیا۔

عفوِ گناہ

حر کو اندیشہ تھا کہ اُس کے اس بے تحاشا گھوڑا اڑائے ہوئے آنے سے انصار امام میں دہشت نہ پیدا ہو۔ اور کہیں اسکی مزاحمت نہ کی جائے اس لیے اُس نے لشکر امام کے قریب پہونچتے ہی اپنی سپر پلٹ کر ہاتھ میں لے لی۔

یہ عرب کے دستور کے مطابق تھا۔ جب کوئی حملہ آور ہو تو اُسکے ہاتھ میں تلوار کھنچی ہوئی ہوگی سپر حفاظت کیلئے سامنے ہوگی۔ لیکن اگر وہ تلوار کو نیام میں رکھ کر سپر کو الٹا کرلے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ امان کا طالب ہے یا کچھ پیام لا رہا ہے۔ حر نے اپنی سپر اس طرح ہاتھ میں لے کر گویا پہلے ہی بتلا دیا کہ میں طالب امان ہو کر آ رہا ہوں جنگ کا ارادہ نہیں رکھتا ہوں۔

حر کے اس اچانک آنے سے سب لوگ متعجب ضرور ہونگے اور چشم براہ ہونگے کہ یہ آکر کیا کہتا ہے۔ وہ سیدھا امام کے سامنے آیا۔ کہنے لگا۔

"میری جان آپ پر فدا! اے رسول کے فرزند! میں وہی گنہگار ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا، راستہ میں آپکے ساتھ ساتھ رہا اور آپ کو اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا" ——— یہ وہ فردِ قرار دادِ جرم ہے جو اُس کے ضمیر نے خود اپنے خلاف مرتب کر لی تھی ——— "قسم اُس خدا کی

برحق کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں کہ مجھے یہ گمان ہرگز نہیں تھا کہ یہ لوگ آپ کے تمام شرائط کو جو آپ پیش کریں گے سترد کر دینگے اور نوبت یہاں تک پہنچے گی۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا تھا کہ کیا حرج ہی میں کسی حد تک ان لوگوں کا ساتھ دوں اور معلوم نہ ہو کہ ان کی اطاعت سے باہر ہوں۔ پھر یہ لوگ ان شرائط کو تو قبول کر ہی لیں گے جو امام حسینؑ ان کے سامنے پیش کرینگے۔ بخدا اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ یہ لوگ ان شرائط کو آپکی منظور نہیں کرینگے تو میں کبھی آپ کے ساتھ یہ طرز عمل اختیار نہ کرتا۔ اچھا اب میں حاضر ہوا ہوں انتہائی شرمسار، توبہ کرتا ہوا اپنے گناہ سے خدا کی بارگاہ میں اور آپ کا شریک مصیبت ہو کر اپنی جان کے ساتھ یہاں تک کہ آپکے قدموں پر مر جاؤں۔

کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو جائیگی؟"

حر نے اپنے جرائم خود ہی پیش کر دیئے تھے۔ اُس نے اپنی صفائی میں اسباب بھی وہ پیش کئے تھے جو حقیقت کے مطابق تھے اور جن پر شروع سے اُسکا طرز عمل صاف طور پر منطبق تھا، وہ معلوم ہوتا تھا کہ واقعی بیچین ہی اور اپنے جرم کے احساس سے مضطرب ہے۔

یہ موقع اس کا نہیں ہی کہ امام کسی طول طویل تقریر کے ساتھ اُس کی بات کا جواب دیں۔ آپ کو اُسے مطمئن کرنا چاہئے فوری طور پر ۔۔۔۔ آپ نے بلا توقف فرمایا۔

"ہاں ہاں۔ خدا تمھاری توبہ قبول کریگا اور تمھیں بخش دیگا"۔۔۔۔

ذرا اپنا نام تو بتاؤ۔

یہ بشارت دینے کی تمہید ہے ۔ اسم سے مسمّی کی مطابقت رہے۔
اُس نے کہا ۔ " حر بن یزید " ۔ فرمایا " انت الحر کما سمّتک امک انت الحر ان شاء اللہ فی الدنیا والاخرۃ " ۔ تم حر ہو (آزاد) اُسی طرح جیسے تمہاری ماں نے نام رکھا ہے ۔ تم آزاد ہو انشاءاللہ ۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی" ۔
" گھوڑے سے تو اترو " حر نے کہا " میں آپ کی نصرت میں گھوڑے پر سوار رہوں بہتر ہے اس سے کہ نیچے اتروں ۔ بس ایک تھوڑی دیر ان سے جنگ کروں پھر تو (مر کر) گھوڑے سے نیچے اترنا ہی ہے" ۔
امام نے دیکھا کہ حر کو ولولہ جہاد کا ہے ۔ فرمایا فاصنع یرحمک اللہ مابدالک
" اچھا تمہاری خوشی جو ہو وہ کرو ۔ خدا اپنی رحمت تمہارے شامل حال کرے [1]

حر کی پرجوش تقریر

وہ ضبط بہت کر چکا تھا ' اب وقت تھا کہ اُسکے خیالات کا کوہ آتش فشاں شگافتہ ہو ۔ اُسکی چنگاریاں اڑیں اور شعلے بلند ہوں ۔
حر نے اہل کوفہ کی فوج کے سامنے آکر تقریر شروع کی ۔
" اے کوفہ والو ! تمہاری مائیں تمہارے غم میں روئیں ۔ تم نے اس بزرگوار کو بلایا اور جب وہ آیا تو تم نے اُسے دشمن کے سپرد کر دیا ۔ تم نے خیال ظاہر کیا تھا کہ تم اُن پر جان نثار کر دو گے پھر تم نے خود اُن پر چڑھائی کر دی اور اُن کے قتل پر آمادہ ہو گئے ۔ تم نے اُن کے نفس کے آمد و شد کو مسدود کر رکھا ہے اور گلا گھونٹنے پر آمادہ ہو اور چاروں طرف سے انھیں گھیر رکھا ہے ۔ تم نے ان کو خدا

کی چوڑی جنگلی زمین میں جدھر وہ امن کا راستہ پائیں چلنے سے روک دیا ہے اور وہ تمہارے ہاتھ میں قیدی کی طرح سے ہو گئے ہیں اور بے بس ہیں۔ اور تم نے ان کو اُن کے اہل حرم اور بچوں کو اور اُن کے اصحاب کو فرات کے بہتے ہوئے پانی سے روک دیا ہے۔ وہ پانی جس کو یہودی اور مجوسی اور نصرانی تک پیتے ہیں اور عراق کے سور کتے تک اُس میں لوٹتے ہیں۔ اور یہ لوگ ہیں کہ ان کو پیاس نے جاں بلب کر رکھا ہے۔

کیا برا ہے وہ سلوک جو تم نے محمد مصطفےٰ ص کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کیا ہے۔ خدا تم کو اُس شدت کی پیاس والے دن سیراب نہ کرے۔ اگر تم ابھی آج اسی دم توبہ نہ کرلو اور اپنے طرزِ عمل سے پشیمان ہو کر باز نہ آجاؤ"۔

دشمن کو تقریر حر کی ناگوار تھی۔ کچھ پیادوں نے فوج کے حملہ کیا تیر چلائے حر نے تقریر موقوف کردی۔ جنگ باقاعدہ شروع نہ ہوئی تھی اس لئے وہ آکر امام کے سامنے کھڑا ہو گیا لہ

اذنِ جہاد

لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ عبداللہؓ بن عمیر کلبی میدان جنگ میں ایک کارِ نمایاں کر چکے یعنی ابن زیاد کے دو غلام یسار و سالم انکے ہاتھ سے قتل ہوئے جس کے نتیجہ میں وہ کچھ زخمی بھی ہوئے۔ ان کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں قطع ہو گئیں۔ اُس وقت حر کو خیال ہوا کہ میں تاخیر کر رہا ہوں۔ کسی ناصر امام کو مجھ سے پہلے قتل نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ پہلے مجھ ہی کو جاں نثار کرنا چاہئے یہ سوچکر وہ خدمت امام میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

"فرزند رسول میں سب سے پہلے آپ سے لڑنے کو آیا تھا لہذا اب مجھ اجازت دیجئے کہ سب سے پہلے میں ہی آپ کے سامنے قتل ہوں اور آپ کے جد بزرگوار سے

جا کر دست بوسی کروں"۔

ان الفاظ کے متعلق جو ایک بحث پڑ گئی ہے وہ میں نے "محاربۂ کربلا" (صفحہ ۱۱۔۱۲) میں لکھی ہے۔

میں نے کہا ہے کہ حرؔ کے الفاظ بالکل حقیقت پر محمول ہیں جس کی اس اجازت جہاد کے پہلے ہرگز کوئی شخص شہید نہیں ہوا تھا۔ حرؔ نے اجازت، اسی خیال سے مانگی کہ وہ جا کر لڑینگے اور شہید ہونگے تو اس صورت سے اول شہید قرار پائیں گے۔ امام نے اجازت دی اور حرؔ میدان جنگ میں آئے۔

رجز حر کی زبان پر یہ اشعار رجز میں جاری ہوئے۔

انی انا الحرّ و ماوی الضیف اضرب فی اعناقکم بالسیف

عن خیر من حل بارض الخیف اضربکم ولا اری من حیف

"میں حرؔ ہوں اور مہمانوں کا پناہ دینے والا ہوں، میں تمہاری گردنوں پر تلوار چلاؤنگا اُس امام کی جانب سے جو سرزمین مکہ کا سب سے بہتر رہنے والا ہے۔ میں تم کو تلواریں لگاؤنگا اور ذرا بھی اس کو ظلم نہیں سمجھونگا"۔

حملہ اور جنگ اس رجز کے بعد حملہ کر دیا، اور شمشیر زنی شروع کی اُسوقت جب حرؔ لشکر سے جدا ہو کر امام حسین سے جا کر ملا ہی تو بنو حارث بن تمیم کے ایک شخص نے جس کا نام "یزید بن سفیان" تھا یہ کہا کہ بخدا اگر میں دیکھ لیتا حرؔ کو اُس وقت جب وہ نکل رہا تھا تو ایک نیزہ میں اُسکا کام تمام کرتا اب جبکہ حرؔ تن تنہا اتنی بڑی فوج میں جنگ کر رہا تھا، آگے بڑھ بڑھ کر تلواریں لگا رہا تھا اور عنترہ کا یہ شعر اُس کی زبان پر تھا۔

مازلت ارمیهم بشغرۃ نحرہ ولبانہ حتی تسربل بالدم

"میں برابر اُن کے اوپر پھینکتا رہا اپنے گھوڑے کی گردن اور اُس کے سینہ کو یہاں تک کہ اُس گھوڑے نے سر سے پاؤں تک خون کی چادریں اوڑھ لیں"

یہ شعر بالکل اُن کے حسبِ حال تھا کیونکہ اُسکا گھوڑا زخمی ہو چکا تھا اُس کے سر و چہرہ پر تلواریں پڑی تھیں اور خون بہہ رہا تھا۔ اس وقت حصین بن تمیم اُس قادسیہ والی فوج کے افسر نے جس کا حر پہلے ماتحت تھا یزید بن سفیان سے کہا کہ دیکھو حر یہی تو ہے جسے قتل کرنے کی تم آرزو رکھتے تھے۔" اُس نے کہا اچھا" یہ کہکر وہ باہر نکلا اور آواز دی۔ "حر بن یزید! کیا مقابلہ منظور ہے؟" حر نے کہا "ہاں ضرور" یہ کہہ کر سامنے آگئے۔ خود حصین کا قول بیان کیا گیا ہے کہ بس یہ معلوم ہوا کہ یزید کی جان حر کے قبضہ میں تھی۔ دم کے دم میں قتل ہو گیا۔

یہ علیا پر ہیبت منظر تھا کہ دشمن کا پرا بند ہو گیا اور حر کے مقابلہ کو پھر کوئی نہیں نکلا۔ آخر حر اپنے گھوڑے کو جو زخمی ہو چکا تھا موڑ کر اپنے مرکز کی جانب واپس آگئے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ حر سب سے پہلے شہید ہیں اس کی بنیاد اُن کی طلب رخصت والے الفاظ ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اس حملہ میں شہید نہیں ہوئے۔ اُن کے پہلے وہ تمام لوگ شہید ہوئے جن کا تذکرہ اس سے پہلے "حصہ اول" میں ہو چکا ہے۔

جنگِ مغلوبہ میں شرکت ظہر کے قریب جب فوجِ دشمن نے تیروں کا مینھ برسایا

اور ادھر سے اصحاب امام حسینؑ نے بھی مجموعی حیثیت سے تلواریں کھینچ کر حملہ کر دیا یہی وہ عظیم جنگ ہے جو تاریخ میں حملہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔

اس جنگ میں حرؑ نے بھی حصہ لیا اور اُن کا گھوڑا جو اس کے پہلے زخمی ہو چکا تھا اس موقع پر پے ہو گیا اور وہ مثل تمام اصحاب امام حسینؑ کے جن کے گھوڑوں کا اس حملہ میں خاتمہ ہو گیا تھا پیادہ ہو گئے جس کا تذکرہ اُن کے دشمن ایوب بن مشرح حیوانی نے اس طرح کیا ہے کہ:۔

میں نے حرؑ بن یزید کے گھوڑے کو تیر لگایا جس سے وہ تھرا کر منھ کے بھل گرا حرؑ چھلانگ مار کر زمین پر آ گئے معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیر ہے۔ اور تلوار ان کے ہاتھ میں تھی وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

ان تعقروا بی فانا ابن الحرّ   اشجع من ذی لبد هزبر

"میں ایک شریف کا فرزند ہوں اور شیر سے زیادہ شجاعت کا مالک ہوں"

جنگ کا یہ عالم تھا کہ (راوی کہتا ہے) میں نے کوئی اس طرح کا شمشیر زنی کرنے والا نہیں دیکھا۔

اس جنگ مغلوبہ میں دشمن کو شکست ہوئی اور حرؑ اس موقع پر بھی شہید نہیں ہوئے۔

آخری جنگ اور شہادت

دوپہر ڈھل چکی، نماز ظہر کا وقت آیا اور ابو ثمامہ صائدی نے امام سے نماز جماعت کے لئے کہا امام کی جانب سے فوج مخالف سے مہلتِ نماز کی درخواست کی گئی اور اُس کا جواب ناگوار ملا جس پر حبیب بن مظاہر کو تاب نہ رہی اُنھوں نے حملہ

کردیا۔ آخر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اس کا اثر جو امام پر ہوا وہ بھی آپ حصۂ اول میں پڑھ چکے۔

کہاں حر کا وہ ارادہ کہ سب سے پہلے شہادت کا درجہ وہ حاصل کرے اور کہاں اتنی تاخیر کہ حبیب بن مظاہر ایسا مخصوص امام کا ساتھی شہید ہوجائے اور حر باقی رہے۔

امام کے چہرہ پر شکستگی کے آثار نے بھی اصحاب کے دل پر خاص اثر کیا، حر نے اب مضبوط ارادہ کرلیا کہ وہ اب اپنی منزل مقصد پر پہونچ جائے، اُس نے یہ رجز پڑھی

الیت لا اقتل حتی اقتلا   ولن اصاب الیوم الا مقبلا

اضربهم بالسیف ضربا مفصلا   لا ناکلا عنهم ولا مهللا

"میں قسم کھاتا ہوں کہ قتل نہ ہوں گا جب تک دشمنوں کو قتل نہ کرلوں اور مارا نہ جاؤں گا مگر پیش قدمی کی حالت میں۔ میں آج تلواریں لگاؤں گا فیصلہ کن تلواریں نہ میرے قدم پیچھے ہٹیں گے اور نہ کمزوری کا اظہار ہوگا۔"

کبھی یہ شعر پڑھتے تھے:۔

اضرب فی اعراضهم بالسیف   عن خیر من حل منی والخیف

"میں شمشیر زنی کرونگا اُس بہترین انسان کی جانب سے جس نے سرزمین حرم میں کبھی قیام کیا۔"

معلوم نہیں امام کا اشارہ تھا اور حر کا خیال یا خود اپنی جانب سے کہ زہیر بن قین نے حر کے ساتھ مل کر جہاد شروع کیا، حالت یہ تھی کہ جب ایک گھر جاتا تھا تو دوسرا بڑھ کر اُسے چھڑانے کی کوشش کرتا تھا۔ تھوڑی دیر

یہی صورت قائم رہی۔ لیکن اسکے بعد پیادوں کی فوج نے حرؔ کو سختی سے گھیر لیا۔ اور زہیر کی مدافعت ناکام ہوئی آخرہ حرؔ قتل ہو گئے

امام کی قدر افزائی امام نے اپنے اس ناصر کی یہ قدر کی کہ جب اُس کی لاش میدان سے اُٹھاکر لائی گئی اور حضرت کے سامنے رکھی گئی تو آپ خاک و خون حرؔ کے چہرہ سے صاف کرنے لگے اور فرمانے لگے:۔

انت الحر کما سمتک امک وانت الحر فی الدنیا وانت الحر فی الآخرۃ

"تم بیشک حرؔ ہو تمھاری والدہ نے تمھارا نام حرؔ بہت ٹھیک رکھا تھا۔ تم دنیا میں بھی حرؔ ہو اور آخرت میں بھی حرؔ"

یہی الفاظ ہیں جو آپ خود حرؔ سے اُس کی زندگی میں ارشاد فرما چکے تھے اور یہی اُس کی لاش پر بھی آپ نے کہے۔

امام کا سلام زیارت شہدا میں جو تحفۃ الزائر میں مذکور ہے حرؔ پر بھی سلام موجود ہے (السلام علی الحر بن یزید الریاحی)

کیا کہنا حرؔ کی اس سعادت شہادت کا جس نے اُس کو سلام امام کا مستحق بنا دیا۔

maablib.org

معتبر کتابوں سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حرؔ کے ساتھ اُس کا فرزند، غلام یا بھائی بھی تھا۔ لیکن سپہر کاشانی نے بعض غیر معروف کتابوں سے اسکو نقل کیا ہے:۔

حر روئے باپسرِ خود علی کرد و گفت اے فرزند بریں قوم ستمگار ترکتازی کن، و چندانکہ توانی دادِ جہاد بدہ۔ پسر حر اسپ برانگیخت و بر سپاہ کوفہ حملہ کرد، بسے انگند۔ کوفیان او را در پردہ انگندند و زخمے صعب دادند، در شرح شافیہ مسطور است کہ پسر حر بیست و چہار کس از مشرکین را مقتول ساخت و ابومخنف گوید ہفتاد کس بکشت آنگاہ مقتول گشت، حر از شہادت فرزند عظیم شاد شد و قال

الحمد للہ الذی رزقک الشہادۃ بین یدی مولانا الحسین بن امیرالمؤمنین علیہما السلام۔

"شرح شافیہ" جس کا حوالہ دیا گیا ہے بالکل مجہول ہے۔ ابومخنف کی اصل تاریخ اگر دستیاب ہوتی تو وہ بہت کچھ معتبر سمجھی جا سکتی تھی مگر افسوس ہے کہ اس اصل تاریخ کا وجود نہیں ہے اور ابومخنف کا نام عام تاریخوں میں اس طرح لیا جانے لگا ہے جیسے مقاماتِ حریری میں "حارث بن ہمام" زیارتِ شہدا میں بھی حر کے فرزند کا تذکرہ نہیں ہے۔ اسی لئے مصنف ابصار العین نے بھی انصار حسینؑ میں فرزند حر کا تذکرہ نہیں کیا اور میں بھی اس اضافہ سے قاصر ہوں۔

تاریخ "روضۃ الاحباب" میں جو محدث جمال الدین اصفہانی کی تصنیف ہے، حر کے بھائی مصعب بن یزید ریاحی کا بھی تذکرہ ہے اور لکھا ہے کہ جب حر میدانِ جنگ میں آیا اور رجز پڑھنے لگا تو اس کا بھائی مصعب جو ابھی لشکر عمر سعد میں تھا گھوڑا دوڑا کر آگے بڑھا، فوج والے سمجھے کہ وہ اپنے بھائی کے مقابلہ کو جاتا ہے جب قریب آیا تو اس نے حر کی تعریف کی اور

کہا کہ آپ نے مجھے بھی ہدایت کا راستہ دکھلا دیا' میں بھی توبہ کرنے کے لئے آیا ہوں حر اُس کو امام کی خدمت میں لائے اُس نے توبہ کی اور اصحاب امام کی صف میں کھڑا ہو گیا'

حر کی شہادت کے بعد مصعب نے اجازت جہاد حاصل کی اور جنگ کر کے شہید ہوا[۵۲]

(۲)

(۶۵) سعید بن عبد اللہ حنفی

کوفہ کے معزز شیعوں میں سے تھے اور شجاعت اور عبادت کی صفت سے موصوف تھے۔

نمایندگی جب اہل کوفہ نے جلسہ کر کے امام حسینؑ کو دعوت دینے کا فیصلہ کیا تو حضرت کے نام پہلا خط عبد اللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن وال کے ہاتھ بھیجا گیا' پھر دو دن کے عرصہ میں ترپن[۵۳] عرضداشتیں مختلف اشخاص کی طرف سے لکھی گئیں' وہ قیس بن مسہر صیداوی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارحبی اور عمارہ بن عبید سلولی کے ہاتھ روانہ کی گئیں' سب کے آخر میں ایک خط لکھا گیا جس کا مضمون یہ تھا۔ جلدی تشریف لائیے' لوگ آپ کے منتظر ہیں' بہت جلدی کیجیے۔ یہ خط ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے ہاتھ روانہ کیا گیا یہ شیعیان کوفہ کی طرف کا سب سے آخری وفد تھا۔ اس کے علاوہ ایک خط شبث بن ربعی اور حجار بن ابجر وغیرہ کا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ کھیتیاں لہلہا رہی ہیں میوے

رسیدہ ہیں، چشمے پر آب ہیں اور لشکر آپ کی مدد کے لئے تیار ہے۔

اس خط کی نوعیت پر ہیں نے امامیہ مشن کی سب سے پہلی کتاب میں مفصل تبصرہ کیا ہے

مؤلف ابصار العین نے دھوکا کھایا ہے کہ انھوں نے سعید بن عبداللہ حنفی کے ہاتھ جانے والا خط یہی قرار دیا ہے جو شیث بن ربعی وغیرہ کا بھیجا ہوا تھا۔

حضرت سید الشہدا نے ان خطوط کا جواب ان ہی دونوں نمایندوں کے سپرد کیا جن میں سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی تھے آپکے خط میں انکے نام کا حوالہ بھی مذکور تھا۔ آپنے لکھا تھا ہے

من حسین بن علی الی الملأ من المؤمنین والمسلمین اما بعد فان ھانئا وسعیدا قدما علی بکتبکم وکانا اخر من قدم علی من رسلکم وقد فھمت کل الذی اقتصصتم الخ	یہ خط ہے حسین بن علی کا جماعت مومنین ومسلمین کی طرف، ہانی اور سعید میرے پاس تمہاری خطوط لے کر وارد ہوئے اور یہ دونوں سب سے آخری تمہارے نمایندے تھے جو میرے پاس پہونچے ہیں نے تمہاری خطوط کو دیکھا اور ان کے مضمون پر مطلع ہوا۔

اس کے بعد آپنے تحریر فرمایا تھا کہ میں تمھاری جانب اپنے چچازاد بھائی اور معتمد عزیز مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔ یہ تمھارے حالات سے مجھکو مطلع کرینگے"۔ دونوں آدمیوں کو اس خط کے ساتھ حضرت مسلم کے آگے روانہ کیا اور قیس بن مسہر اور عبدالرحمن اس کے بعد مسلم کی ہمراہی میں روانہ ہوئے لے

جلسہ میں تقریر

جب حضرت مسلم کوفہ میں وارد ہوئے اور مختار کے مکان میں فروکش ہوئے اور شیعیان کوفہ آپکے پاس مجتمع ہونے

اور آپ نے امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا جس کے بعد عابس بن ابی شبیب شاکری نے تقریر کی جو اُن کے حالات میں آئیگی اور حبیب بن مظاہر نے اُس کی تائید کی جس کا تذکرہ اُن کے حالات میں آچکا

اس کے بعد سعید بن عبداللہ حنفی کھڑے ہوئے اور انھوں نے تائید کی ان سب تقریروں کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم دوسروں کے ذمہ دار نہیں مگر اپنی جانب سے ہر طرح امداد کے لئے تیار ہیں

اس کے بعد جب جناب مسلم کے لئے حالات میں انقلاب ہوا اور جنگ کی صورت پیش آئی، تو کوئی تذکرہ سعید بن عبداللہ کا دکھلائی نہیں دیتا۔ "ابصار العین" میں ہے کہ حضرت مسلم نے آپ کو خط دے کر امام حسین کی خدمت میں روانہ کیا تھا جس کے بعد وہ امام ہی کے ساتھ رہے

ممکن ہے جناب مسلم نے متعدد خطوط لکھے ہوں کیونکہ ایک خط کا تذکرہ عابس بن ابی شبیب شاکری کے حالات میں آئیگا کہ وہ لیکر امام کے پاس گئے تھے۔

امام کا خطبہ اور اُس کا جواب شب عاشور جب امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے سب کو اپنی بیعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ اس لئے کہ ان لوگوں کو مجھ سے کام ہے تم سے نہیں ہے" تو اسے سنکر پہلے تو بنی ہاشم نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا پھر انصار کی نوبت آئی تو مسلم بن عوسجہ نے تقریر کی جو اُن کے حالات میں پیش ہو چکی ہے۔

اس کے بعد سعید بن عبد اللہ حنفی کھڑے ہوئے اور یہ جوش و ولولہ سے بھرے ہوئے الفاظ کہے:۔

واللہ لا نخلیک حتی یعلم اللہ	خدا کی قسم ہم آپ کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑینگے جب تک کہ
انا قد حفظنا غیبۃ رسول اللہ	خدا کے سامنے سبکدوش نہ ہوں اُس ذمہ داری کر
فیک واللہ لو علمت انی اقتل	جو رسول اللہ کے بعد ہم پر آپ کے متعلق عائد ہوتی ہے
ثم احیا ثم احرق حیا	بخدا اگر میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ ہوں پھر جیتے جی
ثم اذر یفعل ذلک	جلا دیا جاؤں پھر میری خاک ہوا میں منتشر کی جائے
بی سبعین مرۃ ما فارقتک	اور یہی میرے ساتھ ستر مرتبہ سلوک ہو تب بھی میں
حتی القی حمامی دونک	آپ سے جدا نہ ہونگا یہانتک کہ آخری موت مجھے آپ کے قدموں
فکیف لا افعل ذلک وانما ھی	پر آئے پھر ایسا میں کیونکر نہ کرونگا جبکہ یہ صرف ایک دفعہ
ھی قتلۃ واحدۃ ثم ھی الکرامۃ التی	کا قتل ہونا ہے اور پھر وہ عزت ہے جو کبھی ختم
لا انقضاء لہا۔	ہونے والی نہیں۔

نمازِ ظہر نماز کا وقت آچکا تھا، اسی کی مہلت مانگنے کے سلسلہ میں حبیب بن مظاہر درجہ شہادت پر فائز ہوے اور اسکے بعد بھی جنگ ملتوی نہیں ہوئی اور مہلت نہیں دی گئی۔ ایسے موقع کے لئے شرع نے نمازِ خوف کا حکم دیا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ فوج کے دو حصے ہو جائیں ایک دشمن کے ساتھ مقابلہ کرے اور دوسرا نماز میں شرکت کرے، امام نماز کو طول دے یہانتک کہ پہلا حصہ اپنی نماز کو تخفیف کے ساتھ تمام کر کے جائے اور دشمن کے سامنے کھڑا ہو تو پہلا حصہ فوج کا آکر نماز میں شریک ہو۔

امام نے اپنی اس مختصر فوج کی تقسیم اسی طرح کی۔ علامہ مجلسی نے

بحار میں لکھا ہے۔

قال الحسین لزهیر بن القین و سعید بن عبد الله تقدما امامی حتی اصلی الظهر فتقدما امامه فی نحو من نصف اصحابه حتی صلی بهم صلوة الظهر

امام نے زہیر بن قین اور سعید بن عبد اللہ حنفی سے فرمایا کہ تم دونوں آگے بڑھو یہاں تک کہ میں نماز ظہر پڑھوں۔ یہ دونوں اصحاب کی تقریباً نصف جماعت کے ساتھ آگے بڑھے اور حضرت نے نماز خوف ادا کی

بے مثال جانبازی اور شہادت

ظہر کی نماز کے بعد جنگ شدت کے ساتھ ہونے لگی۔ دشمن کی فوج آگے بڑھتی ہوئی امام سے بہت نزدیک آگئی اس موقع پر سعید بن عبد اللہ نے عجب طرح جاں نثاری کے فرض کو انجام دیا۔ وہ امام کے سامنے سپر بنکر کھڑے ہو گئے اور جو تیر داہنے یا بائیں طرف سے آتا تھا اُسے وہ اپنے جسم پر لینے لگے یہاں تک کہ زخموں کی کثرت سے زمین پر گرے اور جان بحق تسلیم ہوئے [1]

اسی بے مثال وفاداری اور جان بازی کا نتیجہ ہے کہ زیارت شہداء میں اُن پر ممتاز الفاظ میں سلام کیا گیا۔

السلام علی سعید بن عبد الله الحنفی القائل للحسین وقد اذن له فی الانصراف لا والله لا نخلیک حتی یعلم الله انا قد حفظنا غیبة رسول الله فیک والله لو اعلم انی اقتل ثم احیی ثم احرق ثم ابعث حیا ثم اقتل ثم احرق

سلام سعید بن عبد اللہ حنفی پر جنھوں نے حسین سے کہا اُس وقت جب آپ نے انھیں واپس جانے کی اجازت دی کہ خدا کی قسم ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑینگے جب تک خدا جان لے کہ ہم نے رسول اللہ کے بعد آپ کے متعلق اپنی ذمہ داری کو پورا کر دیا۔ بخدا اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہونگا پھر زندہ کیا جاؤنگا پھر جلایا جاؤنگا پھر زندہ ہونگا پھر قتل ہونگا پھر جلایا

ثم اذری و یفعل ذلک
بی سبعین مرۃ ما فارقتک
حتی القی حمامی دونک
وکیف افعل ذلک
وانما ھی موتۃ او قتلۃ
واحدۃ ثم ھی الکرامۃ التی لا
انقضاء لھا ابدا فقد لقیت حمامک
وواسیت امامک ولقیت من الکرامۃ
فی دار المقامۃ حشرنا اللہ معکم فی
المستشھدین ورزقنا مرافقتکم فی اعلی علیین

جاؤں گا پھر میری خاک ہوا میں منتشر کر دی جائیگی یہی
میرے ساتھ ستر مرتبہ ہو گا تب بھی میں آپ سے جدا نہ
ہونگا جب تک کہ آخر میں آپ ہی کے قدموں پر موت
آئے پھر میں اس وقت کیونکر آپ کا ساتھ چھوڑوں
جبکہ یہ ایک دفعہ کا مرنا یا قتل ہونا ہے پھر وہ عزت
ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں"۔ بیشک تم نے جان
دی اور امام کے ساتھ جاں بازی کا فرض انجام دیا۔
اور بہشت کی عزت کو حاصل کیا۔ خدا ہم کو تمہارے
ساتھ شہداء کے زمرہ میں محسوب کرے اور بلند ترین درجات
آخرت میں تمہاری رفاقت نصیب کرے۔

ابن شہر آشوب نے سعید بن عبد اللہ کی شہادت کو عام طور پر مبارز طلبی کے عنوان سے لکھا ہے، وہ کہتے ہیں حجاج بن مسروق کے بعد سعید بن عبد اللہ حنفی میدان جنگ میں آئے اور رجز پڑھی جنگ کی اور شہید ہوئے۔

(۶۶) زہیر بن القین بن قیس البجلی

ابتدائی حالات

اشراف عرب میں سے کوفہ کے باشندہ۔ بہادر تھے اور جنگ لڑائیوں میں شریک ہو چکے تھے۔ جنگ جمل اور صفین کی لڑائی کے بعد سے مسلمانوں میں "عثمانی" اور "علوی" کے نام کی تفریق پیدا ہو گئی تھی۔ جو لوگ امیر معاویہ کے طرفدار تھے اُن کو "عثمانی" کہا جاتا تھا۔ اور جو جناب امیر کی طرف تھے وہ "علوی" کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ زہیر عام طور پر "عثمانی"

حج سے واپسی زہیر نے ۶۰ھ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ حج کیا۔ واپسی میں امام حسینؑ کا ساتھ ہو گیا۔ زہیر اگرچہ امامؑ کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھتے تھے لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کی خاندانی شخصیت و عظمت سے مرعوب ضرور ہیں یعنی انھیں اس کا خیال تھا کہ اگر حسین بن علیؑ مجھ سے کوئی خواہش کرینگے تو مجھ سے رد کرنا اُس کا ممکن نہ ہو گا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ وہ امام حسینؑ کے قافلہ سے دور دور رہتے تھے۔ امام حسینؑ اگر منزل سے آگے بڑھ گئے تو زہیر نے منزل پر قیام کر لیا۔ اور اگر امامؑ کسی منزل میں ٹھہر گئے تو زہیر نے اپنے قافلہ کو آگے بڑھا دیا۔ یہ صرف اسی لئے تھا کہ امام سے ملاقات نہ ہونے پائے۔

امام سے ملاقات اتفاق سے ایک منزل پر ایسا ہوا کہ زہیر کو بھی اسی جگہ قیام کرنا پڑا جہاں امام فروکش تھے۔ امامؑ کے خیمے ایک طرف برپا تھے زہیر کے خیام دوسری جانب برپا ہو گئے۔ ان لوگوں نے خورد و نوش کا تہیہ کیا اور دسترخوان بچھا۔ ابھی کھانے میں مصروف ہی تھے کہ امام حسینؑ کا قاصد آگیا اور سلام کیا اُس نے زہیر بن قین سے کہا کہ مجھے آپکے پاس ابو عبداللہ الحسین بن علی نے بھیجا ہے اور آپ کو بلایا ہے۔

جو اندیشہ دل میں تھا وہ سامنے آگیا۔ ہاتھوں سے نوالے چھوٹ گئے اور سناٹا چھا گیا۔

زہیر کی زوجہ ایک شریف خاندان کی عورت دلہم بنت عمرو تھی اُسکا بیان ہے کہ میں نے جو زہیر کو متردد دیکھا تو میں نے کہا سبحان اللہ فرزند رسول

تم کو بلوائیں اور تم جانے میں تامل کرو۔ ارے جاکر سنو تو کہ وہ کیا کہتے ہیں پھر واپس چلے آنا۔

زہیر گئے اور تھوڑی دیر میں خوش خوش واپس آئے چہرہ اُنکا دمک رہا تھا۔ انھوں نے کہا "ہمارا خیمہ، اسباب اور سامان سب امام حسینؑ کے قافلہ کی طرف پہونچا دیا جائے" خیمہ اکھاڑا گیا اور پہونچایا گیا۔

اپنی زوجہ سے کہا کہ میں تم کو طلاق دیتا ہوں، تم اپنے قبیلہ میں چلی جاؤ کیونکہ میں نہیں چاہتا میرے سبب سے تمھیں کوئی ناگوار امر درپیش ہو۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جو شخص تم میں سے میرے ساتھ آنا چاہے وہ میرے ساتھ آئے، ورنہ یہ آخری ملاقات ہے۔

میں تم سے واقعہ بیان کروں۔ بلنجر کی لڑائی میں جب ہم لوگوں کو فتح ہوئی اور اموال غنیمت حاصل ہوئے تو سلمان باہلی نے کہا کہ تم لوگ خوش ہو رہے ہو اس فتح اور غنیمت کے مال سے، جب جوانان آل محمدؐ کی نصرت میں جہاد کرنا تو اس سے زیادہ خوش ہونا اُن فوائد کے لحاظ سے جو حاصل ہونگے۔ اچھا میں اب تم سب سے رخصت ہوتا ہوں۔

خوش نہادی اور ضمیر کی صفائی داعی حق کی پر خلوص آواز میں بجلی کی طاقت پیدا کر دیتی ہے۔ بیشک یہ زہیر کے نفس کی پاکیزگی تھی کہ وہ اگرچہ ماحول اور دوسرے خارجی اسباب کی بنا پر ایک دوسری جماعت سے متعلق تھے لیکن سچی ہدایت کے مختصر جملوں ہی نے اُن کو ولولہ اور جوش ایمانی سے بھر دیا۔ اُن کو وہ پیشین گوئی بھی یاد آگئی جو رسولؐ کی زبانی سن کر بہت سے صحابہ

وتابعین کی زبانوں پر آیا کرتی تھی۔

بلنجر کی لڑائی جس کا حوالہ دیا گیا ہے حضرت عثمان کے عہد حکومت میں ہوئی ہے، اس موقع پر فوج کے سردار سلمان بن ربیعہ باہلی تھے اور وہ اس مہم کے سر ہونے کے بعد وہیں قتل ہوئے۔ اسی کے متعلق عبدالرحمن باہلی شاعر نے کہا ہے:۔

وان لنا قبرین قبر بلنجر — وقبرا بارض الصین یا لک من قبر

"ہمارے خاندان کی دو خاص قبریں ہیں ایک وہ جو بلنجر میں ہے اور دوسری چین کے قبرستان میں۔ کیا کہنا اس قبر کا"

یہاں پہلی قبر سے مراد سلمان باہلی کی قبر اور دوسری سے قتیبہؒ بن مسلم باہلی کی قبر مراد ہے۔

ابن اثیر کے بیان کے مطابق اس لڑائی میں سلمان فارسی بھی موجود تھے۔ بہت ممکن ہے کہ مذکورہ پیشین گوئی حضرت سلمان کی زبان سے نکلی ہو اور وہ سلمان باہلی کی جانب منسوب ہو گئی۔

امام کا خطبہ اور زہیر کا پرخلوص جواب

"ذو حسم" کے مقام پر جب حر کا لشکر امام کی مزاحمت کے لئے آچکا ہے تو حضرت نے اپنے اصحاب کے سامنے خطبہ ارشاد کیا جس میں حمد و ثنائے باری کے بعد فرمایا:۔

انہ قد نزل من الامر ما قد ترون — صورت حال جو پیش آئی ہے وہ تم دیکھ رہے ہو اور یقیناً دنیا کا رنگ بدل گیا ہے اور اسکی

وان الدنیا قد تغیرت وتنکرت

وادبر معروفها واستمرت جدًا
فلم یبق منها الا صبابۃ کصبابۃ
الاناء وخسیس عیش کالمرعی
الوبیل الا ترون ان
الحق لا یعمل بہ وان
الباطل لا یتناھی عنہ یرغب
المؤمن فی لقاء اللہ محقا فانی
لا اری الموت الا شہادۃ ولا
الحیوۃ مع الظالمین الا برما۔

نیکی رخصت ہو چکی ہے اور اس میں کچھ رہ نہیں
گیا ہے سوائے تھوڑے حصہ کے جو پانی کے بہنے
کے بعد برتن میں بچ رہتا ہے اور ایک پست زندگی
مثل زہریلی گھانس کے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ
حق پر عمل نہیں ہوتا اور باطل سے علٰحدگی نہیں
اختیار کی جاتی۔ اس صورت میں مومن یقیناً خدا
کی ملاقات کا آرزومند ہوتا ہے میرے نزدیک تو
موت کی صورت میں شہادت کی سی نعمت ہے اور
زندہ رہنا ان ظالموں کے ساتھ وبال جان ہے۔

اس خطبہ کا مقصد صرف اصحاب کو انجام سے مطلع کرنا اور اُنکے عزائم میں پختگی پیدا کرنا ہی ہو سکتا ہے۔

ضرورت تھی کہ اس تقریر کو سُن کر اصحاب کی جانب سے بھی اپنے اخلاص نیت اور پختگی عزائم کا کوئی اظہار ہو۔

زہیر کو اس کا احساس تھا کہ میں اس جماعت میں تازہ شریک ہوا ہوں اس لئے مجھے ایسے مواقع پر سبقت کرنے کا پورا حق حاصل نہیں ہے۔ لیکن اُنکا قلبی جوش و ولولہ اُن کو سکوت کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ امام کی تقریر ختم ہوتے ہی وہ کھڑے ہو گئے اور اصحاب امام سے ان الفاظ میں تقریر کی اجازت مانگی کہ۔

تکلمون ام اتکلم "آپ لوگ کچھ کہنا چاہتے ہیں یا میں کہوں"

یہ اخلاق و مروت سے بالکل بعید تھا کہ اُنھیں روکا جاتا۔ سب نے کہا کہ نہیں

تم تقریر کرو۔

زہیر نے حمد وثنائے الٰہی کے بعد کہا۔

قد سمعنا هداك الله یا ابن رسول الله مقالتك والله لو کانت الدنیا لنا باقیة وکنا فیها مخلدین الا ان فراقها فی نصرتك ومواساتك لآثرنا الخروج معك علی الاقامة فیها۔

خدا آپ کی رہنمائی کرے فرزند رسول! ہم نے آپ کے ارشاد کو سنا۔ بخدا اگر دنیا ہمارے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی ہوتی مگر جدا ہونا اُس سے آپ کی نصرت اور ہمدردی میں ہوتا تو ہم آپ کے ساتھ چلنے کو دنیا کے ہمیشہ قیام پر ترجیح دیتے۔

امام نے دعائے خیر دی اور اُن کے خلوص کی تعریف کی۔

حُر کی مزاحمت پر زہیر کا غصہ

اُس وقت جب امام جا رہے تھے اور حُر ساتھ ساتھ تھا، اور ابن زیاد کا خط حُر کے پاس آیا کہ حسینؑ پر سختی کرو اور انھیں ایسے مقام پر ٹھہرنے پر مجبور کرو جہاں آب وگیاہ نہ ہو جس کا تذکرہ حُر کے حالات میں آچکا۔

حُر نے امام کو خط کے مضمون سے مطلع کیا۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ ہم کو اس قریہ میں جو یہاں سے نزدیک ہی قیام کرنے دو۔ یعنی نینوا یا اس میں یعنی غاضریہ یا اُس تیسرے میں یعنی شفیہ۔ لیکن حُر نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ مجھے حکم ہے کہ ایسی جگہ قیام کراؤں جہاں آب وگیاہ نہ ہو۔

اُس وقت زہیر نے کہا "فرزند رسول! ان لوگوں سے جنگ کر لینا آسان ہے بہ نسبت اُس فوج سے جنگ کے جو ان کے بعد آنے والی ہے۔ یقین جانئے اس کے بعد اتنا لشکر آئیگا جس سے مقاومت کی طاقت ہم میں نہ ہوگی۔"

حضرتؑ نے فرمایا "میں جنگ میں ابتدا نہیں کرنا چاہتا"۔ زہیر قین نے کہا "اچھا بالکل قریب اس قریہ کی طرف چلئے جو محفوظ بھی ہے اور فرات کے کنارہ ہے۔ اگر انھوں نے ہمکو روکا تو ہم جنگ کریں"۔ انھوں نے اس قریہ کا نام بتایا "عقر" حضرتؑ نے اسے بھی مناسب نہ سمجھا اور وہیں اتر پڑے جہاں حر کا اصرار تھا۔

فوج مخالف سے گفتگو

نویں تاریخ کی شام کو جب اہل کوفہ نے دفعۃً امام کی طرف کا رخ کیا اور حملہ کر دیا اور امام نے جناب عباسؑ کو اُن کے پاس مکالمہ کے لئے بھیجا۔ جناب عباسؑ بیس سواروں کے ساتھ جن میں زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر بھی تھے اُن کے سامنے گئے اور دریافت کیا کہ تمھارا کیا مطلب ہے۔ جواب ملا کہ ابن زیاد کا حکم آگیا ہے کہ یا تم سے بیعت لی جائے اور یا جنگ کی جائے جناب عباسؑ یہ کہکر کہ میں امام سے جاکر دریافت کروں تو آکر جواب دوں امام کی خدمت میں واپس گئے۔ دوسرے اصحاب سب وہیں کھڑے رہے حبیب نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ زہیر بن قین سے کہا کہ ان لوگوں سے کچھ گفتگو کرو اور کہو تو میں بات چیت کروں۔ زہیر نے کہا کہ تحریک اسکی آپ نے کی ہے تو آپ ہی گفتگو بھی کیجئے۔

حبیب نے تقریر شروع کی جو اُن کے حالات میں درج ہو چکی ہے۔ انھوں نے تقریر کے آخر میں کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں کو قتل کرتے ہو جو عبادت گذار ہیں اور پچھلے پہر سے اُٹھ کر خدا کا ذکر کرتے ہیں"۔

اس موقع پر عزرہ بن قیس نے فوج دشمن میں سے یہ فقرہ کہا کہ "حبیب!

اپنی تعریف ہر موقع پر کرتے ہو کہ میں بڑا عبادت گذار ہوں"

زہیر کو اس بے موقع گستاخی پر غصہ آگیا کہنے لگے :-

پھر اس میں شک کیا! بیشک حبیب کے نفس کو خدا ہی نے قابل تعریف بنایا ہے اور اس کی رہنمائی کی ہے ۔ اے عزرہ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں اور خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم اس جماعت کے ساتھ شریک ہو جو گمراہی کی حمایت کر رہی ہے اور پاک نفوس کو قتل کر رہی ہے۔

زہیر کی آواز تعجب کے ساتھ سنی گئی۔ عزرہ نے انھیں پہچان کر کہا :-

" زہیر تم تو اس گھرانے کے شیعہ نہیں تھے ۔ تم تو عثمانی گروہ میں سے تھے!

زہیر نے کہا " اب اس وقت میرے یہاں کھڑے ہونے سے تو تم سمجھو کہ میں شیعہ ہوں، خدا کی قسم میں نے نہ حسین کو کبھی خط لکھا تھا نہ کوئی قاصد بھیجا تھا اور نہ نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن راستہ میں اتفاق سے میرا اور انکا ساتھ ہو گیا۔ جب میں نے انھیں دیکھا تو رسول اللہ یاد آگئے اور ان کی قرابت کا ان سے خیال آیا اور مجھے معلوم ہوا کہ وہ دشمنوں کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ بس میں نے طے کر لیا کہ مجھے ان کی مدد کرنا چاہئیے اور یہیں ان کی جماعت میں داخل ہو جاؤں اور اپنی جان ان پر فدا کر دوں خدا اور رسول کے اس حق کو ادا کرنے کے لئے جسے تم لوگوں نے ضائع و برباد کر رکھا ہے۔

شب عاشور امام کے خطبہ کا جواب

دسویں شب جب امام حسین نے اصحاب کو جمع کیا اور انھیں اپنی بیعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا ہے، اس کے جواب میں بنی ہاشم کے بعد پہلے

مسلم بن عوسجہ اور سعید بن عبداللہ حنفی نے تقریریں جن جو ان کے حالات میں درج ہو چکی ہیں۔ پھر زہیر بن القین نے تقریر کی اور کہا۔

واللہ لوددت انی قتلت ثم نشرت ثم قتلت حتی اقتل کذا الف قتلۃ و ان اللہ یدفع بذلک القتل عن نفسک وعن نفس ہولاء الفتیۃ من اہل بیتک

بخدا میں پسند کرتا ہوں کہ ایک دفعہ قتل ہوں پھر زندہ ہوں پھر قتل ہوں یوں ہی ہزار دفعہ ہو بشرطیکہ آپ اور نیز آپ کے خاندان کے یہ جوان قتل ہونے سے محفوظ رہ جائیں۔

سرداری کا منصب

صبح عاشور جب امام نے اپنی مختصر فوج کو ترتیب دیا تو زہیر بن قین کو میمنہ کا افسر اور حبیب بن مظاہر کو میسرہ کا سردار مقرر کیا تھا۔

اس سے اگر حبیب کے مقابلہ میں اُنکی ترجیح نہ بھی ثابت ہو تب بھی ایک نمایاں درجہ اُن کے لئے ضرور ثابت ہوتا ہے۔

جنگ کے میدان میں موعظہ

ترتیب لشکر اور صف بندی کے بعد جب امام اپنا وہ تاریخی خطبہ فرما چکے جس میں آپ نے اپنے خاندانی خصوصیات اور بیگناہی اور اس کے ساتھ فوج دشمن کے ظالمانہ رویہ پر دلائل قائم کئے تھے تو زہیر بن قین میدان میں نکلے گھوڑے پر سوار سر سے پاؤں تک اسلحہ جنگ سے آراستہ، انھوں نے کہا۔

یا اہل الکوفۃ نذار لکم من عذاب اللہ نذار ان حقا علی المسلم نصیحۃ اخیہ المسلم ونحن حتی الآن اخوۃ و علی دین واحد وملۃ واحدۃ مالم یقع

کوفہ والو، ڈرو خدا کے عذاب سے ڈرو۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو نصیحت کرے اور ہم ابھی تک بھائی بھائی ہیں اور ایک دین کے پیرو ہیں اور ایک ملت پر ہیں جب تک کہ ہمارے

maablib.org

بيننا وبينكم السيف وانتم للنصيحة
منا اهل فاذا وقع السيف
انقطعت العصمة وكنا
امة وانتم امة
ان الله قد ابتلانا و
اياكم بذرية نبيه محمدؐ
لينظر ما نحن وانتم عاملون
انا ندعوكم الى نصرهم وخذلان
الطاغية عبيد الله بن زياد
فانكم لا تدركون منهما
الا بسوء عمر سلطانهما
كله ليسملان اعينكم و
يقطعان ايديكم وارجلكم
ويمثلان بكم ويرفعانكم
على جذوع النخل ويقتلان
اماثلكم وقراءكم امثال حجر بن
عدي واصحابه وهانی بن عروة
واشباهه

تمہارے درمیان تلوار سے مقابلہ ہو نہ جائے اور
اُس وقت تک ہماری جانب سے نصیحت اور فہمائش
کے مستحق ہو۔ ہاں جب تلوار کی نوبت آجائے تو پھر
ذمہ داری ختم۔ پھر ہم ایک امت اور تم دوسری امت۔
یقیناً خدا نے ہمارا اور تمہارا امتحان لیا ہے اپنے
نبی محمد مصطفیٰؐ کی اولاد کے بارہ میں تاکہ وہ دیکھے
کہ ہم اور تم کیا کرتے ہیں۔ ہم تم کو دعوت دیتے ہیں کہ
اُن کی مدد کرو اور سرکش عبید اللہ بن زیاد کا ساتھ
چھوڑ دو کیونکہ تم ابن زیاد اور اُس کے پہلے اُس کے
باپ سے اُن کی تمام مدت سلطنت میں نہیں پاؤگے
سوائے برائی کے، وہ تمہاری آنکھوں میں سلائیاں
پھرواتے رہے ہیں تمہارے ہاتھوں پیروں کو
قطع کراتے اور تمہارے اعضائے جسم کو جدا کراتے
اور تم کو سولیوں پر چڑھاتے رہے ہیں اور تمہارے
منتخب لوگوں کو اور حفاظ قرآن جیسے حجر بن عدی
اور اُن کے ساتھی اور ہانی بن عروہ اور
ان کے ایسے لوگوں کو قتل کراتے
رہے ہیں

کوفہ والے حقیقت کے طالب ہوتے تو اس نصیحت سے اثر بھی لیتے

وہ سب سمجھتے تھے مگر وقتی طمع اور دنیا کی ہوس اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈالے ہوئے تھی۔ اُنھوں نے زہیر کو گالیاں دینا شروع کر دیں اور ابن زیاد کی تعریف کرنے لگے اور کہا ہم اُس وقت تک دم نہ لیں گے جب تک تمھارے سردار (حسین) اور اُن کے تمام ساتھیوں کو قتل نہ کر دیں یا گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے جائیں"۔

زہیر اب بھی خاموش نہ ہوئے۔ اور ہدایت کرتے رہے سرداران فوج کو ہر اس طرح کی تقریر سے یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ کہیں کسی کے دل پر اثر نہ ہو جائے۔ شمر نے جب دیکھا کہ زہیر کسی طرح خاموش نہیں ہوتے تو زہیر کو تیر مارا اور کہا "بس خاموش۔ خدا تیری زبان کو خاموش کرے"۔ زہیر کو شمر کی اس بیجا مداخلت سے غصہ آگیا۔

اُنھوں نے سخت لہجہ میں شمر کو مخاطب کیا اور کہا کہ "میں تجھ سے کچھ نہیں کہہ رہا ہوں، تو تو جاہل ہے۔ تیرے لئے عذاب جہنم کی خوشخبری ہی کافی ہے"۔

شمر نے کہا، "دیکھو! تھوڑی دیر میں تم اور تمھارے سردار سب قتل ہوا چاہتے ہیں"۔

زہیر نے کہا:-

افبالموت تخوفنی فواللہ الموت معہ احب الی من الخلد معکم — تو مجھے موت سے ڈراتا ہے، خدا کی قسم حسین کے ساتھ مرنا مجھے تمھارے ساتھ دائمی زندگی حاصل کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

اس کے بعد پھر وہ لشکر کی طرف مخاطب ہو گئے اور بلند آواز سے کہنے لگے۔

عباداللہ لا یغرنکم من دینکم ھذا — اے اللہ کے بندو اس بدمعاش ظالم اور اس کے

الجلف الجافی واشباعہ فو اللہ	ایسے لوگوں کے قریب ہیں آؤ۔ خدا کی قسم پیغمبر خدا کی
لا تنال شفاعۃ محمد صلی اللہ علیہ	شفاعت ان لوگوں کو نصیب نہیں ہو سکتی جو انکی
والہ وسلم قوما ہراقوا دماء ذریتہ	اولاد اور اہلبیت کا خون بہائیں اور ان کے اعوان و
واھل بیتہ وقتلوا من نصرھم وذب	انصار کو قتل کریں۔

عن حریمھم

امام زہیر کے مقابلہ میں فوج دشمن کا رویہ دیکھ چکے تھے۔ انھوں نے شمر کا تیر لگانا اور سخت کلامی کرنا بھی دیکھا۔ اس کے بعد انھیں زہیر کا میدان میں رہنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔ آپ نے کسی سے پکار کر کہلوایا۔

اقبل فلعمری لئن کان مؤمن	اگر مومن آل فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی
ال فرعون نصح لقومہ وابلغ	اور دعوت حق کے فرض کو انجام دیا تھا تو بخدا تم نے
فی الدعاء لقد نصحت لھؤلاء	اس جماعت کی نصیحت کردی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا
وابلغت لو نفع النصح والابلاغ	مگر نصیحت و تبلیغ کا کوئی اثر بھی تو ہو۔

اس آواز کو سنکر زہیر واپس چلے آئے۔

نمود اری اور شہرت | زہیر بن قین حسینی فوج کے ان نمود ار اشخاص میں سے تھے جن کا نام فوج دشمن کے لوگوں میں بھی پوری طرح مشہور تھا اور اُسے امتیاز حاصل تھا چنانچہ لڑائی شروع ہو گئی اور فوج مخالف سے یسار اور سالم میدان جنگ میں آئے اور مبارز طلب کیا انصار امام میں سے عبداللہ بن عمیر کلبی مقابلہ کے لئے باہر نکلے۔ ان دونوں نے نام ونسب پوچھا معلوم ہوا۔ کہا ہم تم کو نہیں پہچانتے۔ ہمارے مقابلہ کے لئے زہیر بن القین یا حبیب بن مظاہر یا بریر بن حضیر کو آنا چاہئے۔

کارنامۂ شجاعت

حملۂ اولیٰ کے بعد جب بچاس آدمی فوج حسینی میں سے ایک ہی مرتبہ شہید ہو گئے تھے۔ لشکر مخالف کی ہمتیں بہت بڑھ گئی تھیں اور کوشش تھی کہ اب دم کے دم میں اس مہم کو سر کر دیا جائے۔ اس لئے مختلف صورتوں سے حملے کئے جا رہے تھے مگر امام حسینؑ کی بے نظیر سیاست حرب اور انکے اصحاب کی بے مثال شجاعت ہر حملہ کو ناکامیاب بنا دیتی تھی۔

آخر میں شمر نے مخصوص امام حسینؑ کے خیمہ پر حملہ کیا اور اپنا نیزہ خیمہ پر مار کر کہا کہ لاؤ آگ لاؤ۔ میں اس خیمہ کو اس کے رہنے والوں سمیت جلا دوں۔ خیمہ میں ایک شور گریہ و فریاد کا بلند ہو گیا۔

اس وقت زہیر بن قین ہی تھے جنھوں نے اپنے دس بہادر ساتھیوں کے ساتھ حملہ کیا اور شمر اور اُس کے ساتھ کی فوج کو خیموں کے پاس سے دور ہٹا دیا اور ابو عزہ ضبابی کو جو شمر کا خاص آدمی اور اس کے قبیلہ سے تھا قتل کر دیا۔

دشمن کی فوج نے جو اپنے ایک ممتاز سپاہی کو قتل ہوتے دیکھا پوری جوش و خروش سے ان دس آدمیوں پر ٹوٹ پڑے اور سخت خونریز لڑائی ہوئی مگر ان بہادروں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا جس کے نتیجہ میں دشمن کو شکست ہوئی اور زہیر واپس ہو رہے۔[۱]

حُر کی امداد

جب حبیب بن مظاہر شہید ہو گئے تو حر میدان جنگ میں آئے اور رجز پڑھی۔ زہیر بن قین حر کے پاس میدان جنگ میں آ گئے اور حُر کے ساتھ مل کر جنگ کرنا شروع کی اور سخت جنگ کی۔

حالت یہ تھی کہ جب ایک نے حملہ کیا اور وہ دشمنوں میں گھر گیا تو دوسرا حملہ کرکے اُسے فوج کے حلقہ سے نجات دیتا تھا۔ یہی صورت کچھ دیر تک قائم رہی۔ آخر میں پیادوں کی فوج نے حر کو گھیر کر قتل کر دیا۔

ظہر کی نماز ابھی سعید بن عبداللہ حنفی کے حال میں اس نماز کی کیفیت درج کر چکا ہوں۔

بحار میں ہے کہ امام نے زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ حنفی سے فرمایا تم دونوں آگے بڑھو یہاں تک کہ میں نماز ظہر پڑھ لوں۔ یہ دونوں آدمی اصحاب کی تقریباً نصف جماعت کے ساتھ آگے بڑھے اور حضرت نے نماز خوف ادا کی۔

آخری جنگ اور شہادت ایک انسان کی قوت وطاقت کہاں تک وفا کر سکتی ہے ملاحظہ تو کیجئے۔ زہیر نے ایک دفعہ ظہر کے پہلے امام کی مدافعت کے سلسلہ میں شمر کی فوج سے جنگ کی اور وہ سخت جنگ جس میں اُن کا زندہ بچنا اُنکی شجاعت کا ایک کارنامہ ہی تھا پھر حر کے ساتھ شریک ہو کر جنگ کی۔

پھر اب امام کی نماز کے موقع پر تھوڑی تعداد کے ساتھ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کیا۔

یقیناً ان لڑائیوں میں اُن کے دست و بازو جواب دے چکے ہونگے اور ممکن ہے اُن کے کچھ زخم بھی آئے ہوں۔ نماز ظہر کے بعد دشمن بہت قریب آ گئے تھے۔ سعید بن عبداللہ حنفی شہید ہو چکے اُس طرح جس کا حال آپ سُن چکے ہیں۔ اب زہیر بن قین نے آخری جنگ کی اور بڑے جوش وخروش کے ساتھ وہ کہہ رہے تھے۔

انا زهیر و انا ابن القین اذودهم بالسیف عن حسین

"میں زہیر ہوں اور قین کا فرزند ہوں۔ میں اپنی تلوار سے اُن کو حسین کے پاس سے دور کردوں گا۔"

یوں ہی تھوڑی دیر تک وہ شمشیر زنی کرتے رہے۔ آخر کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس دو شخصوں نے حملہ کیا جن کے ہاتھ سے وہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

زیارت شہدا میں اُن پر مخصوص الفاظ میں سلام کیا گیا ہے

(۴)

(۶۷) سلمان بن مضارب بن قیس البجلی

زہیر بن قین کے چچازاد بھائی تھے۔ زہیر ہی کے ساتھ سنہ ۶۰ھ میں حج کو گئے تھے۔ واپسی میں جب زہیر امام کی نصرت کے لئے حضرت کے ساتھ ہوئے تو سلمان نے بھی اُن کا ساتھ دیا۔ اور روز عاشور ظہر کے بعد شہید ہوئے۔

(۶۸) عمرو بن قرظہ بن کعب الانصاری

نام و نسب: عمرو بن قرظہ بن کعب بن عمرو بن عائذ بن زید مناۃ بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج الانصاری۔

ان کے والد قرظہ بن کعب اصحاب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں سے تھے۔ جنگ احد اور اس کے بعد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے

تھے۔ ۲۳ھ میں زمانۂ عمر بن الخطاب میں رے ان کے ہاتھوں پر فتح ہوا
امیر المومنین علی بن ابیطالب نے اپنی خلافت کے دور میں ان کو کوفہ
کا حاکم مقرر کیا۔ پھر جب آپ جنگ صفین کے لئے جانے لگے تو ان کو
اپنے ساتھ لے گئے اور کوفہ کی حکومت ابو مسعود بدری کے سپرد کی۔
قرظہ سب لڑائیوں میں حضرت علی کے ساتھ رہے اور آپ ہی کے زمانۂ
خلافت میں کوفہ میں انتقال کیا۔ امیر المومنین نے نماز جنازہ پڑھی۔
دوسرا قول یہ ہے کہ معاویہ کے ابتدائی زمانہ میں جب مغیرہ بن شعبہ
کوفہ کا حاکم تھا انتقال کیا۔

میں نے ان کے حالات تاریخ "وفیات الشیعہ" میں ۱۵۱ھ پر
درج کئے ہیں۔ ان کے دو فرزند تھے عمرو اور علی۔ کربلا میں عمرو امام حسین
کی طرف تھے۔ غالباً بڑے یہی تھے۔ اس لئے کہ ان کے والد قرظہ بن کعب
کی کنیت ان ہی کے نام پر ابو عمرو تھی۔ اور زیادہ تر عرب میں کنیت بڑے فرزند
کے لحاظ سے ہوا کرتی تھی۔ ان کا چھوٹا بھائی علی لشکر عمر سعد میں تھا۔

ابتدائی حالات

عمرو بن قرظہ کوفہ ہی میں قیام رکھتے تھے۔ وہ امام کی خدمت
میں کربلا میں پہنچے۔ ابتدائی تاریخوں میں محرم کی
جب ابھی جنگ قرار نہیں پائی تھی۔ ممکن ہے یہ صحیح ہو کہ وہ چھٹی تاریخ محرم کی تھی
امام نے ان کو عمر سعد کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم مجھ سے شب کے
وقت دونوں لشکروں کے درمیان میں ملاقات کرو۔

جاں نثاری

نماز ظہر کے وقت جب تمام اصحاب میں شہادت کا جذبہ تیز
ہو گیا تھا اور شمع امامت کے پروانے جانبازی میں ایک

دوسرے پر سبقت کر رہے تھے عمرو بن قرظہ نے جنگ کرنا شروع کی۔ اور وہ کہہ رہے تھے۔

قد علمت کتیبۃ الانصار — انی ساحمی حوزۃ الذمار

ضرب غلام غیر نکس شاری — دون حسین مھجتی و داری

(یعنی) تمام انصار کی جماعت جانتی ہے کہ میں ذمہ داری کے حدود کی حفاظت کرونگا۔ ایسے جوانمرد انسان کی طرح شمشیر زنی جو پیچھے ہٹنے والا نہ ہو۔ حسین پر میری جان اور میرا گھر بار سب فدا ہو۔

شیخ ابن نما نے لکھا ہے کہ انکا مقصود اس سے عمر سعد پر تعریض ہے اس لئے کہ جب امام نے اُسے اپنی جانب آنے کی دعوت دی ہے تو اُس نے کہا کہ مجھے اپنے گھر کے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ وہ کھود ڈالا جائیگا کچھ دیر تلوار چلانے کے بعد پھر عمرو امام کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ جو تیر آتا اُسے اپنے اوپر روکتے اور جو وار ہوتا خود سپر بن جاتے تھے۔ آخر زخموں سے چور ہوگئے۔ امام کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیوں فرزند رسول میں نے فرض کو ادا کیا؟ حضرت فرمایا "ہاں تم جنت میں میرے آگے جاؤ گے۔ رسول خدا کو میرا سلام پہونچا دینا اور کہنا کہ میں بھی عنقریب آتا ہوں"

بہادر جانباز زخموں کی کثرت سے زمین پر گرا اور جان بحق تسلیم ہوا۔

اُن کا بھائی علی بن قرظہ جو فوج عمر سعد میں تھا صف سے باہر نکلا اور اُس نے امام کو ناشائستہ الفاظ میں مخاطب کرتے ہوئے کہا

کہ تم نے میرے بھائی کو گمراہ کیا اور ورغلا کر قتل کرا دیا" امام نے فرمایا کہ خدا نے تیرے بھائی کو گمراہ نہیں کیا بلکہ اُس کی ہدایت کی اور گمراہی میں تو تجھے چھوڑ رکھا ہے۔ اُس نے کہا "خدا مجھے قتل کرے اگر میں تمہیں قتل نہ کروں یا خود ہلاک ہوں" یہ کہہ کر حملہ کیا۔ نافع بن ہلال مرادی نے آگے بڑھ کر اُسے نیزہ لگایا جس سے وہ گر گیا مگر پھر علاج کے بعد اُس کا زخم اچھا ہو گیا۔

عمرو بن قرظہ انصاری پر زیارت شہداء میں سلام موجود ہے۔
سپہر کاشانی نے اُن کا نام عمرو بن قرظہ لکھا ہے۔ جو غلط ہے۔

---

(۶)

(۶۹) نافع بن ہلال جملی

نام و نسب اور قبیلہ نافع بن ہلال بن نافع بن جمل بن سعد العشیرہ بن مذحج۔ عام طور سے لوگوں کی زبان پر اور نیز کتب مقاتل میں "ہلال بن نافع بجلی" کا ذکر کیا جاتا ہے مگر یہ درست نہیں ہے۔

"قبیلہ مراد" کی ایک شاخ "قبیلہ مذحج" ہے اُسی کا ایک شعبہ "جمل" ہے جس کی طرف نافع بن ہلال کی نسبت ہے۔ ہلال بن نافع ان کے باپ کا نام تھا جن کی موجودگی واقعہ کربلا میں ثابت نہیں ہے۔

ہلال کی مشہور روایت وہ شب عاشور کا واقعہ ہے جو "دمعہ ساکبہ" میں مذکور ہے۔ امام کا تاریکی شب میں خیمہ سے نکلنا اور میدان میں جانا اور ہلال کا ساتھ ساتھ چلنا اور امام کا ہلال کو اپنے اور نیز دوسرے شہداء کے محل قتل کو دکھلانا پھر واپس آکر جناب زینب کے خیمہ میں جانا اور ہلال کا در خیمہ پہ کھڑے رہنا اور مخدرہ علیا کا امام سے کہنا کہ آپ نے اپنے اصحاب کا امتحان بھی لے لیا ہے؟ اور ہلال کا اصحاب کو جا کر اس کی اطلاع دینا اور اُن سب کا در خیمہ پر آنا اور اطمینان دلانا۔ لیکن جب ہلال کا وجود ہی کربلا میں ثابت نہیں ہے تو اس روایت کی حقیقت معلوم۔

پھر ایک ہلال کی روایت وہ ہے جس میں حضرت سید الشہداء کی تشنگی اور ہلال کا عمر سعد کی اجازت سے پانی پلانے کے ارادہ سے جانا اور اس طرف امام کا شہید ہو جانا مذکور ہے۔ اُس سے صاف ظاہر ہے کہ ہلال عمر سعد کی فوج میں سے کوئی شخص ہے مگر اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔

زیارت شہداء میں جو تحفۃ الزائر میں مذکور ہے ہلال کا کوئی تذکرہ نہیں ہے لیکن نافع بن ہلال کا ذکر موجود ہے۔

السلام علی نافع بن ہلال البجلی المرادی

سپہر کاشانی نے جو اس زیارت کو نقل کیا ہے اُس میں ہے

السلام علی نافع بن ھلال بن نافع البجلی المرادی۔

علامہ ابن شہر آشوب نے بھی زہیر بن قین کی شہادت کے بعد نافع بن ہلال ہی کی جنگ کا تذکرہ کیا ہے۔

"بجلی" کی لفظ یقیناً کتابت کی غلطی ہے اس لئے کہ قبیلہ مراد کی شاخ "بجلیہ" نہیں ہے وہ "خثعم" کا شعبہ ہے جس سے زہیر بن قین تھے۔ اور مراد کا شعبہ "جمل" ہے جس سے نافع بن ہلال تھے۔

خصوصیات وہ اپنے قبیلہ کے بڑے سردار اور بہادر شخص تھے، حافظ قرآن بھی تھے اسی لئے تذکرۂ حفاظ شیعہ میں بھی اُن کے حالات درج کئے گئے ہیں۔

امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے تھے اور احادیث کے حامل تھے وہ حضرت کے ساتھ جمل، صفین اور نہروان کی لڑائیوں میں شریک بھی ہوئے تھے۔

ابتدائی واقعات نافع کوفہ سے امام کی روانگی عراق کی اطلاع پاکر روانہ ہوئے اور امام سے راستے میں جاکر ملحق ہوئے وہ اپنا ایک گھوڑا جس کا نام "کامل" تھا کوفہ میں چھوڑ گئے تھے اور ہدایت کر گئے تھے کہ وہ اس کے بعد اُن کے پاس پہونچا دیا جائے۔ چنانچہ عذیب الھجانات میں عمرو بن خالد صیداوی، مجمع بن عبداللہ عائذی جنادہ بن حارث سلمانی وغیرہ پانچ آدمیوں کا جو قافلہ امام کے پاس پہونچا ہے اُس کے متعلق تصریح ہے کہ:۔

يجنبون فرسا لنافع بن هلال يقال له الكامل

یہ لوگ اپنے ساتھ ایک کوتل گھوڑا نافع بن ہلال کا لئے ہوئے تھے جس کا نام تھا۔ کامل[ہے]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خود اس قافلہ کے ساتھ نہ تھے۔ وہ اسکے پہلے امام کے پاس آچکے تھے اُسوقت جب جناب مسلم کی خبر شہادت بھی نہ آئی تھی[ہے]۔

امام کے خطبہ کا جواب

جب امام علیہ السلام سے حر کے لشکر سے ملاقات ہوئی اور حضرت نے ذو حسم میں وہ خطبہ پڑھا جو زہیر کے حالات میں گذر چکا ہے اور زہیر قین اُس کے جواب میں تقریر کر چکے تو نافع کھڑے ہوئے اور کہا

يا ابن رسول الله انت تعلم ان	فرزند رسول آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے جد بزرگوار سے
جدك رسول الله لم يقدر ان	یہ ممکن نہیں ہوا کہ لوگوں کو اپنی محبت سے سیراب کر دیں
يشرب الناس محبته ولا ان يرجعوا	اور وہ آپ کی اُس طرح اطاعت کریں جس طرح
الى امره ما احب قد كان منهم	آپ چاہتے تھے اور آپ کے ساتھ والوں میں
منافقون يعدونه بالنصر و	بہت سے منافق تھے جو آپ سے نصرت کا وعدہ
يضمرون له الغدر يلقونه	کرتے تھے اور دماغ میں غداری کا خیال مضمر رکھتے
باحلى من العسل ويخلفونه	تھے۔ وہ باتیں ایسی کرتے تھے جو شہد سے زیادہ
بامر من الحنظل حتى	شیریں ہیں اور کردار میں مخالفت کرتے تھے ایسی
قبضه الله اليه وان اباك	جو انتہائی تلخ تھی۔ یہانتک کہ رسول اللہ کا انتقال
عليا قد كان في مثل	ہوا۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت علی کو بھی اسی
ذلك فقوم قد اجمعوا	صورت سے دوچار ہونا پڑا۔ کچھ لوگ آپکی نصرت پر

علی نصرة و قاتلوا معه
الناكثين والقاسطين و
المارقين وقوم خالفوه
حتی اتاه اجله ومضی الی
رحمة الله ورضوانه وانت اليوم
عندنا فی مثل تلك الحالة فمن
نكث عهده وخلع نيته فلن يضر الا
نفسه والله مغن عنه فسر بنا راشدا
معافی مشرقا ان شئت وان شئت
مغربا فوالله ما اشفقنا
من قدر الله ولا كرهنا لقاء
ربنا فانا علی نياتنا وبصائرنا نوالی
من والاك ونعادی من عاداك

متفق ہوئے اور آپ کے ساتھ رہ کر ناکثین و
قاسطین و مارقین (جمل صفین اور نہروان والوں)
سے جنگ کی اور کچھ لوگوں نے مخالفت کی یہاں تک
کہ ان کی وفات ہوئی اور آج ہمارے نزدیک
آپکو وہی صورت درپیش ہے لہذا جو شخص اپنے
عہد کو توڑیگا اور نیت کو خراب کریگا وہ خود اپنا
برا کریگا اور خدا آپ کو اس سے لاپرواہ کردیگا
اس لئے کہ بخدا ہم کو خدا کے مقرر فیصلہ سے کوئی اندیشہ
نہیں ہے اور نہ اپنے رب کی ملاقات (موت) سے
ہم کو کوئی کراہت ہے۔ ہم اپنی نیتوں اور اعتقادوں
پر قائم ہیں موالات رکھتے ہیں اس شخص سے جو
آپکے ساتھ موالات رکھے اور دشمن ہیں اسکے
جو آپسے دشمنی کرے۔

اس کے بعد بریر نے تقریر کی جو ان کے حالات میں آئیگی

علامہ ماماقانی نے لکھا ہے۔

خرج الی الحسین حین اتی فلقیه
فی الطريق بعد وصوله عذيب
الهجانات وهو الذی قام بعد
خطبة الحسين ع عند تضييق
الحر عليه ونطق بما هو منقول
فی كتب السير مما يرضی الله و

وہ امام حسین کے پاس پہونچنے کے لئے کوفہ سے
روانہ ہوئے یہانتک کہ آپکے پاس عذیب الہجانات
میں پہونچے اور یہی وہ ہیں جو امام حسین کے خطبہ
کے بعد جب حر نے امام سے مزاحمت کی ہی کھڑے
ہوئے تھے اور وہ تقریر کی تھی جو کتب سیر میں
مذکور ہے جس سے خدا اور رسول خوشنود ہیں

mablib.org

رسولہ و اظھر الثبات   ہو گئے اور حضرت کی نصرت پر ثبات و استقلال کا

علی نصرتہ   اظہار کیا۔

یہ اسی خطبہ کا حوالہ ہے جو اوپر درج کیا گیا ہے۔ لیکن یہ خطبہ "عذیب الہجانات" پہونچنے سے پہلے ہے۔ اس لئے یہ درست نہیں ہو سکتا کہ وہ امام کے پاس اس منزل میں پہونچے حقیقت وہی ہے کہ اس منزل میں انکا خالی گھوڑا آیا ہے اور وہ خود اس کے بہت پہلے آچکے تھے۔

نہر پر جنگ

جب عمر سعد کی جانب سے نہر پہ پہرے بٹھا دئے گئے اور امام اور اُن کے اصحاب پر پانی بند کر دیا گیا، اس طرف پیاس کا انتہائی غلبہ ہوا تو امام نے اپنے بھائی ابو الفضل العباس کو پانی لانے پر مامور کیا۔ یہ غالباً آٹھویں یا نویں شب کا ذکر ہے۔ جناب عباس تیس سوار اور بیس پیادوں کے ساتھ بیس مشکیزے پانی کے لئے لیکر آگے بڑھے اور نہر کے قریب پہونچے۔ نافع بن ہلال جملی نے علم اپنے ہاتھ میں لیا اور سب سے آگے ہو گئے۔ عمرو بن حجاج زبیدی نے جو نہر کا محافظ تھا ٹوکا اور کہا کون ہے جو نہر پہ جاتا ہے؟ نافع بن ہلال نے نام بتلایا عمرو بن حجاج قبیلہ "زبیدہ" سے تھا جو مذحج اور مراد کی ایک شاخ ہے اور "جمل" بھی مراد کی شاخ۔ اس لئے نافع نے اپنا نام بتایا اور قبیلہ کا پتہ دیا۔ اُس نے کہا آنے کا سبب؟ کہا اسی پانی کے پینے کو جس سے تم نے ہمیں روک رکھا ہے" عمرو نے کہا "پیو تم شوق سے تمھیں پینا گوارا ہو" نافع نے کہا "میں تو خود پیونگا نہیں درصورتیکہ حسینؑ اور اُن کے سب اصحاب پیاسے ہیں"۔ یہ سُن کر فوج آگے بڑھی اور کہا یہ تو ممکن ہی نہیں کہ

یہ لوگ سیراب ہوں ہم یہاں مقرر اسی لیے کئے گئے ہیں کہ ان کو پانی پینے سے مانع ہوں۔" نافع اُن لوگوں سے گفتگو کرنے آگے بڑھے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم جلدی مشکیں پانی سے بھرلو! پیادے تیزی سے بڑھے اور انھوں نے مشکیں پُر کرلیں۔ ادھر نگہبانوں کی فوج آگے بڑھی۔ جناب عباسؑ اور آپ کے ساتھ نافع بن ہلال نے ان لوگوں کا مقابلہ کیا اور انھیں پیچھے ہٹا دیا اتنی دیر میں وہ لوگ جو مشکیں لئے ہوئے تھے ساحل سے اوپر آگئے تھے جنگ آزما بہادروں نے اُن سے کہا کہ تم خیموں کی طرف چلو اور خود وہیں کھڑے رہے۔ پاسبانوں کی فوج نے پھر بڑھ کر حملہ کیا اور کچھ جنگ ہوئی۔ اس موقع پر نافع بن ہلال نے عمرو بن الحجاج کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو جو قبیلہ "صدا" سے تھا نیزہ لگایا۔ بظاہر وار اوچھا تھا اور کوئی اثر محسوس نہ ہوتا تھا۔ مگر اس کے بعد وہ زخم مہلک ثابت ہوا اور وہ شخص ہلاک ہوگیا۔ اصحابِ امام پانی لے کر واپس ہو گئے۔[1]

امام سے حملہ کی مدافعت عمرو بن قرظہ کے شہید ہونے کے بعد اُنکا بھائی علی بن قرظہ جو فوج عمر بن سعد تھا صف سے باہر نکلا اور امام کو ناشائستہ الفاظ میں مخاطب کر کے کہنے لگا کہ تم نے میرے بھائی کو گمراہ کیا اور فریب دے کر قتل کرا دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ خدا نے تیرے بھائی کو گمراہ نہیں کیا بلکہ اُن کی تو ہدایت کی۔ ہاں تجھے گمراہی میں چھوڑ رکھا ہے"۔ جاہل بدبخت شخص نے کہا "تو سہی جو میں تمھیں قتل کروں یا خود ہلاک ہو جاؤں"۔ یہ کہکر امام پر

حملہ کیا۔ یہ دیکھکر نافع بن ہلال سامنے آ گئے اور نیزہ مار کر اُسے گرا دیا۔ اُسکے ساتھی اُسے اُٹھا کر لیگئے اور پھر علاج کے بعد وہ اچھا ہو گیا۔

مقابلہ ظہر کے بعد نافع بن ہلال نے جنگ شروع کی۔ وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:۔

انا الجملی انا علیٰ دین علی۔

"میں قبیلہ جمل کا شخص ہوں۔ میں علی کے دین پر ہوں۔"

ایک شخص جس کا نام مزاحم بن حریث تھا۔ فوج مخالف سے باہر نکلا اُس نے کہا میں عثمان کے دین پر ہوں۔"

نافع نے کہا "تو شیطان کے دین پر ہے" پھر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا۔

تیر اندازی نافع تیر اندازی میں بڑے مشاق تھے۔ انھوں نے اپنے تیروں کے سوفار پر اپنا نام لکھ دیا تھا اور تیروں کو زہر میں بجھا لیا تھا۔ تیر لگانا شروع کئے اور بارہ آدمیوں کو لشکر مخالف سے قتل کیا اس کے علاوہ بہت سوں کو زخمی کیا۔

گرفتاری اور شہادت فوج دشمن نے اُن کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور مارنا شروع کیا یہانتک کہ دونوں بازو اُن کے شکستہ ہو گئے اور وہ گرفتار کر لئے گئے۔ شمر کچھ سپاہیوں کے ساتھ اُن کو پکڑ کر عمر سعد کے پاس لے گیا۔ اُس نے کہا۔

"نافع! یہ تم نے اپنے نفس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

نافع نے کہا۔

"میرے ضمیر سے تو خدا واقف ہے۔" اُن کی ڈاڑھی پر خون جاری

تھا۔ اس حالت میں وہ کہہ رہے تھے ــــــ "خدا کی قسم میں نے بارہ آدمی تم میں جان سے مارے ہیں۔ اور زخمیوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ مجھے مسرت ہے کہ میں نے اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اور اگر میرے بازو ٹوٹ نہ جاتے تو تم مجھے اس طرح گرفتار ہرگز نہ کر سکتے۔"

شمر نے کہا "اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔" عمر سعد نے کہا "تم گرفتار کر کے لائے ہو۔ تم ہی کو اختیار ہے۔"

شمر نے تلوار کھینچی۔ نافع نے کہا "اگر تم لوگ مسلمان ہوتے تو کبھی ہم لوگوں کے خون میں ہاتھ نہ بھرتے۔ شکر خدا کا کہ اُس نے ہم لوگوں کی موت اپنے مخلوق میں سے بدترین لوگوں کے ہاتھ سے قرار دی۔"

شمر نے تلوار لگائی۔ نافع شہید ہوئے۔

صاحب ناسخ نے سلسلۂ شہدا میں ہلال بن نافع اور نافع بن ہلال کو دو شخص قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"بروایت صاحب روضۃ الاحباب بعد از شہادت مسلم ہلال بن نافع بجلی آہنگ میدان کرد۔ او جوانے بدیع جمال و نیکو اندام بود و دوشیزہ در خطبہ داشت کہ با وے طریق مضاجعت نسپردہ بود۔ چوں ہلال را نگریست کہ آہنگ قتال دارد آب از دیدہ فرو ریخت و بر دامن او در آویخت کہ بکجا میروی و مرا باکہ میگذاری و بہائے ہائے بگریست۔ سید الشہدا چوں قصۂ ایشاں را اصغا نمود ہلال را فرمود امروز اہل تو حرمان ترا نتوانند برتافت و ایشاں را از خویش خورسند نتواں یافت اگر خواہی در کار جہاد

طریق مسامحت سپاری وایشاں را از خویش خورسند داری عرض ہا رد یا ابن رسول اللہ اگر امروز نصرت تو نجویم فردا با رسول خدائے چہ گویم، وزن را وداع گفت و آہنگ جہاد کرد و بدیں اشعار انشاد ارجوزہ فرمود

ارمی بہا معلمۃ افواقہا والنفس لا ینفعہا اشفاقہا

مسمومۃ تجری بہا اخفاقہا لیملأن ارضہا رشاقہا .

ہمانا ہلال مردے دلیر کماندارے دلاور بود کہ ہرگز عقاب خدنگش جز مرکز ہدف را نشیمن نساخت ہشتاد تیر در کنانہ آگندہ داشت با ہر خدنگ مردے را از پشت شبرنگ بر زمین افگند چوں تیر در کنانہ نماند مردانہ با تیغ حملہ ور گشت و گفت ۔

انا الغلام الیمنی البجلی دینی علی دین حسین و علی

ان اقتل الیوم فہذا املی فذاک رأیی و الاقی عملی

مردے از سپاہ ابن سعد کہ اور اقیس می نامیدند با شمشیر آہختہ بمیدان تاخت ہلال اورا مجال نہ دادے توانی اورا بسطورہ نیراں فرستاد و باتیغ سرافشاں سیزدہ تن از بد اندیشاں را از پائے در آورد، ایں وقت انبوہ لشکر بضرب سیف و سناں او را بخستند و بازواں اورا در ہم شکستند و اورا ماخوذ داشتہ بہ نزد شمر ذی الجوشن بردند شمر حکم داد تا سر بزرگش را از تن دور کردند ۔ ایں وقت نافع بن ہلال بجلی آغاز مبادرت فرمود الخ ،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہلال بن نافع میدان جنگ میں گئے اور شہید ہوئے پھر نافع بن ہلال ،

صاحب ناسخ نے زیارت شہداء سے جو سلام نقل کیا ہے وہ پہلے درج ہو چکا ہے

اس میں انکا پورا نام اس طرح درج ہے "السلام علی نافع بن ہلال بن نافع البجلی المرادی" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہلال بن نافع باپ تھے اور نافع اُن کے فرزند۔

اس روایت میں جو مبارز طلبی کے سلسلہ میں درج کی گئی ہے اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ ہلال بن نافع کے ساتھ اُن کے فرزند نافع تھے یا نافع کے ساتھ اُن کے باپ ہلال بھی تھے۔

اس روایت سے ثابت ہے کہ ہلال نوعمر نوجوان شخص تھے اور ابھی تازہ اُن کی شادی ہوئی تھی اور اُن کی تازہ عروس اُن کے ساتھ تھی یہ امر کہ وہ تیرانداز تھے اور اُن کی رجز کا یہ مضمون کہ اُن کے تیروں کے سوفار پر اُن کے نام کی نشانی موجود تھی نافع کی روایت سے مطابق ہے۔ اُنکے بازوؤں کا ٹوٹنا اور اُن کا گرفتار کیا جانا اور پھر شہید ہونا۔ یہ سب نافع کے حالات سے ماخوذ ہے۔ مگر صاحب ناسخ کی مورخانہ نگاہ کو ان میں سے کسی امر کی طرف بھی توجہ کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ نافع بن ہلال کے حال میں پانی لانے کے واقعہ کے تذکرہ میں لکھا ہے۔

کان فی حملتہ تلک طعنہ من اصحاب عمر بن سعد طعنۃ طن ہلال انھا لبست بشیٔ ثم انھا انتقضت بعد ذلک فمات منھا وروی انہ اخذ اسیرا الی عمر بن سعد فقتلہ شمر وغلی التقدیرین ہو من	اسی حملہ میں نافع کو عمر سعد کی فوج کے ایک شخص نے نیزہ لگایا جسے ہلال نے کوئی اہمیت نہیں دی لیکن اُسی زخم میں پھر طول ہوا اور اُن کا اُس سے انتقال ہوا اور ایک روایت میں ہے کہ اُن کو گرفتار کر کے عمر سعد کے پاس لیجایا گیا اور شمر نے اُن کو قتل کیا۔ بہر حال وہ امام کی ہمراہی میں

maablib.org

(۷۰) بُریر بن خضیر ہمدانی

اوصاف و خصوصیات سن رسیدہ تابعی۔ عبادت گذار اور حافظ قرآن تھے میں نے اُن کے حالات "تذکرۂ حفاظ شیعہ" میں بھی درج کئے ہیں۔ وہ امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے اور کوفہ کے باشندہ ہمدانی قبیلہ کے اشراف میں سے تھے۔

ابو اسحٰق ہمدانی سبعی مشہور محدث حافظ کے ماموں تھے۔ مسجد کوفہ میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ لوگ اُن کو سید القراء (حفاظ کا سردار) کہتے تھے۔

ابتدائی حالات اُن کا قیام کوفہ میں تھا مگر شاید حضرت مسلم کے ورود کوفہ کے موقع پر وہ وہاں موجود نہ تھے اس لئے کوئی ذکر اُن کا نظر نہیں آتا۔ بیشک امام حسینؑ کے پاس وہ حُر کی ملاقات کے

المستشہدین مع الحسینؑ شہید ہونے والوں میں سے ہیں

یہ تاریخ کی عبارت سمجھنے میں کوتاہی کا نتیجہ ہے۔

اُس حملہ میں نافع کو عمر سعد کی فوج کے کسی شخص نے نیزہ نہیں لگایا تھا بلکہ نافع نے ایک شخص کو نیزہ لگایا اور وہ اُس زخم کو کوئی چیز نہیں سمجھا پھر وہی زخم اُس کے لئے سبب ہلاکت ثابت ہوا۔ نافع تو اُس موقع پر کوئی زخم نہیں آیا تھا۔ وہ اس کے بعد جنگ کر کے زخمی ہوئے ہیں اور گرفتار ہوئے ہیں اور پھر شمر کے ہاتھ سے شہید ہوئے ہیں۔

موقع پر موجود تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ راستے میں کسی جگہ وہ امام کے ساتھ ملحق ہوئے ہیں۔

امام کا خطبہ اور اُس کا جواب

راہ میں حُر کی ملاقات کے بعد جو خطبہ حضرت نے ارشاد فرمایا ہے جس کے سلسلہ میں زہیر بن قین اور نافع ابن ہلال نے تقریریں کیں جو اُن کے حالات میں درج ہو چکیں۔ نافع کے بعد بریر کھڑے ہوئے اور کہا:-

واللہ یا ابن رسول اللہ لقد من اللہ بک علینا ان نقاتل بین یدیک تقطع فیک اعضاؤنا ثم یکون جدک یوم القیامۃ بیننا شفیعا لنا فلا افلح قوم ضیعوا ابن بنت نبیھم و ویل لھم ماذا یلقون بہ اللہ و اف لھم یوم ینادون بالویل والثبور فی نار جہنم

خدا کی قسم اے فرزند رسول! یہ خدا کا احسان ہم پر کہ ہم کو موقع دیا اس بات کا کہ ہم آپ کے سامنے جنگ کریں اور آپ کی نصرت میں ہمارے اعضا قطع کئے جائیں یہانتک کہ آپ کے جد بزرگوار روز قیامت ہمارے شفاعت خواہ ہوں کیونکہ وہ جماعت کبھی نجات نہیں پا سکتی جس نے اپنے نبی کے نواسے کو برباد کیا اور وائے ہو ان کے لئے کیا یہ خدا کو منہ دکھائیں گے اور کیا حال ہوگا اس دن جب وہ آتش جہنم میں نالہ و فریاد کرتے ہونگے۔

دشمن کی جسارت اور بریر کی گفتگو

عاشورہ کی شب امام اور اُن کے اصحاب نے عبادت خدا میں گذاری اور لشکر عمر سعد کا طلایہ بھی خیام امام کے قریب ہو کر گذرتا تھا۔ امام ان آیات کی تلاوت فرما رہے تھے

لا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا

نما ولهم عذاب مهین ما کان اللہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب (یعنی) نہ سمجھنا چاہئے اُن لوگوں کو جنھوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ ہم جو اُنھیں مہلت دیتے ہیں یہ اُن کے لئے بہتر ہے۔ ہم تو اُنھیں مہلت دیتے ہیں اس لئے کہ اُن کے گناہوں میں اور اضافہ ہوجائے اور اُن کے واسطے حقارت آمیز عذاب ہے۔ خدا نہیں چھوڑیگا مومنین کو اس حالت میں جس پر تم ہو جب تک کہ امتیاز نہ کردے ناپاک لوگوں کا پاک لوگوں سے۔"

عمر سعد کے طلایہ کی فوج میں سے ایک شخص نے اسے سنا تو وہ کہنے لگا کہ خدا کی قسم ہم ہیں پاک لوگ جنکا تم سے امتیاز ہوگیا۔ ضحاک بن عبداللہ مشرقی نے جو اصحاب امام میں سے تھے لیکن درجۂ شہادت پر فائز نہیں ہوئے۔ بیان کیا ہے کہ میں نے اُس کو پہچانا اور بریر بن خضیر سے کہا کہ تم جانتے ہو یہ کون ہے؟۔ اُنھوں نے کہا "نہیں" میں نے کہا یہ ابو حرب عبداللہ بن شہر سبیعی ہے۔ وہ ایک مسخرہ بیہودہ اللسان لیکن بہادر اور جری تھا۔ سعید بن قیس ہمدانی جو امیرالمومنین کی فوج کے ایک سردار تھے اکثر اُسکو جرائم کی پاداش میں قید کردیا کرتے تھے۔ بریر کو اس امر سے تکلیف محسوس ہوئی کہ یہ اُنہی کے قبیلہ کا ایک شخص ہے جو اس طرح کہہ رہا ہے۔ اُنھوں نے پکار کر کہا "اے فاسق بھلا تو وہ ہوگا جسے خدا پاک لوگوں میں محسوب کرے"

اُس نے کہا "تم کون ہو؟" بتایا کہ "بریر بن خضیر"

جاہل اللسان کہنے لگا کہ "مجھے بڑا صدمہ ہے کہ بریر تم ہلاک ہوئے خدا کی قسم بخدا ہلاک ہوئے"۔

بریر نے کہا "اے ابو حرب کیوں نہیں توبہ کر لیتا اپنے بڑے گناہوں سے، خدا کی قسم پاک لوگ ہم ہیں اور خبیث و ناپاک تم ہو"
مسخرے شخص نے کہا "اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں"
ضحاک مشرقی نے کہا "پھر یہ جانتے ہو تو عمل کیوں نہیں کرتے ہو"
اُس نے کہا۔ "قربانت شوم! پھر یزید بن عذرۃ العنزی کی مصاحبت کون کریگا" یہ فوج عمر سعد کا ایک شخص تھا جو اس وقت اُسکے ہمراہ تھا۔
معلوم ہو گیا یہ شخص سنجیدہ گفتگو کا اہل نہیں ہے۔ وہ بات کو مذاق میں اڑاتا ہے۔

ضحاک نے کہا "بہرحال خدا تجھے غارت کرے تو جاہل احمق ہے"

ذوق شہادت

عاشورہ کی صبح کو ترتیب لشکر کے بعد امام نے ایک خیمہ نصب کرایا اور اُس میں بعض آداب طہارت کیلئے ادا کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو دروازہ پر خیمہ کے عبدالرحمٰن بن عبد رب انصاری اور بریر کھڑے ہوئے تھے اور آپس میں اس امر پر لطف دھکم دھکا ہو رہا تھا کہ کون امام کے بعد پہلے خیمہ میں جائیگا۔

اس موقع پر بریر عبدالرحمٰن سے مذاق کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا "چھوڑو ان باتوں کو اس وقت دلگی کا موقع نہیں ہے" بریر نے کہا "خدا کی قسم میرے قبیلہ کے تمام لوگ جانتے ہیں کہ میں نے کبھی دلگی کو پسند نہیں کیا نہ جوانی میں اور نہ ادھیڑپن میں۔ لیکن اس وقت تو میں مستقبل کے خیال پر خوش ہوں۔ بخدا ہم میں اور حوروں کی ملاقات

میں صرف اتنا فاصلہ ہے کہ یہ لوگ ہم پر تلواریں لیکر حملہ کریں ۔ اور مجھے تو تمنا ہے کہ کہیں یہ وقت جلد آئے ۔

فاضل سماوی نے اس واقعہ کو نویں محرم سے متعلق قرار دیا ہے۔ اس کا کوئی ثبوت مجھے نہیں ملا ۔

جہاد میں سبقت

حبیب بن مظاہر کے حالات میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ جنگ چھڑنے کے بعد سب سے پہلے جو دو پہلوان دشمن کی طرف سے نکلے ۔ وہ یسار اور سالم دو غلام تھے ۔ انھوں نے مبارزطلبی کی تو حبیب بن مظاہر اور بریر بن خضیر یہی دو جواں ہمت انسان تھے جو کھڑے ہو گئے مگر امام نے اُن کو منع کر دیا ۔

یہ بھی وہاں لکھا گیا ہے کہ بُریر فوج حسینی کے اُن مخصوص اشخاص میں سے تھے جو نمایاں حیثیت رکھتے تھے چنانچہ جب عبداللہ بن عمیر کلبی اُن دونوں کے مقابلہ پر نکلے تو انھوں نے کہا کہ ہم تم سے واقف نہیں ہیں ۔ ہمارے مقابلہ پر زہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر یا بریر بن خضیر کو آنا چاہیے جس پر عبداللہ کو غصہ آگیا اور انھوں نے حملہ کر دیا ۔

مباہلہ اور جنگ

واقعہ کربلا میں اصحاب حسینی کے استقلال اور ثبات قدم کا تمام راز اُن کے اس یقین و اطمینان میں مضمر تھا جو انھیں اپنی حقانیت کے بارہ میں حاصل تھا اس کے مظاہرے مختلف صورتوں سے ہوتے رہتے تھے اُن میں سے بڑا شاندار واقعہ یہ ہے جس میں بریر کے اطمینان دلی کا ثبوت پیش ہوا ہے

یزید بن معقل فوج عمر سعد میں ، بنی عمیرہ بن ربیعہ میں سے ، بنی سلیمہ بر،

عبد القیس کا حلیف تھا - اُس سے اور بریر سے پرانی شناسائی تھی - اور آپس میں مذہبی نوک جھوک بھی ہوا کرتی تھی، وہ صف سے باہر نکلا اور اُس نے بریر کو پکار کر آواز دی کہ دیکھا تم نے خدا نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بریر نے کہا خدا نے میرے ساتھ تو بڑا اچھا سلوک کیا - ہاں تو اپنی کہہ کہ بڑا بد نصیب ہے۔

یزید نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو حالانکہ اس کے پہلے تم کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے، اچھا تمھیں یاد ہے؟ ایک دن ہم اور تم بنی دودان کے کوچہ میں جا رہے تھے اور تم کہہ رہے تھے کہ عثمان بن عفان گنہگار تھے اور معاویہ بن ابو سفیان خود گمراہ اور دوسروں کا گمراہ کرنے والا ہے - اور سچے راہنما اور امام علی بن ابیطالب ہیں - بریر نے کہا میں اس وقت بھی اقرار کرتا ہوں کہ میری رائے یہی ہے اور میں اسی قول پر قائم ہوں - یزید نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہ ہو - بریر نے کہا اچھا اس پر تیار ہو کہ میں تم سے مباہلہ کروں اور ہم دونوں مل کر خدا سے دعا کریں کہ وہ جھوٹے پر لعنت کرے اور جو حق پر ہو اُسکے ہاتھ سے باطل پرست کو قتل کرا دے - پھر میں تم سے نکل کر جنگ کروں - یزید نے اس کو منظور کر لیا -

دونوں فوجوں کی آنکھیں لڑی ہوئی ہونگی، حق اور باطل کا سخت مقابلہ اور فیصلہ کن امتحان تھا -

دونوں نے نکل کر ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور خدا سے دعا کی - پھر جنگ کے لئے مقابلہ پر آ گئے -

بس دو ضربتوں کی آمد و رفت ہونے پائی۔ پہلے یزید نے
تلوار لگائی جو بریر پر اچٹتی ہوئی پڑی اور کوئی صدمہ اُنھیں نہیں پہنچا
پھر بریر نے تلوار ماری جو خود کو کاٹتی ہوئی دماغ تک پہونچی وہ گھوڑے
پر سے زمین پر گر پڑا اس حالت میں کہ بریر کی تلوار اُس کے سر میں
قائم تھی اور وہ اُسے سر کے اندر سے کھینچ رہے تھے۔

شہادت

رضی بن منقذ عبدی نے بُریر پر حملہ کیا اور بریر کے لپٹ گیا
کشتی لڑنے لگا۔ بُریر اُس کو گرا کر سینہ پر سوار ہو گئے۔
کمینہ بزدل دشمن اب چیخنے لگا اور پکارنے لگا۔ کہاں ہیں جنگجو پہلوان کہاں
ہیں مدافعت کرنے والے جوان۔ کعب بن جابر بن عمرو ازدی حملہ
کے لئے آگے بڑھا عفیف بن زہیر بن ابی الاخنس جو واقعہ کربلا میں
لشکر عمر سعد میں موجود تھا اُس کا بیان ہے کہ میں نے کعب سے کہا یہ تو بُریر
بن خضیر وہ حافظ قرآن ہیں جو ہم کو مسجد میں قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مگر
اُس نے سماعت نہ کی اور پشت کی جانب سے بُریر پر نیزہ کا وار کر دیا
بُریر کو نیزہ کی انی کا احساس ضرور ہوا مگر چارہ کار کوئی نہ تھا انی
سینہ کے پار تھی اور بُریر اپنے دشمن کے سینہ پر سے الگ گرے ہوئے تھے
پھر اُس نے تلوار لگا کر بالکل بُریر کا کام تمام کر دیا۔ رضی بن منقذ
جس نے ابھی بُریر کے مقابلہ میں شکست کھائی تھی کپڑوں سے خاک جھاڑتا ہوا
کھڑا ہو گیا اور قاتل بُریر کا شکریہ ادا کرنے لگا کہ تم نے
مجھ پر آج وہ احسان کیا جس کو میں کبھی نہ بھولونگا

انجام ستم

حسینؑ کے ساتھ والے مجاہد اپنے حسن عمل میں تمام عرب میں شہرۂ آفاق تھے۔ وہ مال و جاہ دنیا کی ہوس تھی جو اُنکے خلاف شمشیر زنی پر آمادہ کرتی تھی۔ مگر بعد میں اُنھیں خود اپنے وابستگان اعزا و اقارب کی طرف سے لعنت و ملامت سے دو چار ہونا پڑتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ قتل کرنے والے ظالم خود اپنے کردار کی برائی کا اقرار نہ کریں اور اپنے غلط طریقۂ کار پر اصرار رکھیں۔ بُریر کا قاتل کعب بن جابر جب کوفہ واپس گیا تو اُس کی بیوی یا اُس کی بہن نوار بنت جابر نے کہا کہ تو نے غضب کیا۔ فرزند فاطمہ زہرا کے خلاف تو نے جنگ کی اور سید القرّاء (بُریر) کو قتل کیا۔ تو نے بڑا اعظم اقدام کیا ہے۔ میں تجھ سے اب کبھی بات نہیں کرونگی۔ اسے سنکر کعب بن جابر نے کچھ اشعار نظم کئے۔ جنھیں ہم نے "قاتلان حسینؑ کا مذہب" میں درج کیا ہے۔ اُن میں سے آخری شعر جو وہاں نہیں لکھا گیا ہے حسب ذیل ہے:-

قتلت بریراً ثم حمّلت نعمۃ ... ابا منقذ لمّا دعا من یماصع

"میں نے بُریر کو قتل کیا اور ابو منقذ کو اپنا احسانمند کیا جبکہ وہ پکار اٹھا تھا کہ کون میری مدد کرتا ہے"

maablib.org

بیدین جاہل شخص بُریر کے قتل پر فخر کر رہا ہے۔ عبد الرحمٰن بن جندب کی روایت ہے کہ میں نے اُس کو مصعب بن زبیر کے زمانہ میں یہ کہتے سنا کہ خداوندا ہم نے وفاداری سے کام لیا۔ ہمارے ساتھ وہ سلوک نہ کرنا جو غدّاروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ میرے باپ جندب نے کہا کہ بالکل سچ۔ وفاداری کے معنی یہی ہیں! بیشک تو نے

اپنے نفس کے ساتھ خود برائی کی ۔ ہٹ دھرم ظالم کہنے لگا "ہرگز نہیں میں نے کوئی برائی نہیں کی ۔ میں نے تو اپنے نفس کے ساتھ اچھا ہی سلوک کیا" مگر وہی رضی بن منقذ جس کی حمایت پر وہ آج فخر کر رہا تھا اُس نے اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کیا:۔

لو شاء ربی ما شهدت قتالهم ولا جعل النعماء عندی ابن جابر

لقد کان ذاک الیوم عاراً وسبة یعیّرہ الابناء بعد المعاشر

فیالیت انی کنت من قبل قتله ویوم حسین کنت فی رمس قابر

(یعنی) مقدر میں اس طرح لکھا نہ ہوتا تو میں اس جنگ میں شریک ہوتا اور نہ ابن جابر کا احسان مجھ پر ہوتا ۔ وہ دن ہمیشہ کیلئے ایک عار و ننگ کا موقع تھا جو نسلوں تک طعن و تشنیع کا باعث رہے گا ۔ کاش میں بریر کے قتل اور حسینؑ سے مقابلہ کے دن سے پہلے مر کر قبر میں پہنچ گیا ہوتا"

یہ ہر کمزور نفس کے انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں کو تقدیر کے حوالہ کرتا ہے ۔

بُریر کی شہادت کے وقت کا تعین حقیقۃً نہیں ہو سکتا ہے اُن کی جنگ کی صورت اور واقعہ شہادت کی نوعیت کی بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ وہ اوائل جنگ میں شہید ہوئے ہیں ۔

ابن شہر آشوب نے اُن کی شہادت کو حر کے بعد لکھا ہے ۔ اور تحریر کیا ہے کہ اُن کو بحیر بن اوس ضبی نے شہید کیا ۔

مگر یہ لوگ خود حر کی شہادت کو اوائل جہاد میں بتلاتے ہیں ۔ حالانکہ حر جیسا کہ میں نے لکھا ہے نماز ظہر کا وقت آنے کے بعد شہید ہوئے ہیں

maablib.org

بہت ممکن ہے کہ میں دوسرے اڈیشن میں بَرِیر کے تذکرہ کو حصہ اول میں ظہر کے قبل شہید ہونے والے اصحاب میں جگہ دیدوں۔

(۸)

(۷۱) شوذب بن عبداللہ

غلام زادوں میں سے قبیلہ "شاکر" کے تھے جو ہمدان کی ایک شاخ تھی۔ اور عابس بن ابی شبیب شاکری کے ساتھ جن کا تذکرہ ابھی ان کے بعد آئیگا اتصال رکھتے تھے۔ وہ شیعیان کوفہ میں اپنے اوصاف کی بنا پر نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ اور ایک طرف تو میدان جنگ کے شہسوار تھے دوسری طرف احادیث کے حافظ تھے اور امیر المومنین سے استفادہ کئے ہوئے تھے۔ وہ کوفہ میں اس باب میں مرجعیت کی حیثیت رکھتے تھے اور لوگ اُن سے احادیث حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔

جب عابس جناب مسلم کا خط لیکر کوفہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے جس کا تذکرہ اسکے بعد آئیگا تو شوذب اُن کے ساتھ گئے اور امام کے ساتھ مکۂ معظمہ سے پھر عراق آئے اور کربلا پہونچے۔

روز عاشور عابس نے اپنے باوفا غلام سے کہا "کیوں شوذب تمھارا کیا ارادہ ہے؟" شوذب نے کہا "ارادہ کیا ہے؟ یہی کہ آپ کے ساتھ رہ کر فرزند رسول کی نصرت میں جنگ کروں اور قتل ہوں" عابس نے کہا "شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ اچھا تو پھر بڑھو آگے اور امام کے اوپر جان نثار کرو۔ تاکہ امام تمھاری مصیبت

بھی اُس طرح دیکھ لیں جیسے اپنے دوسرے اصحاب کی اور میں بھی تمہارے غم کو برداشت کرکے ثواب کا مستحق بنوں۔ یقیناً اگر اس وقت کوئی ایسا شخص میرے ساتھ ہوتا جس پر مجھے اس سے زیادہ اختیار ہوتا جتنا مجھے تم پر اختیار حاصل ہے تو میری خوشی ہوتی کہ وہ میرے سامنے جائے تاکہ میں اُس کی مصیبت کو برداشت کروں کیونکہ آج تو دن ایسا ہے جس میں جتنا انسان سے ہو سکے اُتنا اجر و ثواب حاصل کرلے کیونکہ آج کے دن کے بعد پھر عمل کا دفتر ختم ہے اور حساب کے سوا کچھ نہیں ہے"۔

میں نے اس گفتگو پر "محاربۂ کربلا" میں تبصرہ کیا ہے

شوذب آگے بڑھے۔ امام حسینؑ کو سلام کیا اور پھر جنگ کرکے شہید ہوئے۔

وہ غلام عالم کے سرتاجوں سے زیادہ عزت دار تھا کہ اُس پر امامؑ نے زیارت شہداء میں سلام کیا۔

(السلام علیٰ شوذب مولیٰ شاکر)

(۷۲) عابس بن ابی شبیب شاکری

نام و نسب	عابس بن ابی شبیب بن شاکر بن ربیعہ بن مالک بن صعب بن معویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد الہمدانی الشاکری۔

بنو شاکر قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ تھی۔ اور انہی کی نسبت امیر المومنینؑ

کرنے کے لئے خط لکھا۔ یہ خط آپ نے عابس بن ابی شبیب شاکری ہی کو دیا کہ وہ امام کے پاس لیجائیں۔ چنانچہ عابس اس خط کو لیکر امام کے پاس گئے۔ اسی لئے جناب مسلم کے واقعہ میں آپ کی جنگ اور شہادت کے موقع پر پھر عابس کا نام دکھلائی نہیں دیتا۔ وہ امام کے تھے اور پھر آپ سے جدا نہیں ہوئے یہاں تک کہ کربلا پہونچے اُن کا غلام شوذب اُن کے ساتھ تھا۔

جذبۂ قربانی

ابھی شوذب بن عبداللہ کے حال میں عابس کے وہ الفاظ درج ہو چکے ہیں جو انھوں نے اپنے باوفا غلام سے کہے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ "اگر میرے پاس اس وقت کوئی ایسا شخص ہوتا جو تجھ سے زیادہ میرے ساتھ خصوصیت رکھتا ہوتا تو میری خوشی ہوتی کہ وہ میرے سامنے جاکر قتل ہوتا کہ اُس کی مصیبت کو میں برداشت کروں اور اجر کا مستحق بنوں۔ کیونکہ آج کا وہ دن ہے جس میں ہم کو ہر امکانی ذریعہ سے آخرت کے ثواب کا استحقاق حاصل کرنا ہے۔ پھر آج کے دن کے بعد عمل کا موقع نہیں ہے۔"

یہ وہ الفاظ ہیں جنھیں اطمینانی مواقع پر شاعری کے طور پر ہر شخص کہہ سکتا ہے۔ لیکن عین مصیبت کے موقع پر واقعی طور پر اُن کا کہنا بہت مشکل ہے معلوم ہوتا ہے مصائب کے اٹھانے کا ایک شوق ہے اور تکالیف کے برداشت کرنے کا جذبہ جو خود اختیاری طور پر عملی اقدامات کا محرک ہے۔ آپ سن چکے کہ غلام گیا اور شہید ہو گیا۔ آج اُس کو وہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ اُس کے مالک کے تذکرہ سے پہلے اُس کا ذکر سامنے آیا۔ لیکن حقیقتہً وہ عابس ہی

لیا ہے اُس میں السلام علی عابس بن ابی شبیب الشاکری ہے کہ۔

اوصاف وہ شیعیان کوفہ میں سے رئیس قوم، بہادر، مقرر، عبادت گذار اور شب زندہ دار تھے۔ بہت سی لڑائیوں میں کار نمایاں انجام دے چکے تھے۔ اور دلوں میں اُن کی شجاعت کا سکہ قائم تھا۔

جلسہ میں تقریر اُس موقع پر جب جناب مسلم بن عقیل کوفہ میں وارد ہوئے اور آپ نے مختار کے گھر میں قیام فرمایا اور شیعیان کوفہ کا اجتماع ہوا اور مسلم نے امامؑ کا خط پڑھ کر سنایا تو اُس وقت سب سے پہلے عابس بن ابی شبیب شاکری ہی کھڑے ہوئے تھے اور انھوں نے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد کہا:۔

اما بعد فانی لا اخبرک عن الناس ولا اعلم ما فی انفسھم وما اغرک منھم واللہ احدثک عما انا موطن نفسی علیہ واللہ لاجیبنکم اذا دعوتم ولاقاتلن معکم عدوکم ولاضربن بسیفی دونکم حتی القی اللہ لا ارید بذلک الا	میں آپ کو دوسرے لوگوں کی نسبت کچھ بتانا نہیں چاہتا ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ ان کے دلوں میں کیا ہے اور میں آپ کو اُن کے بارہ میں مبتلائے فریب نہیں بنانا چاہتا۔ بخدا میں آپ کو وہ بتلاتا ہوں جس کو میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا ہے۔ بخدا میں جب آپ آواز دیجئے گا تو آپ کی صدا پر حاضر ہونگا اور آپ لوگوں کے ساتھ آپ کے دشمن سے جنگ کرونگا اور اپنی اس تلوار سے آپ کی طرف سے جہاد کرونگا یہاں تک کہ خدا سے ملاقات کروں۔ اس سے میرا مقصود سوائے خوشنودی

ما عند اللہ ۔ خدا کے پاس اور بھی ہوگا ۔

دیکھا جائے تو عابس کی یہ مختصر تقریر بڑی معنی خیز ہے ۔ وہ عام اہل کوفہ پر بے اعتمادی کا اظہار کر رہے ہیں ۔ وہ اُن کے ارادوں کے ثبات اور مواعید کے استقلال کی کمزوری کا انکشاف کر رہے ہیں اور آپ سے ایک فریب نگاہ قرار دے رہے ہیں بیشک وہ صرف اپنے نفس کی ذمہ داری کر رہے ہیں اور عہد وفاداری کے پورا کرنے کی قسم کھا رہے ہیں ۔

اس امر سے عابس کی شخصیت کا ممتاز درجہ بھی سامنے آجاتا ہے کہ اس جلسہ میں بڑے بڑے صاحب مرتبت اشخاص موجود تھے ۔ جیسے حبیب بن مظاہر سعید بن عبداللہ حنفی وغیرہ ۔ لیکن ان تمام لوگوں میں عابس نے تقدم کی جرأت کی اور اُن کی تقریر اتنی جامع اور پرمغز تھی کہ حبیب بن مظاہر نے اُن کی تعریف کی اور کھڑے ہو کر کہا رحمک اللہ قد قضیت خدا اپنی رحمت تمہارے شامل حال کرے ۔ تم نے ما فی نفسک بو اجز کتنے مختصر الفاظ میں اپنے پورے خیالات کا اظہار من قولک ۔ کر دیا ہے ۔

اس کے بعد انھوں نے اپنی طرف سے نصرت و اعانت کی اُسی طرح ذمہ داری کی جس طرح عابس نے کی تھی[۱] ۔

کوفہ سے روانگی

جب جناب مسلم کی کوفہ میں اٹھارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کی ۔ آپ نے صورت حال سے امام کو مطلع کیا ۔ نے روز صفین فرمایا تھا کہ اگر اُن کی تعداد ایک ہزار ہو جائے تو خدا کی

عبادت اس طرح ہونے لگے جس طرح ہونا چاہئے۔

یہ لوگ عرب میں بڑے شجاع اور جنگ آزما تھے اور "فتیان الصباح" کے لقب سے مشہور تھے۔ اس کے معنی ہوئے "وقت صبح کے جوانمرد" چونکہ غارت گری اور جنگ زیادہ تر اوقات صبح میں ہوتی تھی اس لئے اس وقت کی طرف نسبت دی گئی ہے۔

ہمدان کی ایک دوسری شاخ "بنو وادعہ" کے پاس ان لوگوں نے جا کر قیام کیا تو وہ لوگ بھی اسی لقب سے ملقب ہو گئے اور اسی لئے عابس کو شاکری بھی کہا جاتا ہے اور وادعی بھی لہ

شیخ الطائفہ نے اپنے رجال میں اصحاب امام حسینؑ کے ذیل میں ان کے والد کا نام ابو شبیب ہی لکھا ہے۔ علامہ مامقانی نے اس کی تبعیت کرتے ہوئے ان کو "عابس بن ابی شبیب" کے نام سے معنون کرنے کے بعد نہ معلوم کس بنا پر یہ لکھ دیا ہے کہ ظاہر غیرہ کون شبیب بغیر کلمۃ ابی اسما لابیہ لا کنیۃ لہ شیخ طوسی کے علاوہ دوسرے لوگوں کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے باپ کا نام شبیب تھا "ابی" کی لفظ کے بغیر، نہ ابو شبیب کنیت کے طور پر۔ ممکن ہے کسی کتاب میں ایسا ہو لیکن ہمارے سامنے تاریخ طبری موجود ہے اس میں بھی جہاں جہاں ان کا ذکر ہے "عابس بن ابی شبیب" ہی لکھا ہے۔ زیارت شہداء کے بعض نسخوں میں السلام علی عابس بن شبیب ہے۔ لیکن اسی زیارت کو سپہر کاشانی نے جو درج

کی قربانی کا ایک باب ہے، جو تمہید کی صورت سے مقدم ہو گیا ہے۔

امام سے رخصت

شوذب کے قتل ہونے کے بعد عابس امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:۔

"بخدا روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز اور آپ سے زائد محبوب ہو۔ اگر مجھے قدرت ہوتی کہ میں اپنی جان سے زیادہ کوئی عزیز شئے آپ کی خدمت میں پیش کروں تو اسے پیش کرتا مگر اب تو بس میری جان ہی باقی ہے۔ تو پھر اجازت دیجئے۔ میں آخری سلام کرتا ہوں۔ اور خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ میں آپ کے اور آپ کے باپ کے دین پر قائم ہوں"۔

ان الفاظ کو کہہ کر امام سے رخصت ہوئے۔

بے مثال جنگ

عابس تلوار کھینچے ہوئے فوج دشمن کے سامنے آئے، اُن کی پیشانی پر اس وقت ایک زخم تھا جو شائد پہلے کے حملوں میں آ گیا تھا۔ فوج کوفہ کا ایک شخص ربیع بن تمیم جو واقعہ کربلا میں موجود تھا، بیان کرتا ہے کہ میں نے عابس کو آتے دیکھا تو پہچان لیا۔ میں انھیں اس کے پہلے لڑائیوں میں دیکھ چکا تھا اور اُن کی شجاعت سے واقف تھا۔ میں نے کہا: "ایہا الناس! یہ شیروں کا شیر ہے، یہ ابن شبیب ہے۔ دیکھو کوئی ایک شخص تم میں سے اس کے مقابلہ کو باہر نہ نکلے"۔

عابس نے آواز دینا شروع کی "الا رجل لرجل" کیا کوئی مرد ایسا نہیں جو ایک مرد میدان کے مقابلہ کو نکلے

طبری کے مطبوعہ نسخہ میں یہی الفاظ ہیں۔ ابصار العین میں ہے:۔

"الا رجل الا رجل" کیا کوئی مرد نہیں ہے، کوئی مرد نہیں ہے؟ مگر فوج میں سے ایک شخص بھی باہر نہ نکلا۔ عمر سعد نے کہا "اس بہادر کو پتھر مارنا شروع کر دو۔"

ہر طرف سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ یہ عجیب طریقہ جنگ دیکھ کر عابس نے زرہ اور خود وبکتر اتار کر پھینکدیا اور تلوار لئے فوج پر ٹوٹ پڑے جس صف کی طرف رخ کرتے تھے سینکڑوں آدمی اُن کے سامنے سے بھاگتے نظر آتے تھے۔

شہادت

تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد فوج کے بڑے حصہ نے اُن کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور قتل کیا۔ اُن کو شہید کرنے کے بعد اُن کا سر قلم ہوا اور بہت سے آدمیوں نے فوج کے آپس میں جھگڑنا شروع کیا۔ ہر ایک کہتا تھا اس شخص کو میں نے قتل کیا۔ عمر سعد نے اس کا یہ کہہ کر فیصلہ کیا کہ جھگڑا نہ کرو۔ اس شخص کا قاتل کوئی ایک نہیں ہو سکتا۔ تم سب اس کے قاتل ہو۔ اس طرح یہ نزاع برطرف ہوئی ہ

maablib.org

(۲۳) عبداللہ بن عروہ بن حراق الغفاری

یہ وہی قبیلہ ہے جس کو حضرت ابوذر کی نسبت کا شرف حاصل ہے۔

حراق غفاری اصحاب امیر المومنینؑ میں سے تھے اور حضرتؑ کے ساتھ جمل، صفین اور نہروان میں شریک رہ چکے تھے۔ ان کے دونوں پوتے عبداللہ

بن عروہ اور عبدالرحمن بن عروہ اشراف و شجاعان کوفہ میں اور شیعیان علیؑ بن ابیطالب میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ یہ دونوں بھائی امام حسینؑ کے پاس کربلا میں آکر پہونچے اور حضرتؑ کے انصار میں شامل ہوئے۔

روز عاشور بعد ظہر جب اصحاب امامؑ کی تعداد بہت کم رہ گئی اور دشمن کی یورش بہت بڑھ گئی تو اصحاب ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگے اور ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ ہم پہلے اپنی جان نثار کریں۔

چنانچہ یہ دونوں بھائی خدمت امام میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یا اباعبداللہ، ہمارا اسلام قبول کیجئے۔ دشمن اب آگے بڑھے چلے آتے ہیں اور ہمارا بس نہیں چلتا اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ خود آپ کے سامنے قتل ہو جائیں۔ اور آپ کی حفاظت میں اپنی جان نثار کریں"۔

حضرتؑ نے فرمایا "خدا تمہارا بھلا کرے آؤ میرے قریب آؤ"۔

یہ دونوں امامؑ کے پاس کھڑے ہو گئے اور ایک اُن میں سے یہ رجز پڑھ رہا تھا:۔

قد علمت حقا بنو غفار ۔۔۔ وخندف بعد بنی نزار

لنضربن معشر الفجار ۔۔۔ بکل عضب صارم بتار

یا قوم ذودوا عن بنی الاحرار ۔۔۔ بالمشرفی والقنا الخطار

(ترجمہ) حقیقتہً تمام بنی غفار اور خندف و بنی نزار کے قبائل اس امر سے واقف ہیں کہ ہم فاسق و فاجر گروہ پر حملے کریں گے ہر باڑھ دار بُرّان شمشیر کے ساتھ۔ اے میرے ساتھیو شریف خاندان کی طرف سے شمشیر و نیزہ کے ساتھ جنگ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھو"

maablib.org

طبری کے الفاظ یہی ہیں کہ کان احدھما یقول" اُن میں سے ایک یہ رجز پڑھ رہا تھا"۔ لیکن مؤلف ابصار العین نے لکھا ہے:-

ان احدھما یرتجز ویتم لہ الآخر فیقولان۔

(یعنی)" ایک اُن میں سے رجز کا مصرع شروع کرتا تھا اور دوسرا اُس شعر کو ختم کرتا تھا۔ اس طرح دونوں مل کر رجز پڑھ رہے تھے۔

آخر وہ دونوں شہید ہوئے۔

طبری نے اُن کا نام عبداللہ بن عزرہ اور عبدالرحمن بن عزرہ غفاری لکھا ہے۔ اسی کا تتبع میں نے پہلے کیا ہے۔ مگر زیارت شہداء میں "عزرہ" کے بجائے "عروہ" ہے اور ابن شہر آشوب نے بھی یہی لکھا ہے۔ مؤلف ابصار العین بھی اسی کے موافق ہیں۔ علامہ مامقانی لکھتے ہیں کہ رجال شیخ کے بعض نسخوں میں "عبدالرحمن بن عزرہ" ہے اور منہج المقال کے ایک نہایت صحیح اور معتبر نسخہ میں بھی رجال شیخ سے یہی منقول ہے۔ لیکن خود رجال شیخ کے معتبر اور تصحیح شدہ نسخہ میں "عروہ" ہے اور تمام کتب سیر و مقاتل اسی پر متفق ہیں۔

صاحب مناقب نے عبداللہ بن عروہ کو "حملہ اولیٰ" کے مقتولین میں قرار دیا ہے۔

سپہر کاشانی نے عبداللہ اور عبدالرحمن کے تذکرہ کے بجائے یہ جدت آفرینی کی ہے کہ اُن اصحاب کی فہرست میں جن کا ذکر بحار اور دوسری کتابوں میں نہیں ہے محمد بن مطاع کی شہادت کے بعد جابر

بن عروہ غفاری کی جنگ درج کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"از پس او چنانکہ در شرح شافیہ مرقوم است و ابو مخنف حدیث می کند جابر بن عروہ غفاری کہ مردے سالخوردہ و پارسا بود و در غزوۂ بدر و دیگر غزوات ملازمت خدمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ می فرمود و عصابہ بر پیشانی بستہ بود کہ جلد ابروہائے او فرو نیفتد و چشم اورا از دیدار باز نہ دارد حسین علیہ السلام چوں نگریست کہ جابر آہنگ جنگ دارد فرمود شکر اللہ سعیک یا شیخ و جابر ایں شعر ارجوزہ قرات کرد:۔

قد علمت حقا بنو غفار — وخندف ثم بنو نزار

بنصرنا لاحمد المختار — یا قوم حاموا عن بنی الاطہار

الطیبین السادة الاخیار — صلی علیہم خالق الابرار

پس آغاز جنگ نمود و در پیش روئے امام علیہ السلام ہشتاد تن مرد رزم آزمائے را بخاک انداخت و خود نیز جان بپرداخت[1]

اب اس حکایت کے متعلق میں کیا کہوں۔ اگر صاحب ناسخ کچھ بھی تحقیقات سے کام لیتے تو انھیں معلوم ہو جاتا کہ صحابہ میں اور خصوصاً جنگ بدر کے شریک ہونے والوں میں جابر بن عروہ غفاری کوئی شخص نہیں ہے۔

جو رجز درج کی گئی ہے اس کا پہلا شعر تقریباً بالکل وہی ہے جو عبداللہ بن عروہ غفاری کے حال میں درج ہوا۔

شرح شافیہ بالکل مجہول ہے۔ اور ابو مخنف کی نہ معلوم یہ کس طرح کی حدیث ہے جس کی خبر نہ طبری کو تھی اور نہ ابن شہر آشوب کو نہ علامہ مجلسی کو۔ اور براہ راست صرف صاحب ناسخ کو اُس کی اطلاع ہو سکی۔

(۷۴) عبد الرحمن بن عروہ غفاری

وہ اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ کربلا آئے۔ اور اُن ہی کے ساتھ میدان جہاد میں نکلے اور لڑ کر شہید ہوئے۔ زیارت شہدا میں بھی ان دونوں بھائیوں پر ساتھ ساتھ سلام کیا گیا ہے۔

السلام علی عبد اللہ و عبد الرحمن ابنی عروۃ بن حراق الغفاریین۔

(۷۵) حنظلہ بن اسعد شبامی

نام و نسب حنظلہ بن اسعد بن شبام بن عبداللہ بن اسعد بن حاشد ابن ہمدان الہمدانی الشبامی۔

سپہر کاشانی نے حنظلہ بن اسعد شامی لکھا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے زیارت شہداء میں جسے ناسخ نے درج کیا ہے السلام علی حنظلۃ بن سعد الشیبانی لکھا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ صحیح "شبامی" ہے جیسا کہ زیارت کے دوسرے نسخوں میں موجود ہے۔ بنو شبام قبیلۂ ہمدان

کی شاخ تھے۔

اوصاف حنظلہ شیعیان کوفہ میں سے نام آور اور خوش تقریر، بہادر اور حافظ قرآن تھے۔ اُن کے ایک فرزند علیؑ تھے جن کا ذکر تاریخ میں موجود ہے۔ میں نے تذکرہ حفاظ شیعہ میں اُن کا حال اسی لئے درج کیا ہے کہ وہ حافظ قرآن تھے۔

حنظلہ امام کے پاس حضرتؑ کے کربلا وارد ہونے کے بعد پہنچے اور امام نے گفتگوئے صلح کے دوران میں اکثر اُن کو عمر سعد کے پاس نامہ وپیام کے ساتھ بھیجا ہے۔

تقریر روز عاشور ظہر کے بعد جب اصحاب میں سے بہت سے افراد شہید ہو چکے ہیں تو وہ امام کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور فوج کوفہ کو مخاطب کر کے باآواز بلند کہنے لگے۔

یاقوم انّی اخاف علیکم	اے میری قوم کے لوگو مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے
مثل یوم الاحزاب مثل دأب	اُس دن کا جو بہت سی قوموں کو نصیب ہوا
قوم نوح وعاد وثمود والذین	جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور اُن کے بعد
من بعدھم وما اللّٰہ یرید ظلما	والوں کا انجام ہوا اور خدا بندوں پر ظلم نہیں
للعباد و یا قوم انّی اخاف	کرتا بلکہ اُن کی بد اعمالیوں ہی کا بدلا دیتا ہے
علیکم یوم التناد	اے میری قوم میں تمہارے لئے اندیشہ رکھتا
یوم تولّون مدبرین مالکم	ہوں قیامت کے دن سے جس وقت تم اس دنیا سے
من اللّٰہ من عاصم	پشت پھراؤ گے اور کوئی تمہارا بچانے والا خدا
ومن یضلل اللّٰہ فما	کے عذاب سے نہ ہوگا اور جس کی ہدایت سے خدا ہاتھ

لہ من ھاد | اٹھائے اُس کا ہدایت کرنے والا کوئی نہیں

یا قوم لا تقتلوا حسینا | ہے۔ اے میری قوم والو! حسین کو قتل نہ کرو

فیسحتکم اللہ بعذاب | نہیں تو خدا تم پر عذاب نازل کریگا اور جھوٹ

وقد خاب من افترٰی۔ | کہنے والے کا انجام ناکامی ہے

دشمن پر ایسی تقریروں سے اثر ہی کب ہوتا تھا۔ امام نے پکار کر فرمایا " اے ابن سعد! خدا اپنی رحمت تمھارے شامل حال کرے۔ یہ لوگ عذاب کے مستحق تو اُسی وقت ہو گئے جب انھوں نے حق کی بات کو قبول نہ کیا اور تم لوگوں کے خلاف فوج کشی کی۔ چہ جائیکہ اب؟ اب تو یہ تمھارے بہت سے نیک ساتھیوں کو قتل بھی کر چکے ہیں"۔ حنظلہ نے کہا حضور سچ فرماتے ہیں۔ حضور سے بڑھ کر ان باتوں کو کون سمجھ سکتا ہے اچھا پھر ہم بھی نہ جائیں خدا کی طرف اور اپنے بھائیوں سے ملحق ہوں؟

اذن جہاد ان الفاظ میں حنظلہ نے اجازت جنگ طلب کی تھی۔ امام نے فرمایا "جاؤ دنیا و آخرت کی نیکی اور ایسی سلطنت کی طرف جس کو زوال نہیں ہے"۔

شہادت حنظلہ نے رخصتی سلام کیا۔ میدان جنگ میں گئے۔ لڑے اور شہید ہو گئے۔

(۷۹) سیف بن حارث بن سریع بن جابر ہمدانی

یہ اور مالک بن عبد بن سریع جن کا ذکر ابھی ان کے بعد آئیگا دونوں آپس میں چچازاد بھائی، اور ایک ماں کی اولاد تھے اور کربلا میں اُن دونوں

میں جب صلح کی گفتگو ہو رہی تھی آ کر امام کے ساتھ ملحق ہوئے۔ انکا غلام شبیب بھی ان کے ساتھ تھا۔

روز عاشور جب بازار شہادت گرم ہو گیا تو دونوں جواں امام کی خدمت میں آئے اور نزدیک کھڑے ہو کر رونے لگے۔

یہ اُن کے دل کی بیچینی تھی جس نے الفاظ کو سرشک غم کی صورت میں تبدیل کر دیا تھا۔ اُن کے منہ سے رنج کی وجہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ مگر کیا کہنا امام کے اطمینان قلب کا۔ آپ نے فرمایا کیوں میرے بھائی کے فرزند روتے کیوں ہو؟ دیکھو تھوڑی دیر میں تمہیں خوشی ہی خوشی کے سامان مہیا ہونگے۔

دونوں نے عرض کیا "ہماری جان آپ پر قربان۔ ہم اپنے لئے تھوڑی روتے ہیں ہمیں تو آپ کی بیکسی پر رونا آرہا ہے۔ ہم دیکھ رہے کہ آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے اور ہم سے آپ کی حفاظت کا امکان نہیں رہا ہے۔

حضرت نے فرمایا خدا تم دونوں کو جزائے خیر دے اے میرے بھائی کے فرزندو۔ تمھارے اس صدمہ پر جو میری وجہ سے ہے اور اس ہمدردی پر جو تمہیں میرے ساتھ ہے خدا تمہیں بہترین جزا عطا فرمائے۔

حنظلہ بن اسعد شامی کی شہادت کے بعد ان دونوں کی دیوں نے امام کو سلام رخصت کیا اور لڑکر شہید ہوئے۔ انکے غلام شبیب کی شہادت کا ذکر حلالہ دل کے شہداء میں ہو چکا ہے۔

(۷۷) مالک بن عبد بن سریع

ان کا ذکر ابھی ان کے چچازاد بھائی اور ماں کے فرزند سیف بن حارث بن سریع کے حال میں ہو چکا ہے۔

یہ دونوں بھائی ساتھ ہی آئے ساتھ ہی امام سے رخصت ہوئے اور ساتھ ہی لڑکر شہید ہوئے۔

شیخ طوسی نے اپنے رجال میں اصحاب امام حسینؑ میں اُن کو "مالک بن سریع" کے نام سے درج کیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ سریع اُن کے دادا تھے۔ اُن کے باپ کا نام طبری نے عبد لکھا ہے۔ اور تنقیح المقال میں بھی اسی کی موافقت کی گئی ہے۔ مگر ابصار العین میں "مالک بن عبداللہ بن سریع" ہے زیارت شہداء کے بعض نسخوں میں بھی یہی ہے۔ مگر صاحب ناسخ نے جو اس زیارت کو درج کیا ہے تو السلام علیٰ مالک بن عبد بن سریع نقل کیا ہے۔

ابو ثمامہ صائدی

نام و نسب عمر بن عبداللہ بن کعب الصائد بن شرحبیل بن شراحبیل بن عمرو بن جشم بن حاشد بن جشم بن حیزون بن عوف بن ہمدان الہمدانی الصائدی۔ ابو ثمامہ اُن کی کنیت تھی۔ عام طور پر لوگ ابو تمامہ صیداوی" کہتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ ابو ثمامہ صحیح ہے۔ اور صیداوی" کے بجائے" صائدی" درست ہے۔

شیخ طوسی نے اپنے رجال میں اصحاب امام حسینؑ میں" عمرو بن

عبداللہ انصاریؒ درج کیا ہے - اس میں وہ متفرد ہیں - دوسرے تمام مورخینؒ "صائدی" لکھتے ہیں بنو صائد قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ تھے۔

اوصاف وہ عرب کے شہسواروں میں سے اور فرقۂ شیعہ کے ممتاز افراد میں سے تھے - امیرالمومنین کی صحبت سے شرفیاب ہوئے - اور حضرت کے ساتھ آپ کے زمانہ کی تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے - آپ کے بعد امام حسنؑ کی صحبت اختیار کی اور حضرت کے مدینۂ منورہ کی طرف روانہ ہونے کے بعد وہ کوفہ ہی میں قیام پذیر رہے۔

مسلم کی مدد جناب مسلم بن عقیل امام کی طرف سے نمائندہ ہو کر کوفہ آئے تو ابوثمامہ صائدی اُن ممتاز افراد میں سے تھے جنھوں نے آپ کی گرمجوشی کے ساتھ تائید کی - جناب مسلم نے اُنکے ذمہ یہ خدمت سپرد کی تھی کہ وہ زرِ اعانت اپنے پاس جمع کریں اور اسلحۂ جنگ کی خریداری کریں اس لئے کہ وہ اس امر میں بڑی واقفیت رکھتے تھے - چنانچہ جب معقل غلام ابن زیاد نے فریب کاری سے جناب مسلم کی خدمت میں پہونچکر جو کچھ رقم لایا تھا وہ پیش کی تو اُسے جناب مسلم نے ابوثمامہ ہی کے سپرد کیا جو کہ اس کام پر خصوصیت کے ساتھ معین تھے۔

جب ہانی بن عروہ گرفتار ہوئے اور جناب مسلم حالت کے تقاضا سے مجبور ہو کر جنگ پر آمادہ ہوئے - جناب مسلم نے فوج کو مرتب کیا تو عبیداللہ بن عمرو بن عزیز کندی کو کندہ و ربیعہ کے دستہ کا افسر

کیا اور اُن سے کہا کہ تم آگے آگے سواروں کی جماعت کے ساتھ جاؤ۔ مسلم بن عوسجہ اسدی کو مذحج و اسد کا افسر کیا اور انھیں پیادوں میں جانے کا حکم دیا اور ابو ثمامہ صائدی کو تمیم و ہمدان کی افسری عطا کی۔

خدمت امام میں حضوری: جس وقت جناب مسلم کی شہادت یقینی ہو گئی تو ابو ثمامہ بھی مثل دوسرے اشخاص کے مخفی ہو گئے اور خفیہ طور پر کوفہ سے نکل کر نافع بن ہلال کے ساتھ روانہ ہوئے اور چونکہ امام مکہ معظمہ سے عراق کی طرف روانہ ہو چکے تھے یہ لوگ راستے میں امام سے ملحق ہوئے۔

وفاداری: عاشورہ کے قبل کسی رات کو عمر بن سعد نے امام کے پاس کثیر بن عبد اللہ شعبی کے ہاتھ پیغام بھیجا۔ یہ شخص انتہائی سخت دل اور جاہل سفاک تھا، اُس نے پیغام لیجانے کے وقت ہی عمر بن سعد کے سامنے اپنی سختی و درشتی کا ان الفاظ میں اظہار کر دیا تھا کہ "میں جانے کو تیار ہوں اور اگر آپ کہئے تو میں اُن کو قتل ہی کر آؤں" عمر سعد نے کہا "نہیں" یہ منظور نہیں ہے بس تم جاکر اتنا دریافت کرو کہ آپ کس لئے آئے ہیں۔ ابو ثمامہ نے جو اُس کو آتے دیکھا امام سے عرض کیا کہ "دیکھئے! آپ کے پاس ایسا شخص آرہا ہے جو بدترین اہل زمین ہے۔ اور سب سے زیادہ خونریز اور سفاک ہے" یہ کہہ کر کھڑے ہو گئے اور آگے بڑھ کر کہنے لگے کہ "اپنی تلوار یہیں رکھ دو"

اُس نے کہا یہ ممکن نہیں ہے۔ میں تو پیغام لے کر آیا ہوں۔ اگر تم لوگ سننا پسند کرو گے تو میں پیغام پہونچا دونگا۔ نہیں تو واپس جاؤنگا"۔ ابو ثمامہ نے کہا "اچھا میں تمہاری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے رہوں، پھر تم جو کہنا چاہتے ہو وہ کہو" اُس نے کہا نہیں یہ بھی نہیں ہوگا۔ تمھیں میری تلوار کو چھونا تک نہیں مل سکتا۔ ابو ثمامہ نے کہا پھر میں وہاں تو نہیں جانے دونگا۔ جو کچھ کہنا ہو مجھ ہی سے کہہ دو۔ میں اُسے تمہاری جانب سے امام تک پہونچا دونگا"۔ وہ اس پر بھی آمادہ نہیں ہوا اور آپس میں سخت کلامی کی نوبت آئی اور وہ واپس چلا گیا۔ آخر دوسرا قاصد بھیجا گیا جس نے پیغام رسانی کے فرض کو انجام دیا

یہ ابو ثمامہ کی محبت تھی امام کے ساتھ اور حضرت کی حفاظت کی فکر تھی۔

ممکن ہے جناب عباس کی طرف جو اس طرح کا واقعہ منسوب ہے اُسکی بھی کوئی اصلیت ہو لیکن تاریخ میں اُس کا پتہ نہیں ہے میں حُر کے حالات میں اس کی طرف اشارہ کر چکا ہوں۔

نمازِ ظہر ظہر کے قبل جنگ میں شدت ہو چکی تھی حملۂ اولیٰ میں پچاس آدمی شہید ہو چکے تھے۔ اصحابِ امام کی تعداد بالکل کم ہو گئی تھی۔ دشمن کو اب یہ فکر تھی کہ کسی طرح جنگ جلدی ختم ہو اور یہ مہم سر کر لی جائے۔ قلت اور کثرت کے غیر متوازن فرق کی وجہ سے حالت یہ تھی کہ ادھر اگر ایک یا دو بھی قتل ہوتے تھے تو نمایاں کمی پیدا ہوتی

تھی۔ ادھر اُدھر بہت قتل ہوتے تھے تب بھی کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔
اس حالت کو ابو ثمامہ نے دیکھا تو وہ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "مولا میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ اب آپ کے بالکل قریب آگئے ہیں اور یہ یقینی ہے کہ آپ تک کوئی آنچ نہ آنے پائے گی جب تک انشاء اللہ میں آپ کے سامنے قتل نہ ہو جاؤں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ نماز جس کا وقت آگیا ہے آپ کے ساتھ پڑھ لوں پھر خدا کی بارگاہ میں جاؤں"۔

یہ تھا جذبۂ عمل اور شوقِ طاعت جو اتنے سخت موقع پر نماز کا خیال اُن کے پیشِ نظر کیے ہوئے تھا

اسی کا نتیجہ تھا کہ امام نے تعریف کی اور فرمایا "تم نے اس وقت نماز کو یاد کیا۔ خدا تم کو نماز گذاروں اور یاد رکھنے والوں میں محسوب کرے۔ ہاں یہ اوّل وقت نماز کا ہے"۔

اس کے بعد حضرت نے اصحاب سے فرمایا کہ

ان لوگوں سے نماز کی مہلت طلب کرو۔

شہادت

نہیں معلوم ہو سکا کہ ابو ثمامہ کی یہ تمنا کہ وہ نماز ظہر امام کے ساتھ پڑھ لیں پوری ہوئی یا نہیں۔
مہلت نماز کے مانگنے کے سلسلہ میں جنگ ہوگئی۔ حبیب بن مظاہر شہید ہوئے۔ زہیر بن قین اور حر نے مل کر جہاد کیا جس کے نتیجہ میں حر کی شہادت ہوئی۔

اس کے بعد طبری کے مطبوعہ نسخہ میں جو میرے سامنے ہے (الطبعۃ الاولی بالمطبعۃ الحسینیۃ المصریۃ علی نفقۃ السید محمد عبد اللطیف الخطیب وشرکاہ) الفاظ یہ ہیں: وقتل ابو ثمامۃ الصائدی ابن عم لہ کان عدواً لہ. ثم صلوا الظہر صلی بہم الحسین صلوٰۃ الخوف.

اس کا ترجمہ جو مجھے کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ "ابو ثمامہ صائدی نے قتل کیا اپنے ایک چچا زاد بھائی کو جو اُن کا دشمن تھا۔ پھر نماز ظہر ہوئی امام حسین نے اصحاب کے ساتھ نماز خوف کے طور پر نماز ادا کی"۔

اس کا یہ نتیجہ ہو گا کہ ابو ثمامہ نماز ظہر میں شریک ہوئے۔ اسی لئے میں ابو ثمامہ کو نماز ظہر کے بعد کے مقتولین میں درج کر رہا ہوں۔

مؤلف ابصار العین نے ابو ثمامہ کو نماز میں تو شریک قرار دیا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے کے بعد ابو ثمامہ نے امام سے عرض کیا کہ "فرزندِ رسول اب میں چاہتا ہوں کہ اپنے ساتھیوں سے جا کر ملحق ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں باقی رہ جاؤں اور آپ میرے سامنے شہید ہو جائیں"۔ امام نے فرمایا اچھا آگے بڑھو ہم بھی تمہارے بعد آتے ہیں۔ ابو ثمامہ آگے بڑھے اور کچھ دیر جنگ کی یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو گئے اس کے بعد اُن کے الفاظ یہ ہیں:-

فقتلہ قیس بن عبد اللہ الصائدی ابن عم لہ کان لہ عدواً و کان ذلک بعد قتل الحر۔

اُن کو قیس بن عبد اللہ صائدی اُن کے چچا زاد بھائی نے جو اُن کا

دشمن تھا قتل کیا اور یہ حر کے قتل کے بعد کا واقعہ ہے"۔

یہ طبری کے گذشتہ فقرہ سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہاں ابو ثمامہ صائدی مقتول ہیں اور ان کا چچازاد بھائی قاتل۔ اور طبری کی عبارت اصل میں شاید یوں ہونا چاہئے کہ "قتل ابا ثمامة الصائدی ابن عم له الخ"۔

اس کی تائید یوں ہوتی ہے کہ پھر اس کے بعد کہیں ابو ثمامہ کا ذکر نہیں ملتا لیکن اس صورت میں یہ درست نہیں ہے کہ ابو ثمامہ نماز ظہر میں شریک ہوئے اور نماز کے بعد قتل ہوئے بلکہ تاریخ صراحت کر رہی ہے کہ یہ نماز ظہر کے قبل کا واقعہ ہے اور نماز اس کے بعد ہوئی ہے۔

(۹) جون (غلام ابوذر غفاری)

نام ونسب جون بن حوی بن قتادۃ بن الاعور بن ساعدۃ بن عوف بن کعب بن حوی مولیٰ ابی ذر الغفاری۔

طبری کے مطبوعہ نسخہ میں اس واقعہ کے ذیل میں جو امام زین العابدینؑ کی زبانی آئندہ ذکر ہوگا "حوی مولیٰ ابی ذر" لکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ زیارت شہدا جو ناسخ میں درج کی ہے اس میں ہے "السلام علی عون بن حوی مولیٰ ابی ذر الغفاری" یہ بھی بظاہر چھاپہ کی غلطی ہے۔ ابن شہر آشوب نے "عمرو بن مطاع جعفی کی جنگ کے بعد لکھا ہے۔ ثم برز جوین بن ابی مالک مولیٰ ابی ذر مرتجزا کیف تری الفجار ضرب الاسود الخ۔

اکیلے خیمہ میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے پاس جون غلام ابوذر غفاری تھے جو آپ کی تلوار پر صیقل کر رہے تھے، حضرت اُس وقت یہ اشعار پڑھنے لگے۔

یہ ایک بہت بڑا اشتباہ ہے جس کی طرف ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔ جون بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تمیمی، اصحاب امام حسینؑ میں سے ایک بزرگوار تھے جو حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ صاحب مناقب نے اُن کو جون غلام ابی ذر کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے۔

ابتدائی حالات جون حبشی تھے اور فضل بن عباس بن عبدالمطلب کی ملکیت میں تھے، امیرالمومنینؑ نے ڈیڑھ سو اشرفی کو انھیں خرید فرمایا اور ابوذر غفاری کو ہبہ کیا کہ اُن کی خدمت کریں۔ وہ جناب ابوذر کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ انھیں ربذہ کی طرف شہر بدر کیا گیا۔ باوفا غلام اُن کے ساتھ گیا۔ جب ۳۲ھ میں ابوذر کا انتقال ہو گیا تو وہ مدینہ واپس آگیا۔ اور امیرالمومنینؑ کی خدمت میں رہنے لگا۔ اور حضرت کی شہادت کے بعد امام حسنؑ اور پھر امام حسینؑ کے پاس رہا۔

کربلا کے حالات میں جون کا تذکرہ عاشور کے قبل نویں محرم کی شام کے حال میں ملتا ہے جسے امام زین العابدینؑ نے بیان کیا ہے کہ میں اپنے خیمہ میں بیٹھا تھا اور میری پھوپھی جناب زینب میری تیمارداری میں مصروف تھیں اس وقت میرے پدر بزرگوار اپنے اصحاب سے علیحدہ ایک

یادھر اف لك من خلیل   كم لك بالاشراق والاصیل

اس پورے دردانگیز واقعہ کو میں نے "معرکۂ کربلا" (صفحہ ۵۲-۵۷)

میں لکھا ہے۔

طلب رخصت اور امام سے گفتگو

روز عاشور جب جنگ کے شعلے بلند ہو گئے تو جون نے امام سے جہاد کی اجازت مانگی حضرت نے فرمایا "میں تمہیں خصوصیت سے اجازت دیتا ہوں کہ تم میرا ساتھ چھوڑ کر چلے جاؤ اس لئے کہ تم ہمارے ساتھ راحت کے لئے تھے۔ اب ہماری وجہ سے کوئی عذر نہیں کہ مصیبت میں مبتلا ہو"۔

وفادار غلام امام کے قدموں پر گر پڑا اور بوسے دینے لگا عرض کیا "فرزند رسول! یہ کیسے ہو سکتا ہے! راحت کے زمانہ میں تو آپ کے یہاں کے پیالے چاٹوں اور سختی میں آپ کا ساتھ چھوڑ دوں۔ خدا کی قسم میرے جسم سے بدبو آتی ہے اور میرا حسب نسب پست ہے اور میرا رنگ سیاہ ہو۔ آپ اپنے صدقہ میں مجھے جنت کا مستحق بنا دیجئے کہ میری بو خوشبو سے بدل جائے اور میرا حسب شریف ہو جائے اور میرا رنگ سفید ہو جائے بخدا میں آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک کہ یہ سیاہ خون آپ لوگوں کے سفید خون میں مل نہ جائے!

آخر امام نے جہاد کی اجازت دی۔

جنگ اور شہادت

بہادر غلام میدان جنگ میں آیا اور یہ رجز پڑھنا شروع کیا۔

كیف تری الفجار ضرب الاسود   بالمشرفی والقنا المسدد

یذب عن آل النبی احمد

"ذرا گنا ہگار لوگ دیکھیں تو ایک سیاہ غلام کی جنگ کو شمشیر و نیزہ کے ساتھ، جب کہ وہ آل رسول کی امداد میں مصروف ہے"۔

اُس نے جنگ کی اور شہادت حاصل کی ۲

امام کی دعا حضرت کے دل میں غلام کے الفاظ اثر کر گئے تھے۔ آپ لاش پر تشریف لائے اور ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا کی کہ :-

"اللھم بیض وجھہ وطیب ریحہ واحشرہ مع الابرار وعرف بینہ وبین محمد وآلہ۔

"پروردگار! اس کے چہرہ کو روشن کر دے اور اس کی بدبو کو خوشبو سے مبدل کر دے اور اسے اچھے آدمیوں کے ساتھ محشور فرما اور اس میں محمد اور آل محمد کے درمیان شناسائی قرار دے"

شیخ صدوق نے خصائل میں امام محمد باقرؑ کی زبانی امام زین العابدینؑ کی حدیث درج کی ہے کہ جب بنی اسد شہداء کو دفن کرنے قتلگاہ میں آئے تو جون کے جسم سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی

(۱۷)

maablib.org

(۸۰) غلام ترکی

نام "غلام ترکی" کی شہادت امام کے ساتھ اکثر کتب میں مذکور ہی لیکن اُس کے نام کی تعیین انتہائی دشوار ہے۔ ابن شہر آشوب نے صرف اتنا لکھا ہے کہ روی انہ برز غلام ترکی للحسینؑ وجعل یقول۔

"روایت میں ہے کہ ایک ترکی غلام! امام حسین کا میدان جنگ میں آیا اور وہ یہ

رجز پڑھ رہا تھا۔

اس میں نہ تو اس کا نام ہے اور نہ کچھ ابتدائی حالات۔

علامہ مجلسی نے عبداللہ و عبدالرحمٰن غفاریین کی شہادت کے بعد لکھا ہے:۔ ثم خرج غلام ترکی للحسین وکان قاریا للقرآن فجعل یقاتل ویرتجز ویقول۔

"پھر ایک ترکی غلام حضرت کا میدان میں نکلا جو حافظ قرآن تھا وہ جنگ کرتا اور یہ رجز پڑھتا جاتا تھا"

اس سے اتنا زیادہ معلوم ہوا کہ وہ حافظ قرآن تھا۔

سپہر کاشانی نے اتنا لکھا ہے کہ:۔

"حسین علیہ السلام را غلام ترکی بود۔ در بحر اللئالی مسطور است کہ آں غلام را سید الشہداء علیہ السلام ابتیاع نمودہ بفرزند خود زین العابدین علیہ السلام ہبہ فرمود۔"

اس میں بھی نام مذکور نہیں ہے لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ اُسے حضرت نے خرید فرما کر اپنے فرزند امام زین العابدین کو ہبہ کیا تھا۔

علامہ مامقانی نے لکھا ہے

اسلم بن عمرو مولی الحسین علیہ السلام وقد ذکر اهل السیر والمقاتل انہ ع اشتراه بعد وفاة اخیہ الحسن و وهبہ لابنہ علی بن الحسین و کان ابوه عمرو ترکیا وکان اسلم کاتبا عند الحسین فی بعض حوائجہ فلما خرج الحسین من المدینة الی مکة کان اسلم ملازما لہ حتی اتی معہ کربلا فلما کان الیوم العاشر وشب القتال استاذنہ علیہ السلام وکان قارئا

اس سے حسب ذیل خصوصیات کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) اُس کا نام اسلم بن عمرو ہے (۲) امام حسینؑ نے اس کو حضرت حسنؑ مجتبیٰ کی وفات کے بعد خرید فرمایا تھا اور اپنے فرزند زین العابدینؑ کو ہبہ کیا تھا (۳) اُس کا باپ عمرو ترکستان کا رہنے والا تھا (۴) وہ امام کے پاس خطوط وغیرہ کی کتابت کا کام انجام دیتا تھا (۵) وہ حافظ قرآن بھی تھا۔

اس آخری خصوصیت کی بنا پر میں نے اُس کا ذکر حفاظ قرآن کے حالات میں بھی کیا ہے

شیخ محمد سماوی نے اسلم بن عمرو کو بھی درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ امام حسینؑ کا غلام تھا اور اُس کا باپ ترکی تھا۔ وہ میدان جنگ میں آیا اور یہ رجز پڑھ رہا تھا:۔

امیری حسین و نعم الامیر   سرور فؤاد البشیر النذیر

"میرے امیر حسینؑ ہیں اور وہ بہترین امیر ہیں جو بشیر نذیر کے دل کے چین ہیں"۔

وہ جنگ کر کے زخمی ہوا اور زمین پر گرا۔ امام اُس کے سرہانے آئے اور اُسکو گلے سے لگا لیا اور رخسارہ اپنا اُس کے رخسارہ پر رکھا۔ وہ مسکرایا اور جان بحق تسلیم ہوا۔

اس کے بعد پھر عنوان قائم کیا ہے:۔ (واضح الترکی مولی الحرث المذحجی السلمانی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا نام "واضح" تھا۔

اور میرا خیال ہے کہ یہی "واضح" وہ ہے جس کے متعلق اہل مقاتل

نے لکھا ہے کہ وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا۔

البحر من ضربی وطعنی یصطلی الخ

میں پہلے اسی کا تتبع کر چکا ہوں مگر اس کی صحت میں شک ہوتا ہے اس بنا پر کہ اس قافلہ میں جو "عذیب الہجانات" میں امام کی خدمت میں آیا تھا کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے کہ جنادہ بن حارث سلمانی کے ساتھ اُن کا کوئی غلام بھی تھا۔ ہاں بیشک عمرو بن خالد صیداوی کا غلام سعد اُن کے ساتھ تھا جس کا تذکرہ حصّہ اول میں ہو چکا ہے۔

غلام ترکی کے متعلق تمام ناقلین اس کے پہلے تقریباً متفق ہیں کہ وہ امام حسینؑ کا غلام تھا۔ ان کے مقابلہ میں "حدائق وردیہ" ایسی مجہول کتاب پر جو ایک زیدی المذہب مصنف کی تالیف ہے اعتماد مشکل ہے۔ اگر وہ جنادہ بن حارث کا غلام ہوتا تو اُسی ابتدائی موقع پر جس میں اُس قافلہ کے تمام افراد اجتماعی طور پر جنگ کر کے شہید ہوئے تھے یہ بھی شہید ہوتا مگر ایسا نہیں ہے۔ اُس کی شہادت کے بعد امام نے جو برتاؤ اُس کے ساتھ کیا ہے وہ بھی ایک خاص خصوصیت کا پتہ دیتا ہے۔

جنگ اور شہادت

اس بنیاد پر کہ امام نے یہ غلام اپنے فرزند زین العابدینؑ کو ہبہ کر دیا تھا۔ روضۃ الاحباب کی یہ روایت بالکل قرین قیاس ہے کہ جب امام سے اُس نے اجازتِ جہاد مانگی تو حضرت نے فرمایا کہ خیمہ میں جا کر سید سجادؑ سے اجازت حاصل کر و۔

غلام گیا اور زین العابدینؑ سے اجازت حاصل کی پھر تمام اہل حرم کو سلام

اُس نے یہ رجز پڑھنا شروع کیا۔

البحر من طعنی وضربی یصطلی   والجو من نبلی وسھمی یمتلی

اذا حسامی فی یمینی ینجلی   ینشق قلب الحاسد المبجل

"سمندر میں میرے نیزہ و شمشیر کی گرمی سے آگ لگ جائے اور فضا میرے تیروں کی پرواز سے مملو ہو جائے۔ جب میری تلوار میرے ہاتھ میں چمکتی ہے مغرور حاسد کا دل شگافتہ ہو جاتا ہے"

اُس نے جنگ کی اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔

امام زین العابدینؑ کو جو معلوم ہوا کہ آپ کا غلام مصروف پیکار ہے تو آپ کو اُس کی جنگ دیکھنے کا اشتیاق ہوا کہ فرمایا خیمہ کی قنات سامنے سے ذرا ہٹا دی جائے۔ اور آپ اُس کی جنگ ملاحظہ فرماتے رہے۔

کچھ دیر لڑنے کے بعد وہ زخمی ہو کر گرا۔ امام حسینؑ نے یہ قدر فرمائی کہ آپ سرہانے تشریف لائے اور اُس کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور اپنا رخسارہ اُس غلام کے رخسارہ پر رکھا۔ غلام نے آنکھ کھولی اور امام کی اس عزت افزائی کا مشاہدہ کیا تو لبوں پہ مسکراہٹ آئی اور روح جسم سے مفارقت کر گئی۔

(۸۱)

(۸۱) انس بن حارث اسدی

نام و نسب	انس بن حارث بن نبیہ بن کاہل بن عمرو بن صعب بن اسد بن خزیمہ، اسدی کاہلی،

بنو کاہل قبیلہ بنی اسد کی ایک شاخ تھے اور دودان بھی اس قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ انس کا نام بھی حالات کے ذیل میں آپ کی نظر سے گذرے گا۔

زیارت شہداء میں جو تحفۃ الزائر میں درج ہے اور جسے کہ شہید ثانی نے بھی نقل کیا ہے ان کا نام اس طرح ہے (السلام علی انس بن کاہل الاسدی) یہ اسی اصول پر مبنی ہے کہ عرب میں بھی انسان کی نسبت بحیثیت ولدیت اس کے دادا یا پردادا کی طرف دیدی جاتی ہے جیسے علماء میں ابن شہر آشوب یعنی محمد بن علی بن شہر آشوب۔ ابن بابویہ یعنی محمد بن علی بن موسیٰ بن بابویہ۔ ابن طاؤس یعنی علی بن موسیٰ بن الحسن بن طاؤس وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح انس بن حارث بن نبیہ بن کاہل کو انس بن کاہل کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زیارت میں جن کا تذکرہ ہے وہ کوئی اور نہیں ہیں بلکہ وہی ہیں جن کا مورخین و محدثین نے ذکر کیا ہے لیکن آپ کو داد دینا ہوگی صاحب ناسخ کی تاریخی باریک نگاہی کی کہ انھوں نے انس بن کاہل کو ان اشخاص کی فہرست میں درج کیا ہے جنہیں مورخین و محدثین میں سے کسی نے بھی ذکر نہیں کیا ہے اور ان کا نام صرف اس زیارت ہی میں وارد ہوا ہے

ابن شہر آشوب نے قرہ بن قرہ غفاری کے بعد لکھتے ہے کہ مالک بن انس کاہلی میدان جنگ میں آئے

صاحب ناسخ نے بھی اس کا تتبع کیا مگر آخر میں لکھا ہے :-

"ابن زنا گویا نام این مجاہد مالک بن انس نیست بلکہ انس بن حارث الکاہلی است"

غنیمت ہے کہ صاحب ناسخ نے ہلال بن نافع اور نافع بن ہلال کی طرح ان دونوں ناموں کے دو شخص قرار نہیں دئے بلکہ یہ سمجھ گئے کہ یہ انس بن حارث کاہلی ہیں اس میں غلطی سے مالک بن انس کاہلی لکھا گیا ہے۔ مناقب میں جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں اس طرح کی غلطیاں بہت ہیں۔

صحابیت ابن عبد البر قرطبی نے انہیں اصحاب رسول میں درج کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے بیشک اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے:

لا صحبة له وحديثه مرسل وقال المزي له صحبة فوهم.

(انہیں صحبت رسول کا شرف نہیں حاصل تھا اور ان کی حدیث مرسل ہے۔ مزی کا یہ کہنا کہ وہ صحابی تھے درست نہیں ہے۔)

مگر حافظ ابن حجر عسقلانی نے بہت قوت کے ساتھ اس پر اعتراض کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ان کی حدیث مرسل کیسے قرار دی جا سکتی ہے جبکہ اس میں صاف مذکور ہے سمعت رسول اللہ (یعنی میں نے خود حضرت رسول کو یہ فرماتے ہوئے سنا) انہیں صحابہ میں بہت لوگوں نے ذکر کیا ہے جیسے بغوی، ابن سکن، ابن شاہین، دغولی، ابن زبیر، باوردی، ابن منده، ابونعیم وغیرہ۔ ابن اثیر جزری کا بیان ہے کہ ابو احمد عسکری بھی ان کے صحابی ہونے سے متفق ہیں

اشعث بن سحیم نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ

خبر شہادت | مجھ سے انس بن الحارث نے بیان کیا کہ:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول ان ابنی ھذا یعنی الحسین یقتل بارض یقال لھا کربلا فمن شھد ذلک منکم فلینصرہ	میں نے حضرت رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ میرا فرزند یعنی حسین زمین کربلا پر قتل ہوگا۔ جو شخص تم میں سے اُس موقع پر موجود ہو وہ اُس کی نصرت کرے

یہ روایت اصابہ اور اسد الغابہ میں نقل کی گئی ہے اور استیعاب و تجرید اسماء الصحابہ میں اُس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

شہادت | یہ امر کہ وہ کربلا میں شہید ہوئے بالکل متفقہ حیثیت رکھتا ہے ابن عبد البر نے استیعاب میں اُس کی تصریح کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے۔

قال البخاری انس بن الحارث قتل مع الحسین بن علی	بخاری کا قول ہے کہ انس بن حارث حسین بن علیؑ کے ساتھ قتل ہوئے۔

مذکورہ بالا حدیث درج کرنے کے بعد اُسی کے راوی کی زبانی درج کیا ہے۔

فخرج ابن الحارث الی کربلا فقتل بھا مع الحسین	اسی کا نتیجہ تھا کہ انس بن حارث کربلا گئے اور وہاں حسین کے ساتھ قتل ہوئے۔

maablib.org

اسد الغابہ میں بھی یہ موجود ہے یہاں تک کہ ذہبی جو اُن کی صحابیت کے منکر ہیں اس امر سے متفق ہیں کہ وہ امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے ہیں ہمارے علماء میں سے شیخ الطائفہ نے کتاب الرجال میں اصحاب رسول اللہ میں اُن کو درج کرتے ہوئے لکھا ہے۔

انس بن الحرث قتل مع الحسین علیہ السلام	انس بن حارث امام حسین ؑ کے ساتھ قتل ہوئے۔

زیارت شہداء میں بھی جن الفاظ میں اُن پر سلام مذکور ہے وہ اس کے پہلے درج ہو چکے ہیں۔

علامۂ مامغانی یہ روایت درج کرتے ہیں کہ وہ بہت کبیر السن تھے اور رسول اللہ ص کے ساتھ بدر و حنین میں شریک ہو چکے تھے جب روز عاشورا انھیں اجازت جہاد حاصل ہوئی تو انھوں نے عمامہ سے اپنی کمر چست باندھی اور اپنی بھوؤں کو جو آنکھوں پر لٹک آئی تھیں اونچا کر کے رومال سے باندھا۔ امام اُن کو دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے اور دعائے خیر دے رہے تھے (شکر اللہ لک یا شیخ)۔

فاضل سماوی لکھتے ہیں کہ وہ میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

قد علمت کاھلھا و دودان والخندفیون وقیس عیلان

بانّ قومی آفۃ الاقران

"قبیلۂ کاہل اور دودان کے لوگ اور خندف اور قیس عیلان سب واقف ہیں کہ میری قوم کے بہادر میدان جنگ میں ہمسروں کیلئے بلائے جان ثابت ہوتے ہیں۔

یہ وہی رجز ہے جو کچھ اضافہ کے ساتھ مالک بن انس کاہلی کی زبانی ناسخ میں درج ہوا ہے۔

مگر میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ مالک بن انس شہدائے کربلا میں کوئی نہیں تھے۔ یہ انس بن الحارث ہی کا ذکر ہے جو غلطی سے اس نام

کے ساتھ درج ہوا ہے۔

وہ جنگ کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

کمیت بن زید اسدی شاعر نے حبیب بن مظاہر کے ساتھ اُن کا تذکرہ اپنے شعر میں اس طرح کیا ہے:۔

سوی عصبة فیھم حبیب معفر   قضی نحبه و الکاهلی مرمل

(یعنی) اس کے علاوہ بہت سے لوگ جن میں ایک حبیب تھے جو خاک و خون میں آلودہ ہو کر جان بحق تسلیم ہوئے۔ اور کاہلی تھے جو خون میں آغشتہ ہوئے۔"

(۸۲) حجّاج بن مسروق جعفی

جعفی بن سعد العشیرہ کی اولاد میں سے کوفہ کے معزز شیعہ تھے اور امیر المومنینؑ کی صحبت سے شرفیاب ہوئے تھے اور جب امام حسینؑ مکہ معظمہ میں اقامت گزیں ہوئے تو یہ کوفہ سے جا کر مکہ معظمہ میں حضرتؑ کے ہمراہ رکاب ہوئے اور اوقات نماز میں اذان کی خدمت انجام دینے لگے

بعض لوگوں نے انھیں "رکابدار" بھی کہا ہے یعنی مرکب حاضر کرنا اور سواری کا اہتمام بھی اُن کے سپرد تھا

جب امام مکہ معظمہ سے عراق کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو وہ بھی امام کے ساتھ ساتھ تھے۔ راستے کے واقعات میں اُن کا ذکر ملتا ہے۔

خزانۃ الادب الکبریٰ میں لکھا ہے کہ جب امامؑ قصر بنی مقاتل پہونچے حضرتؑ نے ایک خیمہ دیکھا جس کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ عبیداللہ بن حر جعفی کا ہے۔ حضرتؑ نے حجاج بن مسروق جعفی اور یزید بن مغفل جعفی کو اُن کے پاس بلانے کیلئے بھیجا

maablib.org

یہ دونوں آدمی گئے پیغام پہونچایا اور پھر اس کا جواب لائے جس کے بعد امام خود عبید اللہ سے ملاقات کو تشریف لے گئے۔ اس وقت بھی یہ دونوں شخص حضرت کے ساتھ ساتھ تھے۔

اس موقع پر جب حر کے لشکر سے ملاقات ہوئی ہی نماز ظہر کا وقت آیا اس وقت بھی اس کی صراحت موجود ہے کہ امام نے حجاج بن مسروق جعفی کو اذان دینے کا حکم دیا۔

روز عاشورا انھوں نے امام سے اذن جہاد حاصل کیا میدان میں جاکر رجز پڑھی بہت سے دشمنوں کو قتل کیا اور شہید ہوئے۔

زیارت شہدا میں اُن پر سلام موجود ہے (السلام علی الحجاج بن مسروق الجعفی)

(۳۰) زیاد بن عریب ہمدانی

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں انکا نام و نسب اس طرح لکھا ہے۔

"ابو عامر زیاد بن عمرو بن غریب بن حنظلہ بن دارم بن عبد اللہ بن کعب الصائد الہمدانی"۔ اور یہ تصریح کی ہے کہ وہ حسین بن علی کے ساتھ واقعہ کربلا میں قتل ہوئے اور اُن کے باپ کے لئے خدمت رسول میں حضوری کا شرف حاصل تھا

مولف ابصار العین نے اُن کا نسب اس طرح لکھا ہے:۔

"زیاد بن عریب بن حنظلہ بن دارم بن عبد اللہ بن کعب الصائد بن شرحبیل بن شراحیل بن عمرو بن جشم بن حاشد بن جشم بن خیرون بن عوف

سی طرح مرقع یا لرتحل گئے اور اپنی قوم میں مخفی ہو گئے۔ جب امام حسینؑ کی کربلا پہونچنے کی خبر سنی تو قبیلہ کلب کے لوگوں کے ساتھ کربلا آئے اور امام حسینؑ کے انصار میں داخل ہوئے اور روز عاشور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

ابصار العین میں ہے قال السروی قتل فی اوّل حملۃ مع من قتل من اصحاب الحسین علیہ السلام:

"سروی نے کہا کہ وہ حملۂ اولیٰ" میں دیگر اصحاب حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے:

"سروی" سے مراد بظاہر صاحب مناقب ہیں اس لئے کہ ان کا نام ہے "محمد بن علی بن شہر آشوب سروی مازندرانی"

مگر مناقب میں ان کا نام "حملۂ اولیٰ" کے شہدا کی فہرست میں مجھ کو نظر نہیں آیا۔ صاحب ناسخ نے بھی جو حملۂ اولیٰ کے شہدا کی فہرست بالکل مناقب کے تتبع کے ساتھ لکھی ہے اس میں بھی ان کا نام نہیں ہے بلکہ صاحب ناسخ نے ان کو ان شہدا کی فہرست میں درج کیا ہے جن کو مورخین و محدثین نے ذکر نہیں کیا ہے اور ان کے نام صرف زیارت شہدا میں وارد ہوئے ہیں۔

اس لئے میں نے شہدائے کربلا کے حصۂ اوّل میں انکا نام حملۂ اولیٰ کے شہدا میں داخل نہیں کیا۔

زیارت شہدا میں ان پر حسب ذیل الفاظ میں سلام ہے:۔

(السلام علی سالم مولی بنی المدینۃ الکلبی)

(۸۵) سعد بن حارث مولیٰ امیر المومنینؑ

وہ جناب امیرؑ کے غلام تھے حضرتؑ کے بعد امام حسنؑ اور پھر امام حسینؑ کی خدمت

بن ہمدان ابو عمرۃ الہمدانی الصائدی۔

اس میں اور پہلی روایت میں اتنا اختلاف ہے کہ وہاں اُن کی کنیت ابو عامر مذکور تھی۔ یہاں ابو عمرہ۔ وہاں عریب اُن کے دادا کا نام تھا یہاں باپ کا۔ وہاں کعب الصائد کے آگے جس کی طرف صائدی کی نسبت ہے سلسلۂ نسب مذکور نہ تھا یہاں ہمدان تک سلسلہ مذکور ہے۔

انھوں نے لکھا ہے کہ عریب صحابی تھے اور تمام طبقات رجال میں مذکور ہیں اور اُن کے فرزند ابو عمرہ کو جو شہدائے کربلا میں ہیں ادراک یعنی کمسنی میں زیارت رسول کا شرف حاصل تھا اور حافظ ابن حجر کا یہ بیان ہے کہ اُن کے باپ عمرو بن عریب کو ادراک رسول کا درجہ حاصل تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خود اُن کا سن اتنا نہ تھا۔

زیاد بڑے عابد و زاہد شب زندہ دار اور تہجد گذار تھے اور شجاعت میں بڑے بلند پایہ۔ روز عاشور سخت جنگ کرنے کے بعد درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

(۴۸) سالم بن عمرو بن عبد اللہ مولی بنی المدینۃ الکلبی

بنو المدینہ قبیلہ کلب قضاعہ کی ایک شاخ تھے، مدینہ اُن کی ماں کا نام تھا جس کی طرف اُن کی نسبت ہے۔ زید بن حارثہ صحابی اور محمد بن سائب کلبی صاحب تفسیر بھی اسی نسل سے تھے

سالم اسی خاندان کے غلام تھے اور شیعیان کوفہ میں محسوب تھے۔ جناب مسلم کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے۔ اور مسلم کی شہادت کے بعد گرفتار کئے گئے مگر

ہیں ہے۔

علامہ مامغانی لکھتے ہیں کہ اُنھوں نے حضرت رسولؐ کے زمانہ کا بھی ادراک کیا اور امیر المومنینؑ کے زمانہ میں وہ پولس کے محکمہ کے افسر تھے اور آپ نے اُن کو آذربائجان کا حاکم بھی مقرر کیا تھا۔

وہ امام کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے مکہ معظمہ میں حضرتؑ کے ساتھ ہوئے اور پھر کربلا آئے اور روز عاشور اپنی جان امام پر نثار کی۔ ابصار العین میں ہے کہ وہ حملہ اولی میں شہید ہوئے۔ پھر صراحتہً مناقب ابن شہر آشوب کا حوالہ دیا ہے مگر مناقب میں اُنکا ذکر حملہ اولی کے شہدا میں موجود نہیں ہے۔ بیشک امیر المومنینؑ کے حالات میں انھوں نے آپ کے غلاموں کی فہرست میں لکھا ہے کہ:-

"سعد اور نصر دو غلام آپ کے امام حسینؑ کے ساتھ قتل ہوئے"

مگر حملہ اولی کی خصوصیت ثابت نہیں ہے۔ اسی لئے میں نے حصہ اول میں اُنکو اُس فہرست میں درج نہیں کیا۔

(۸۶) عمر بن جندب حضرمی

شیعیان کوفہ میں سے تھے۔ امیر المومنینؑ کے ساتھ جمل اور صفین میں شریک ہوئے۔ ۵۱ھ میں جب حجر بن عدی کا واقعہ درپیش ہوا تو یہ اُن کے اعوان میں محسوب تھے اور اس لئے جب وہ گرفتار کرکے شام بھیجے گئے تو یہ بھاگ کر مخفی ہو گئے یہاں تک کہ زیاد بن ابیہ ہلاک ہوا اُسوقت یہ کوفہ واپس ہوئے۔

جب جناب مسلم کوفہ میں آئے تو انھوں نے مسلم کی اعانت کی اور مسلم کی شہادت کے بعد مخفی طور پر امام کی خدمت میں پہونچ گئے اور حضرت کے ساتھ رہے یہاں تک کہ روز عاشور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے ۔

زیارت شہداء میں ان پر سلام موجود ہے صاحب ناسخ نے انکا نام ان شہداء کے ذیل میں درج کیا ہے جنکو مورخین و محدثین نے نہیں لکھا ہے اور صرف زیارت میں انکا نام مذکور ہے۔

(۸۷) قعنب بن عمرو النمری

شیعیان بصرہ میں سے تھے ۔ حجاج بن زید سعدی کے ساتھ امام کی خدمت میں آئے اور روز عاشور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے ۔

زیارت شہداء میں ان پر سلام کیا گیا ہے۔

بیشک ان کے نام کے ساتھ کی نسبت میں نسخوں میں بڑا اختلاف ہے ابصار العین میں "نمری" تنقیح المقال میں ہے "نمیری" زیارت شہداء کے ایک نسخہ میں ہے "تملی" ناسخ میں جہاں زیارت درج کی ہے وہاں ہے "تمری" اور ان کا نام فہرست میں ان شہداء کی جنھیں مورخین و محدثین نے نہیں لکھا ہے مگر زیارت میں ان کا نام مذکور ہے جب لکھا ہے تو وہاں ہے "تمیری"۔

(۸۸) یزید بن ثبیط العبدی

ان کے دو فرزندوں کا تذکرہ اس کے پہلے حصۂ اول میں آیا ہے جن کے نام کے ساتھ "قیسی" لکھا گیا ہے ۔ زیارت شہداء میں خود یزید کے

نام کے ساتھ قیسی ہے بعض کتابوں میں اُنھیں "القیسی العبدی" لکھا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ قبیلۂ قیس عیلان سے نہ تھے بلکہ قبیلۂ عبدالقیس کے تھے۔ اس لئے نسبت میں کبھی پہلے جزو کا لحاظ کیا جاتا ہے اور کبھی دوسرے کا۔

یزید بن ثبیط شیعیان بصرہ میں سے تھے اور ابوالاسود دوئلی (شاگرد امیرالمومنینؑ) کے مصاحبین میں سے۔

جب امام حسینؑ مکہ سے بارادۂ عراق روانہ ہوئے ابن زیاد نے بصرہ کے گورنر کو یہ خط لکھا کہ "بصرہ کے لوگوں سے ہوشیار رہنا کوئی شخص نصرت حسینؑ کے لئے جانے نہ پائے" مگر بصرہ میں عبدقیس کے قبیلہ کی ایک عورت ماریہ بنت منقذ بڑی پختہ شیعہ تھی۔ اُسی کا مکان شیعیان بصرہ کے اجتماع کا مرکز تھا۔ یزید بن ثبیط نے امام کی نصرت کا ارادہ کیا۔ اُن کے دس فرزند تھے جن کو اُنھوں نے اپنے ساتھ چلنے کی ترغیب دی۔ دو اُن میں سے تیار ہوئے۔ عبداللہ بن ثبیط اور عبیداللہ بن ثبیط (ان ہی دونوں کا تذکرہ حصہ اول میں ہوا ہے) جب ان کے ساتھیوں کو جو اُس مکان میں جمع ہوتے تھے معلوم ہوا۔ سب نے اُن کو خوف دلایا اور کہا کہ نکلنا مشکل ہے۔ مگر مجاہد راہ خدا کا ارادہ مستحکم تھا اُس نے جواب دیا کہ "جب میرے قدم باہر نکل گئے تو پھر میرا ماننا غیر ممکن ہے۔" کچھ اور لوگ بھی اُن کے ہمراہ ساتھ ہو گئے۔ امام عراق کے راستہ میں ابطح کی منزل پر وارد ہوئے تھے جب یہ لوگ اُس مقام پر پہنچے۔ اور امام کے خیمہ کی طرف شرف ملاقات حاصل کرنے کو آگئے۔ امام خود یہ سن کر کہ یہ لوگ آئے ہیں ملنے

کے لئے دوسرے راستے سے اُن کے جائے قیام پر تشریف لیجا چکے تھے اور جب اُنھیں نہ پایا تو وہیں انتظار کے لئے بیٹھ گئے تھے۔ یہ لوگ مایوس ہو کر واپس ہوئے تو امام کو اپنے ہی یہاں بیٹھا پایا۔ اُس وقت کی ان کی خوشی کا اندازہ غیر ممکن ہے۔ اُنھوں نے یہ آیت پڑھی (بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا) یعنی خدا کے فضل و رحمت سے مومنین کو خوش ہونا چاہئے

اس کے بعد امام کی خدمت میں سلام عرض کیا اور عزم نصرت کا اظہار کیا۔ امام نے دعائے خیر دی۔

روز عاشور یہ اپنے دونوں فرزندوں سمیت درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اُن کے بیٹے پہلے حملہ اولیٰ میں قتل ہوئے اور یہ خود اُسکے بعد جنگ کر کے شہید ہوئے

(۸۹) یزید بن زیاد بن مہاصر ابو الشعثاء کندی بہدلی

بنو بہدلہ قبیلہ کندہ کی ایک شاخ تھے۔ ابو الشعثا اسکی جماعت میں سے ہیں۔ وہ شیعیان کوفہ میں سے شریف بہادر اور جنگ آزما تھے۔ امام کی خدمت میں حر کی ملاقات سے پہلے پہونچے اور یہ ہمراہ رکاب رہے

جب حر کی فوج نے امام کی مزاحمت کی اور آخر میں طے پایا کہ ایک ایسے راستہ پر روانگی ہو جو نہ کوفہ جاتا ہے اور نہ مدینہ پہونچتا ہے۔ اور قافلہ روانہ ہوا اور نینوا کے حدود تک پہونچا تو ایک سوار کوفہ کی طرف سے آیا جو ابن زیاد کا خط لایا تھا حر کے نام۔ یہ مالک بن نسر بدی تھا۔

یزید بن زیاد بن مہاصر نے جو اس شخص کو دیکھا تو پہچانا چونکہ وہ بھی قبیلۂ کندہ کا شخص تھا اس لئے اُنھوں نے اُس سے کہا کہ یہ تو نے کیا

maablib.org

غضب کیا۔ اس کام کے لئے تو آیا" اُس نے کہا "میں نے تو اپنے امام کی اطاعت کی ہے اور اپنی بیعت کو پورا کیا ہے"۔ ابو الشعثاء نے کہا کہ تو نے خدا کی تو نافرمانی کی اور اپنے امام کی اطاعت کی اور اپنے نفس کی ہلاکت کا سامان مہیا کیا اور ہمیشہ کیلئے ننگ و عار اور آتش جہنم کا مستحق بنا۔ خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ وجعلنا منھم ائمۃ یدعون الی النار و یوم القیامۃ لا ینصرون "کچھ ایسے امام ہیں جو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور روز قیامت اُن کی کوئی فریاد رسی نہیں ہوگی"۔

"بیشک تیرا امام ایسا ہی ہے"۔

اس کے ساتھ طبری کی یہ روایت عجیب ہے کہ وہ عمر سعد کے ساتھ کوفہ سے اُس فوج میں شامل ہو کر آئے تھے لیکن جب امام حسینؑ کے پیش کردہ صلح کے شرائط مسترد کئے گئے تو وہ آ کر امام حسینؑ سے مل گئے۔

وہ بہت بڑے تیر انداز تھے۔ اپنے گھٹنے ٹیک کر وہ امام کے سامنے بیٹھ گئے۔ طبری کے مطبوعہ نسخہ میں ہے:۔

فرمی بمائۃ سھم ماسقط منھا خمسۃ اسھم "انھوں نے سو تیر پھینکے جن میں سے پانچ تیروں نے خطا نہیں کی"۔

اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ پچانوے ۹۵ تیروں نے خطا کی۔ یہ بالکل عجیب بات معلوم ہوتی ہے لیکن اسکے بعد ہے۔ فلما رمیٰ بھا قام فقال ماسقط منھا الا خمسۃ اسھم ولقد تبین لی انی قد قتلت خمسۃ نفر "جب وہ تیر لگا چکے تو کھڑے ہوئے اور کہا کہ بس پانچ تیروں نے خطا کی ہے اور مجھے معلوم ہوا کہ میں نے پانچ آدمی قتل کئے۔

یہ عبارت بالکل بے معنی قرار پاتی ہے۔ مؤلف ابصار العین نے طبری کا تتبع کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ انھوں نے سو تیر لگائے جن میں سے پانچ نے خطا نہیں کی۔ اور آخر میں یہ لکھا ہے کہ صرف پانچ نے خطا کی۔ یہ عبارتیں متضاد ہیں۔

حقیقت منکشف ہوتی ہے اس مقام پر سپہر کاشانی کی عبارت سے انھوں نے لکھا ہے:

"ودراہشت ہجوں تیر در کنانہ بود ایں جملہ را بسوئے اعدا کشاد و از پنج چوبہ تیر از سہام او خطا نہ کرد و پنج تن را بخاک افگند"[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ طبری میں چھاپہ کی غلطی سے "ثمانیۃ" کے بجائے "مائۃ" ہو گیا ہے۔

ہر مرتبہ تیر پھینکنے کے وقت وہ یہ شعر پڑھتے تھے

انا ابن بھدلہ فرسان العرجلہ

"(یعنی) میں قبیلۂ بہدلہ کا شخص ہوں جو میدان جنگ کے شہسوار ہیں"

امام اُن کو دعا دیتے تھے کہ اللّٰھم سدد رمیتہ واجعل ثوابہ الجنۃ۔
"خداوندا تیر کو نشانہ پر پہونچانا اور اس کا اجر و ثواب جنت قرار دینا" جب تیر ختم ہو گئے تو وہ میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھی۔

انا یزید و ابی مھاصر اشجع من لیث بغیل خادر
یا رب انی للحسین ناصر ولابن سعد تارک وھاجر

(یعنی) میں یزید ہوں اور میرے باپ مہاصر تھے۔ میں شیر بیشہ سے زیادہ بہادر ہوں۔ خداوندا گواہ رہنا کہ میں حسین کا مددگار ہوں اور ابن سعد سے بے تعلق

اختیار کرنے والا ہوں"۔

آخر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

صاحب ناسخ جن کی تاریخی عجائب آفرینیاں آپ کے سامنے بہت آچکی ہیں انھوں نے اس مقام پر کمال کر دیا ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے لکھا ہے:۔

"یزید بن زیاد بن شعثا بمیدان مبارزت آمد الخ۔"

پھر اسی صفحہ میں ابو عمرو نہشلی کی جنگ کے بعد لکھا ہے:۔

"انگاہ یزید بن مہاجر کہ ابو الشعثا کنیت داشت از مردم بنی بہدلہ از طائفہ کندہ بمیدان آمد۔"

پھر اس کے ایک صفحہ بعد اُن لوگوں کی فہرست میں جو بحار وغیرہ عام کتابوں میں مذکور نہیں ہیں لکھا ہے:۔

"نخستین زیاد مصاہر الکندی است عبد اللہ بن محمد رضا الحسینی در جلد دوم جلاء العیون از مؤلفات خود می نویسد کہ بعد از مالک بن انس زیاد بن مصاہر الکندی بر لشکر ابن سعد حملہ کرد الخ۔"

اب آپ دیکھئے کہ ابو الشعثا کنیت کے بجائے پہلی جگہ شعثا دادا کا نام قرار دیا گیا اور دوسری جگہ مہاصر کے بجائے مہاجر قرار دے کر باپ کے نام کے بجائے دادا کا نام رکھا گیا اور تیسری جگہ مہاصر کو بغیر کسی غلطی کے ولدیت میں ذکر کیا گیا اور صاحب ناسخ کا ذہن اس طرف کسی طرح منتقل نہ ہوا کہ یہ سب ایک ہی شخص کے نام کی تبدیلیاں ہیں بلکہ انھوں نے تین مختلف شہید قرار دے لئے۔

(۹۰) یزید بن مغفل جعفی کوفی

امیرالمومنینؑ کے اصحاب میں سے تھے اور آپ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے خریت بن راشد ناجی نے جب سرزمین اہواز میں خروج کیا ہے تو امیرالمومنین نے معقل بن قیس کی سرکردگی میں لشکر روانہ کیا اُس میں یزید بن مغفل میمنہ فوج کے سردار مقرر ہوئے تھے لہ مرزبانی نے معجم الشعراء میں اُن کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ تابعین میں ہیں۔ اُن کے باپ صحابہ میں سے تھے۔ اُنھوں نے روز عاشور امام حسینؑ کی نصرت کی۔ وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

ان تنکرونی فانا ابن المغفل ۔۔۔ شاک لدی الهیجا و غیر اعزل

فی یمینی نصف سیف منصل ۔۔۔ اعلو به الفارس وسط القسطل

اگر نہ پہچانتے ہو مجھے تو پہچان لو کہ میں مغفل کا فرزند ہوں۔ میدان جنگ کا شہسوار اور مکمل اسلحہ رکھنے والا ہوں۔ میرے ہاتھ میں تیز شمشیر رہتی ہے جس کو میں غبار جنگ کے اندر شہسوار دشمن کے سر پہ بلند کرتا ہوں"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے مرزبانی کے حوالہ سے ان اشعار کو نقل کیا ہے۔ زیارت شہداء میں اُن پر سلام مذکور ہے مگر چھاپہ اور کتابت کی غلطی سے کہیں "بدر بن معقل جعفی" ہے اور کہیں "زید بن معقل جعفی"۔

(۹۱) رافع بن عبداللہ مولیٰ مسلم الازدی

مسلم بن کثیر اعرج کا ذکر "حملہ اولیٰ" کے شہداء میں ہو چکا ہے۔ رافع انھی کے غلام تھے۔ اپنے مالک کے ساتھ کربلا میں آئے اور بعد ظہر جنگ کر کے شہید ہوئے۔

سب سے آخری شہداء

(۲۹)

(۹۲) بشر بن عمر و بن الاحدوث الحضرمی الکندی

وہ اصل میں حضر موت کے رہنے والے تھے لیکن کوفہ میں جبلۂ بنو کندہ میں قیام رکھتے تھے اس لئے کندی کہے جاتے تھے۔ جب کربلا میں صلح کی گفتگو ہو رہی تھی اُس زمانہ میں وہ آکر انصار امام میں شامل ہوئے۔ روزِ عاشورہ اُنھیں خبر پہونچی کہ اُن کا فرزند عمرو رے کی سرحد میں قید ہو گیا ہے۔ کہا خدا پر چھوڑتا ہوں میں اُس کو بھی اور اپنے تئیں بھی۔ بیشک اگر مجھے زندہ رہنا ہوتا تو یہ پسند نہ کرتا کہ وہ قید رہے۔ امام کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ تم میری بیعت سے آزاد ہو۔ جاؤ اور اپنے فرزند کی رہائی کی فکر کرو۔ باوفا مجاہد نے کہا کہ "مجھے جیتے جی درندے کھا جائیں اگر میں آپ سے جدا ہوں۔ یہ بھلا کہاں ممکن ہے۔" حضرتؑ نے فرمایا اچھا اپنے فرزند محمد کو بھیجدو اور یہ قیمتی کپڑے لو۔ اُن کی قیمت سے اُس کی رہائی کا سامان کیا جائے۔

حضرتؑ نے پانچ کپڑے مرحمت کئے جن کی قیمت ہزار اشرفی کے قریب تھی۔ اس گفتگو کا ذکر اُن کی زیارت شہداء میں موجود ہے

(السلام علی بشر بن عمرو الحضرمی شکر اللہ لک قولک للحسین وقد اذن لک فی الانصراف اکلتنی اذن السباع حیاان فارقتک۔ واسئل عنک الرکبان واخذلک مع قلة الاعوان لا یکون ہذا ابدا) "سلام ہو بشر بن عمرو حضرمی پر۔ خدا تمہیں جزائے خیر دے تمہاری اس گفتگو پر جو تم نے حسینؑ سے کی اُس وقت

جب اُنھوں نے تم کو واپسی کی اجازت دی تم نے کہا کہ مجھے بیتے جی درندے کھا جائیں اگر میں آپ کو چھوڑوں اور دوسرے آنے جانے والے سواروں سے آپکا حال دریافت کروں اور آپ کی مدد سے خود ہاتھ روکوں۔ اس حالت میں جب آپ کے مددگاروں کی تعداد کم ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

ابصار العین میں لکھا ہے (وقال السروی انہ قتل فی الحملۃ الاولیٰ)

"یعنی ابن شہر آشوب نے کہا ہے کہ وہ حملۂ اولیٰ میں قتل ہو گئے" مجھے مناقب ابن شہر آشوب سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی۔ ضحاک بن عبد اللہ مشرقی کی روایت میں تصریح ہے:-

قال لما رأیت اصحاب الحسین اصیبوا وقد خلص الیہ والی اھلبیتہ ولم یبق معہ غیر سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمی وبشر بن عمرو الحضرمی۔

"اُن کا بیان ہے کہ جب میں نے دیکھا کہ امام حسینؑ کے سب اصحاب شہید ہو گئے اور اب تنہا وہ اور اُن کے عزیز باقی ہیں اور انصار میں سوائے سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی اور بشر بن عمرو حضرمی کے اور کوئی نہیں ہے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اصحاب میں تقریباً سب کے بعد شہید ہوئے ہیں۔ تعجب ہے کہ مصنف ابصار العین نے سوید کے حالات میں اسے درج کرنے کے باوجود بشر کے حالات میں اس کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔

(۹۳) سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمی

ضعیف العمر، ۔۔۔ زاہد اور بڑے نماز گذار تھے۔ لڑائیوں میں بھی

شریک ہوئے تھے اور کارہائے نمایاں انجام دے چکے تھے۔ شیخ طوسی نے رجال میں اُن کو اصحاب امام حسینؑ میں درج کیا ہے۔

روز عاشورہ وہ شریک جنگ تھے۔ اور ابھی آپ ضحاک بن عبداللہ مشرقی کی روایت میں دیکھ چکے کہ جب سب انصار شہید ہو چکے تھے اُس وقت یہ دو شخص باقی تھے۔ بشرؓ بن عمرو حضرمی اور سویدؓ بن عمرو۔ اسکے بعد تاریخ میں بہ صراحت موجود ہے کہ:-

کان آخر من بقی مع الحسینؑ من اصحابہ سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمی۔

"سب سے آخر میں جو شخص اصحاب امام حسینؑ میں حضرت کے ساتھ رہ گئے تھے وہ سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی تھے"۔

اس سے ظاہر ہے کہ وہ بشر بن عمرو حضرمی کے بعد شہید ہوئے ہیں اسی لئے ابصار العین میں تصریح کی ہے کہ جب بشر حضرمی قتل ہو چکے تو سوید آگے بڑھے۔ انھوں نے جنگ کی اور زخمی ہو کر گرے۔ وہ اتنے بے حال تھے کہ سب سمجھے اُن کا کام تمام ہو گیا اور روح جسم سے مفارقت کر چکی ہے۔ مگر اُن میں جان باقی تھی۔ جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو انھیں ہوش آیا اور اُن کے کان میں آواز گئی کہ حسینؑ قتل ہو گئے۔ وہ بیتاب ہو کر اُٹھے اُن کی تلوار لوگ لیجا چکے تھے ایک چھُرا موجود تھا۔ اُنھوں نے اُس سے پاس والے جو دشمن تھے اُن پر حملہ کیا۔ آخر دشمن ٹوٹ پڑے اور اُن کا سر جسم سے جدا کیا۔

بعض دیگر شہداء کے نام جو مختلف کتابوں میں درج ہیں

مذکورہ بالا شہداء وہ ہیں جن کے نام زیارت شہداء میں درج ہیں یا مستند کتب اخبار و تواریخ سے اُن کی شہادت کی واقعہ کربلا میں تصدیق ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ کچھ شہداء کے نام ہیں جو بعض کتابوں میں درج ہیں۔ میرے نزدیک وہ پورے طور سے ثابت نہیں ہیں اس لئے میں اُن کے اسماء حروف تہجی کی ترتیب سے لکھنے کے ساتھ اُن کی مختصر کیفیت اُس کتاب کے حوالہ سے جس میں اُنکا حال مذکور ہے درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

ابراہیم بن الحصین الاسدی

ابن شہر آشوب نے ابو ثمامہ صائدی کے بعد اُن کی جنگ کا ذکر کیا ہے (مناقب جلد ۴ ص ۹۶)

سپہر کاشانی نے اُن اصحاب کی فہرست میں جن کا نام بحار وغیرہ میں نہیں ہے اُن کو ابراہیم بن الحصین کے نام سے درج کیا ہے۔ اور ابو مخنف، لوط بن یحییٰ کا حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے کہ:-

"ہمانا یحییٰ از اصحاب امیر المومنین علیہ السلام است و پسرش لوط کہ مکنی بابی مخنف است در شمار اصحاب حسن و حسین علیہما السلام است چوں حاضر ایں مواقع بود چہ الخبر را دیدہ و آنرا کہ شنودہ یکبارہ خالی از صحت نباید دانست" (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۷۷)

اب اس محققانہ استدلال پر میں کیونکر اعتماد کروں جس کا کوئی

ایک جز و بھی صحیح نہیں ہے۔

ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی کا پورا نام جو تاریخ سے ثابت ہے یہ ہے "لوط بن یحییٰ بن سعید بن مخنف بن سلیم الغامدی" اُن کے پردادا مخنف بن سلیم غامدی وہ تھے جو صحابی تھے اور امیر المومنین کے اصحاب میں سے تھے اور جنگ صفین میں قبیلۂ ازد کے رایت کے حامل تھے اور انھوں نے ۶۴ھ میں سلیمان بن صرد خزاعی وغیرہ کے ساتھ امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے کے سلسلہ میں شہادت پائی۔

رہ گئے ابو مخنف لوط بن یحییٰ وہ غالباً اس وقت دنیا میں موجود بھی نہ تھے وہ امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے تھے اور بعض کا خیال ہے کہ امام محمد باقرؑ کے عہد کا ادراک کیا مگر یہ بھی ثابت نہیں ہے۔ پھر اس کی بنیاد کیا باقی رہتی ہے کہ وہ خود واقعۂ کربلا میں موجود تھے اور اپنے چشم دید واقعات لکھے ہیں اس لئے قابل قبول ہیں۔ پھر ابو مخنف کے اصل مقتل کا دنیا میں وجود بھی نہیں ہے۔

بحار وغیرہ میں اُس کے حوالہ سے کتب قدیمہ کے واسطہ سے روایات درج ہیں لیکن یہ آپ کو معلوم ہو چکا کہ ابراہیم بن الحصین کا ذکر بحار میں نہیں ہے۔

ابو الحتوف الانصاری

"حدائق وردیہ" میں جو ایک زیدی المذہب مصنف کی تالیف ہے اُن کا ذکر ہے۔ اُن کے بھائی سعد بن الحارث الانصاری اور وہ

دونوں لشکر عمر بن سعد میں تھے اور خارج کے فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جب امام حسین کے تمام اصحاب شہید ہو چکے تو حضرت نے آواز استغاثہ بلند کی اور اہل حرم میں نالہ و فریاد کا شور برپا ہوا۔ بس ان دونوں بھائیوں کو تاب نہ رہی اور یہ تلوار کھینچکر فوج اہل کوفہ سے لڑنے لگے اور جان بحق تسلیم ہوئے (ابصار العین ص ۶۲)

ابو عمرو نہشلی

سپہر کاشانی نے یزید بن زیاد بن شعثاء کے بعد اُن کا ذکر کیا ہے اور ابن نما کی مہران مولی بنی کاہل کی زبانی یہ روایت درج کی ہے کہ روز عاشورا میں نے ایک شخص کو دیکھا جو مثل شیر کے حملہ کر رہا تھا اور رجز پڑھ رہا تھا۔ میں نے نام پوچھا تو معلوم ہوا ابو عمرو نہشلی آخر ایک شخص نے قبیلہ بنی تیم اللات سے جس کا نام تھا عامر بن نہشل اُن پر حملہ کیا اور قتل کیا (ناسخ التواریخ جلد ۲ ص ۲۷۶)

مؤلف ابصار العین نے ابن نما کی عبارت کا یہ اقتباس زیاد بن عریب بن حنظلۃ الصائدی الہمدانی کے حال میں درج کیا ہے اس بناء پر کہ اُنکی کنیت ابو عمرہ تھی اور انھوں نے روایت کے الفاظ یہ درج کئے ہیں کہ میں نے نام پوچھا تو معلوم ہوا "ابو عمرہ حنظلی" اس صورت میں "ابو عمرو نہشلی" کی اصلیت کچھ باقی نہیں رہتی۔

احمد بن محمد الہاشمی

ابن شہر آشوب نے عمرو بن قرظۃ الانصاری کے بعد اُن کا ذکر کیا ہے
(مناقب جلد ۴ صفحہ ۹۶)

ہاشمی سے مراد اگر یہ ہو کہ وہ بنی ہاشم سے تھے تو اعزائے امام کے سلسلہ سے بالکل علٰحدہ اصحاب کے ذیل میں اُن کا داخل ہونا عجیب ہے اور پھر بنی ہاشم میں کس شاخ سے وہ متعلق تھے اسکا پتہ نہیں۔

انیس بن معقل اصبحی

ابن شہر آشوب نے جون مولیٰ ابی ذر کے بعد اُن کا ذکر کیا ہے
(مناقب جلد ۴ صفحہ ۹۵)

سپہر کاشانی نے اُن اصحاب کی فہرست میں جن کا ذکر بحار وغیرہ میں نہیں ہے۔ اعثم کوفی کے حوالہ سے اُن کا تذکرہ کیا ہے (ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۷۸)

خالد بن عمرو بن خالد الازدی

"عمرو بن خالد اسدی صیداوی" کا تذکرہ اس کے پہلے ہو چکا ہے ان "اسدی" کے بجائے ابن شہر آشوب نے "ازدی" درج کیا ہے اور عمرو بن خالد ازدی کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ اُن کا فرزند خالد بھی جنگ میں آیا (مناقب جلد ۴ صفحہ ۹۴)

سپہر کاشانی نے بھی اس کا تتبع کیا ہے (ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۶۵)

یعنی، عمرو بن خالد اور ان کے تمام ساتھی جو کوفہ کے راستہ میں امام سے آکر ملحق ہوئے تھے نام بنام تاریخ میں مذکور ہیں۔ اُس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے فرزند بھی اُن کے ساتھ تھے بیشک اُن کا غلام سعد تھا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

سعد بن حارث الانصاری

ان کے بھائی ابوالحتوف انصاریؒ کے ذکر میں ان کا حال درج ہو چکا ہے۔

سعید بن حنظلہ تمیمی

ابن شہر آشوب نے خالد بن عمر ازدی کے بعد اُن کا ذکر کیا ہے (مناقب جلد ۴ صفحہ ۹۷)

تاریخ روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۵۸۳ میں بھی اُن کا حال درج ہے اور سپہر کاشانی نے بھی اُسے نقل کیا ہے (ناسخ جلد ۲ صفحہ ۲۶۵)

شبیب بن جراد الکلابی الوحیدی

علامہ مامقانی نے اُن کا حال درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ علمائے سیر نے ذکر کیا ہے کہ یہ کوفہ کے بہادر تھے اور امیرالمومنین کی صحبت سے شرفیاب ہوئے تھے اور لڑائیوں میں کارنمایاں کر چکے تھے خصوصاً صفین میں اُنھوں نے بڑی جانفشانی سے کام لیا تھا۔

واقف نہیں ہوں ۔ اسے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

طرماح بن عدی

سپہر کاشانی نے ان کا ذکر ان شہداء کی فہرست میں کیا ہے جن کا ذکر بحار وغیرہ میں نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ معلی بن معلی کے بعد طرماح بن عدی میدان میں آئے۔ رجز پڑھی جنگ کی اور شہید ہوئے۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۷۷-۲۷۸)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ طرماح بن عدی اس جماعت کے دلیل (راہ) راستہ بتانے والے رہنما تھے جو عذیب الہجانات میں امام کے پاس آگئی تھی۔ اس کا تذکرہ میں نے پہلے کی کتابوں میں کیا ہے۔ انھوں نے امام کو اس امر کی دعوت بھی دی تھی کہ آپ اجاء اور سلمیٰ کے پہاڑوں پر چل کر قیام جب جناب مسلم کوفہ میں آئے تو انھوں نے مسلم کی بیعت کی اور امام حسینؑ کی جانب سے بیعت لیتے تھے۔ کربلا میں وہ عمر سعد کی فوج میں آئے اور نویں شب تک وہ اسی لشکر میں تھے۔ جب شمر عمر سعد کے پاس ابن زیاد کا خط لایا۔ اور یہ یقین ہو گیا کہ جنگ ضرور ہو گی۔ تو شب عاشور وہ امام کے پاس جا کر ابوالفضل العباس اور ان کے بھائیوں کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ کیونکہ وہ ام البنین مادر عباس کے قبیلہ سے تھے۔ روز عاشور میدان جنگ میں گئے اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے (تنقیح المقال جلد ۲ ص۳)

اب یہ علمائے سیر کون ہیں جن میں سے میں ایک سے بھی

لیجیے۔ وہاں میں ہزار قبیلہ طے کے سواروں کا میں ذمہ دار ہوں کہ وہ آپ کی حمایت کرینگے۔ امام نے اُنھیں دعائے خیر دی تھی اور اس مشورہ کے قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی تھی جس کے بعد طرماح بن عدی یہ کہہ کر رخصت ہوئے کہ میں نے کوفہ سے کچھ غلہ اپنے اہل وعیال کیلئے خریدا ہے اُسے وہاں پہونچا دوں تو پھر آؤں گا۔ اگر آپ کے پاس پہونچ گیا تو آپ کی مدد کروں گا۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ اگر تمھیں آنا ہی تو جلدی کرنا۔ طرماح کہتے۔ غلہ پہونچایا اور اپنے اہل وعیال سے وصایا کرکے روانہ ہو گئے۔ اُن کا بیان ہے کہ میں بنی ثعل کے راستہ سے کوفہ کی جانب چلا جب عذیب الہجانات میں پہونچا تو سماعہ بن بدر سے ملاقات ہوئی جنھوں نے مجھ کو حسین کی شہادت کی خبر سنائی۔ میں اسی جگہ سے واپس ہو گیا۔

عبدالرحمن بن عبداللہ یزنی

ابن شہر آشوب نے اُنکا ذکر مسلم بن عوسجہ کے بعد کیا ہے (مناقب جلد ۴ صفحہ ۹۴-۹۵) اور روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۵۸۴ میں سعید بن عبداللہ حنفی کے بعد اُن کا تذکرہ ہے۔

علی بن مظاہر اسدی

سپہر کاشانی نے اُن کا ذکر کیا ہے فہرست میں اُن شہداء کی جو

ابومخنف اور شرحِ شافیہ کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن یہ پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ مقتل ابومخنف مفقود ہے اور شرح شافیہ مجہول ورنہ اگر انکی کوئی حقیقت فرض کی جائے تو وہ حبیب بن مظاہر کے بھائی معلوم ہوتے ہیں لیکن حبیب کے ساتھ اُن کے کسی بھائی کے ہونے کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں ہے۔ علی بن مظاہر کے متعلق ایک روایت شب عاشور کی ہے جو ذاکرین کی زبانوں پر مشہور ہے لیکن اُس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔

عمرو بن مطاع جعفی

ابن شہر آشوب نے اُن کا ذکر مالک بن انس کاہلی کے بعد کیا ہے (مناقب جلد ۴ ص ۹۵) روضۃ الصفا (جلد ۳ ص ۸۴) میں بھی اُن کا ذکر موجود ہے سپہر کاشانی نے بھی درج کیا ہے (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۷۳)

عمیر بن عبد اللہ مذحجی

ابن شہر آشوب نے اُنھیں سعد بن حنظلہ تمیمی کے درج کیا ہے (مناقب جلد ۴ ص ۹۴) ناسخ (جلد ۶ ص ۳۶۵) میں بھی اُن کا ذکر ہے۔

قرۃ بن ابی قرۃ الغفاری

ابن شہر آشوب نے اُن کو یحییٰ بن سلیم مازنی کے بعد لکھا ہے (مناقب جلد ۴ ص ۹۵) اور روضۃ الصفا (جلد ۳ ص ۸۴) میں بھی اُن کا ذکر ہے۔

مالک بن اوس مالکی

سپہر کاشانی نے اُن شہدا کی فہرست میں جو بحار وغیرہ میں مذکور نہیں ہیں اُن کی شہادت کا تذکرہ اس طرح درج کیا ہے:-

"دیگر مالک بن اوس المالکی بروایت اعصم کوفی کہ از بزرگان علمائے اخبار و موثقین راویان آثار است باشمشیر کشیدہ بمیدان تاخت الخ (ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۷۸)

اب کس طرح اس کا یقین ہو جبکہ اعصم کوفی جس کو صاحب ناسخ "از بزرگان علمائے اخبار و موثقین راویان آثار" لکھ رہے ہیں ایک بالکل مجہول شخص ہے جس کی کوئی اصلیت ثابت نہیں۔

مالک بن دودان

ابن شہر آشوب نے اُن کی شہادت کو غلام ترکی کے بعد ذکر کیا ہے۔ (مناقب جلد ۴ صفحہ ۹۵-۹۶)

ناسخ نے اُن شہدا کی فہرست میں جو بحار وغیرہ میں درج نہیں کئے گئے ہیں جابر بن عروہ غفاری کے بعد لکھا ہے "از پس او مالک بن داؤد حضرت امام علیہ السلام را اسلام داد و بمیدان شتافت (ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۷۸)

محمد بن مطاع

سپہر کاشانی نے شرح شافیہ کے حوالہ سے اُن کی شہادت کا ذکر کیا ہے (ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۷۸)

معلی بن العلی

شرح شافیہ اور ابو مخنف کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ بڑے بہادر تھے جنگ کرکے زندہ گرفتار کئے گئے اور عمر بن سعد کے پاس لیجائے گئے اُس نے بھی اُن کی بہادری کی تعریف کی اور اُن کے سر قلم کرنے کا حکم دیا (ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۲۷۷)

یحییٰ بن سلیم مازنی

اُن کا ذکر ابن شہر آشوب نے عبدالرحمن بن عبداللہ یزنی کے بعد کیا ہے۔ (مناقب جلد ۴ صفحہ ۹۵ - روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۲۹۴) میں بھی اُن کا ذکر ہے۔

یحییٰ بن کثیر انصاری

اُن کا ذکر سپہر کاشانی نے کیا ہے اور ابو مخنف اور شرح شافیہ کا حوالہ دیا ہے۔ (ناسخ جلد ۲ صفحہ ۲۷۱)

یحییٰ بن ہانی بن عروہ مرادی

حضرت مسلم کو پناہ دینے والے ہانی کے فرزند۔ علامہ مامقانی نے اہل سیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب ہانی اور مسلم قتل ہو گئے تو ہانی کے فرزند یحییٰ بھاگ کر اپنی قوم کے پاس مخفی ہو گئے جب انھیں امام حسینؑ کے کربلا میں ورود

کی اطلاع ہوئی تو وہ کربلا آکر حضرت کے ہمراہ ہوئے اور روز عاشور شہید ہوئے (تنقیح المقال، جلد ۳ ص ۳۲۳)

اہل سیر سے کون لوگ مراد ہیں؟ یہ راز سربستہ ہے، طبری کی روایت کے بالکل اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے، اس میں ان کی زبانی روایت درج ہے جو واقعہ کربلا سے متعلق ہے۔

"ہشام بن محمد کلبی کہتے ہیں کہ مجھ کو ابو مخنف نے اطلاع دی اُن سے یحییٰ بن ہانی بن عروہ نے بیان کیا کہ نافع بن ہلال روز عاشور جنگ کر رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے (انا الجملی انا علی دین علی) لے

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعہ کربلا میں شہید نہیں ہوئے۔

یہ وہ نام ہیں جن کی حقیقت پر مجھے ابھی کافی بھروسا نہیں ہے۔ ممکن ہے مجھے اس کے بعد بعض ناموں کے متعلق کافی رجحان پیدا ہو جائے تو میں انھیں شہداء کی فہرست میں داخل کر دوں

MAAB
maablib.org

(۱)

بنی ہاشم میں سب سے پہلا شہید

عام طور سے بنی ہاشم میں سب سے پہلے فرزندان مسلم کی شہادت کا تذکرہ ہوتا ہے اور سب سے آخر میں جناب علی اکبرؑ کے میدان جنگ میں جانے کا تذکرہ کیا جاتا ہے مگر تاریخ اور حدیث دونوں کی معتبر شہادت کی بنا پر میں جس نتیجہ پر پہونچا ہوں وہ یہ کہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے شہید جناب علی اکبرؑ ہیں۔ اسی خیال پر میں نے "اسوۂ حسینی" میں زور دیا ہے۔ اور اسی کو "مجاہدۂ کربلا" میں درج کیا ہے اور اسی پر اب بھی قائم ہوں۔

طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:۔

کان اوّل قتیل من بنی ابی طالب یومئذ علی الاکبر بن الحسین بن علی۔ "سب سے پہلے مقتول اُس دن ابو طالب کی اولاد میں سے علی اکبرؑ ہیں، جو حسین بن علی کے فرزند تھے"۔

ابصار العین میں ہے:۔

قال ابو الفرج وغیرہ وکان اول من قتل بالطف من بنی ہاشم بعد انصار الحسینؑ علی بن الحسینؑ "صاحب اغانی وغیرہ نے لکھا ہے کہ انصار امام حسینؑ کے بعد واقعۂ کربلا میں سب سے پہلے بنی ہاشم میں سے جو شہید ہوئے وہ علی بن حسینؑ ہیں"۔

شیخ ابن ادریس حلی نے سرائر میں لکھا ہے:۔

ھو اول قتیل فی الوقعۃ یوم الطف من آل ابی طالب" وہ

سب سے پہلے مقتول ہیں واقعۂ کربلا میں ابو طالب کی اولاد میں سے"

اور علامہ سید محسن امین عاملی اعیان الشیعہ (ج ۲ ص ۲۳۷) میں لکھتے ہیں:۔

"ھو اول قتیل یوم کربلاء من آل ابی طالب"

اس کے علاوہ زیارت شہداء میں جو علامہ مجلسی کی تحفۃ الزائر میں سولھویں زیارت ہے جناب علی اکبر کے متعلق یہ الفاظ ہیں:۔

السلام علیک یا اول قتیل من نسل خیر سلیل من سلالۃ ابراھیم الخلیل "سلام ہو آپ پر اے سب سے پہلے مقتول اولاد میں سے بہترین شخص کی اولاد ابراہیم خلیل میں سے"

ان تصریحات کی موجودگی میں ہم اس روایت کے قبول کرنے سے قاصر ہوں جو مناقب ابن شہر آشوب وغیرہ میں درج ہے اور جس کو شہرت عام کا درجہ حاصل ہو گیا ہے کہ جناب علی اکبر واقعہ کربلا میں سب سے آخر میں شہید ہوئے ہیں۔

حضرت علی اکبر

نام و نسب اور لقب آپ کا نام علی ہے اور سید الشہداء حضرت امام حسین کے فرزند تھے۔ والدہ آپ کی لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود بن معتب الثقفی۔ اور لیلیٰ کی ماں میمونہ بنت ابی سفیان بن حرب ہیں۔ اس طرح جناب علی اکبر باپ کی طرف سے تو بنی ہاشم ہیں اور ماں کی طرف سے قبیلۂ ثقیف میں داخل تھے اور آپ کی والدہ امیر شام معاویہ بن ابی سفیان

کی بھانجی اور بادشاہ وقت یزید بن معاویہ کی پھوپھی زاد بہن ہوتی تھیں۔
اس لحاظ سے جناب علی اکبر کو موافق اور مخالف سب عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپ کی عظمت کا احساس کرتے تھے۔

عام طور سے آپ کے نام کے ساتھ "اکبر" کی لفظ بطور لقب مستعمل ہوتی ہے اس لئے یہ خیال ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ مگر اس معاملہ میں شہرت اس کے خلاف ہے یعنی عام طور سے یہ مشہور ہے کہ واقعۂ کربلا میں آپ کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی اور آپ اپنے بھائی امام زین العابدینؑ سے چھوٹے تھے۔ اس صورت میں آپ کے نام کے ساتھ "اکبر" کی لفظ کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ آپ بہ نسبت علی اصغر کے جو طفل شش ماہہ تھے بڑے ہیں اور اُن کے لحاظ سے اکبر کہے جاتے ہیں۔

اچھا پھر آیئے دیکھیں کہ حقیقت اس مسئلہ میں کیا ہے۔

سب سے پہلے ہمارے سامنے شیخ مفید طاب ثراہ کی کتاب الارشاد آتی ہے جس میں جناب "علی اکبر" کو "علی اصغر" کے نام سے یاد کیا ہے اور علی اکبر امام زین العابدینؑ کو قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

للحسین ستۃ اولاد علی بن الحسین الاکبر کنیتہ ابو محمدؑ وامہ شاہ زنان بنت کسریٰ یزدجرد وعلی بن الحسین الاصغر قتل مع ابیہ بالطف وامہ لیلیٰ بنت ابی مرۃ بن عروۃ بن مسعود الثقفیۃ الخ

"یعنی امام حسینؑ کے چھ فرزند تھے۔ پہلے علی بن حسین اکبر آپ کی کنیت ابو محمد ہے اور آپ کی والدہ شاہ زناں بنت کسریٰ یزدجرد تھیں۔ دوسرے

علی بن حسین اصغر آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ واقعۂ کربلا میں شہید ہوئے اور آپ کی والدہ ام لیلیٰ بنت ابی مرّہ بن عروہ بن مسعود تھیں۔"

شیخ طوسی نے کتاب الرجال میں اصحاب امام حسینؑ کے ذیل میں جناب علی اکبر کا تذکرہ کیا ہے تو ان ہی الفاظ میں :۔

"علی بن الحسین الاصغر قتل معہ امّہ لیلیٰ الخ" علی بن حسین اصغر آپ کے ساتھ قتل ہوئے۔ آپ کی والدہ لیلیٰ تھیں"۔

سید ابن طاؤس کا قول بھی ربیع الشیعہ سے یہی نقل کیا گیا ہے کہ علی بن الحسین الاکبر زین العابدین ہیں جن کی والدہ شاہ زناں دختر کسریٰ یزد جرد تھیں اور علی اصغر تھے جو اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شہید ہوئے اور لوگ غلطی سے آپ ہی کو علی اکبر کہتے ہیں۔"

علامہ حلی نے خلاصۃ الرجال میں بھی اسی کا تتبع کیا ہے اور کہا ہے۔ "علی بن الحسین الاصغر قتل معہ بالطف"۔ علی بن حسین اصغر ہیں جو کربلا میں حضرت کے ساتھ شہید ہوئے"۔

دوسری طرف شیخ ابن ادریس حلی اس سے شدید اختلاف رکھتے ہیں انھوں نے سرائر کی کتاب المزار میں اس پر مستقل طور سے بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تاریخی مسئلہ ہے۔ اس میں علماء و فقہا کے اقوال سے زیادہ مورخین اور علمائے انساب کے بیانات معتبر ہیں۔ جیسے زبیر بن بکار۔ کتاب انساب قریش میں اور ابو الفرج اصفہانی مقاتل الطالبیین میں اور بلاذری اور مزنی لباب فی اخبار الخلفاء میں اور عمری نسآ

کتاب المجدی میں انھوں نے اس کی پوری تحقیق کی ہے اور کہا ہے کہ "ناواقف افراد کا یہ خیال ہے کہ علی جو کربلا میں شہید ہوئے ہیں وہ چھوٹے تھے، یہ بالکل غلطی اور توہم ہے"۔ اور یہی قول صاحب کتاب الزواجر والمواعظ نے اور ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں۔ اور ابن جریر طبری نے جو اس بارے میں ایک محقق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ابن ابی الازہر نے اپنی تاریخ میں اور ابو حنیفہ دینوری نے اخبار طوال میں اور صاحب کتاب الفاخر نے جو ہمارے علمائے امامیہ میں سے تھے جن کا ذکر شیخ طوسی کی کتاب فہرست مصنفین میں موجود ہے اور ابو علی ابن ہمام نے کتاب الانوار میں جو اہلبیت کے حالات اور ولادت و وفات کی تاریخ میں ہے اور وہ ہمارے علماء میں سے صاحب تصنیف اور محققین کے زمرہ میں داخل ہیں۔ یہ سب اسی قول پر متفق ہیں۔ اور ان کا قول زیادہ مستند ہے۔ اور آخر ہمارے نقطۂ نظر سے اس میں حرج ہی کیا ہے کہ کربلا میں شہید ہونے والی علی بڑے ہوں اور وہ علی جو امام ہیں اپنے پدر بزرگوار کے بعد چھوٹے ہوں۔ آخر حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب بھی تو اپنے باپ کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔ لیکن اس کی وجہ سے آپ کے درجہ میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوئی۔

شہید اول نے دروس میں اس سے اتفاق کیا ہے اور جناب علی اکبر کی زیارت کے حکم کے بعد لکھا ہے۔ "وھوا الاکبر علی الاصح"۔ "آپ بنابر قول اصح سب سے بڑے تھے"۔

ابن شہر آشوب نے بھی مناقب (ج ۳ ص ۱۰۹) میں تحریر کیا ہے:۔

ابناؤہ علی الاکبر الشہید امہ برّہ بنت عروۃ بن مسعود الثقفی وعلی الامام وھو علی الاوسط وعلی الاصغر فھما من شہر بانویہ

"امام حسین کے فرزند پہلے علی اکبر جو کربلا میں شہید ہوئے۔ دوسرے علی جو امام ہیں آپ علی اوسط تھے یعنی اپنے بھائیوں میں منجھلے تھے اور علی اصغر یہ دونوں شہر بانو کے بطن سے تھے"۔

میرے خیال میں ایک محتاط فیصلہ کرنے والے کے اس اختلاف میں پاؤں ٹھٹھک جائیں گے اور وہ کوئی رائے قائم نہ کر سکے گا۔

ایک طرف شیخ مفید، شیخ طوسی، سید ابن طاؤس اور علامہ حلی ایسے جلیل القدر مجتہدین ہیں۔ اور دوسری طرف ابن ادریس، شہید اول اور ابن شہر آشوب اور وہ کثیر التعداد مورخین جن کا حوالہ ابن ادریس نے دیا ہے۔ اگرچہ مجھے ان تمام مورخین کے بیانات کے متعلق پورے طور پر اطمینان نہیں ہے کہ انھوں نے اس معاملہ میں صراحت سے کام لیا ہوگا جبکہ مذکورۂ بالا حوالوں میں طبری کا نام بھی موجود ہے۔ لیکن تاریخ طبری میں اس امر پر کوئی واضح تبصرہ نہیں ہے۔ سوائے اُن الفاظ کے جو پہلے درج ہو چکے ہیں کہ کان اول قتیل من بنی ابی طالب یومئذ علی الاکبر ابن الحسین بن علی۔ اس میں آپ کے نام کے ساتھ اکبر موجود ہے۔ مگر میں کہہ چکا ہوں کہ یہ یقینی دلیل اس متنازع فیہ مسئلہ کے متعلق نہیں ہے جبکہ آپ کے نام کے ساتھ اکبر عام طور پر مشہور ہے حالانکہ عموماً آپ کو

امام زین العابدین سے چھوٹا سمجھا جاتا ہے۔ اس صورت میں اکبر کے معنی یہ ہوئے ہیں کہ آپ کربلا میں نشانۂ تیر ستم ہونے والے علی اصغر سے بڑے ہیں جیسا کہ مشہور ہے۔ ممکن ہے اسی شہرت کی بنا پر طبری میں اکبر کی لفظ آپ کے نام کے ساتھ درج کر دی گئی ہو۔ کیا نہیں ممکن ہے کہ دوسرے مورخین کی کتابوں میں بھی صرف اتنا ہی ہو جسے شیخ ابن ادریس نے اپنے قول کی دلیل قرار دیا ہے۔

ولادت آپ کا سن واقعۂ کربلا میں اٹھارہ برس مشہور ہے۔ اس صورت میں آپ کی ولادت ۴۲ھ میں قرار پاتی ہے۔ اور یہ وہ وقت تھا جب امیر المومنینؑ کی شہادت ہو چکی تھی اور حضرت حسن مجتبیٰ امام خلق تھے۔

اور چونکہ امام زین العابدینؑ کی ولادت بزمانۂ امیر المومنینؑ ہونا مسلم ہے اس لئے یقیناً آپ امام زین العابدین سے چھوٹے ہونگے اسی بنا پر آقا شیخ عبداللہ مامقانی نے تنقیح المقال (ج ۲ ص ۲۸۱) میں آپ کے سن ہی کو مذکورہ بالا مسئلہ میں فیصلہ کن قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

حیما ملأت بہ کتب السیر والاشعار ان عمرہ الشریف عند شہادتہ ثمانیۃ عشر سنۃ فیکون اصغر من السجادؑ بخمس او ست او سبع سنین۔

"کتب سیر اور اشعار بھرے پڑے ہیں اس سے کہ آپ کی عمر شہادت کے موقع پر اٹھارہ برس کی تھی۔ لہٰذا آپ حضرت سجاد سے پانچ چھ یا سات برس چھوٹے تھے۔"

مگر ظاہر ہے کہ آپ کی عمر کا اٹھارہ برس ہونا اُس شہرت کی بنا پر ہے کہ آپ امام زین العابدین سے چھوٹے ہیں ۔ جو لوگ آپ کو امام سے بڑا سمجھتے ہیں وہ آپ کی عمر بھی اتنی تسلیم نہیں کریں گے چنانچہ ابن ادریس حلی رہ سرائر میں لکھتے ہیں کہ آپ خلافت عثمان میں پیدا ہوئے ہیں ۔ اور آپ نے اپنے جد بزرگوار حضرت علی بن ابیطالب سے احادیث کی روایت بھی کی ہے ۔ اور اُسی زمانہ میں شعراء آپ کی مدح میں اشعار بھی نظم کرنے لگے تھے ۔ چنانچہ ابو عبیدہ اور خلف احمر جو دو بڑے ادیب تھے ۔ اُنھوں نے حسب ذیل اشعار نقل کئے ہیں کہ وہ امام حسینؑ کے فرزند علی اکبر جو کربلا میں شہید ہوئے ہیں اُن کی مدح میں کہے گئے ہیں ۔ یہ اشعار بعد میں نقل کئے جائیں گے ۔

اب چونکہ عثمان کی خلافت ۳۵ھ میں ختم ہوئی ہے ۔ اس لئے اگر آپ کی ولادت بالکل آخری دور میں اس خلافت کے قرار دی جائے ۔ تب بھی امیر المومنین کی شہادت کے وقت آپ کی عمر کم از کم چھٹے برس میں ہوتی ہے اور پھر ۵۰ھ میں امام حسن کی وفات کے وقت ۱۵ برس ۔ پھر واقعۂ کربلا میں جو ۶۱ھ کے شروع میں ہے ۲۶ اور کم از کم ۲۵ برس ۔ اسی لئے دوسرا قول آپ کی عمر کے متعلق یہی ہے ۔ جیسا کہ ابن شہر آشوب نے آپ کی جنگ اور شہادت کے حالات میں لکھا ہے :-

تقدم علی بن الحسین الاکبر وھو ابن ثمان عشرۃ

ـ ـ سنہ ویقال ابن خمس وعشرین.

"علی اکبر فرزند امام حسینؑ میدان جنگ میں آئے اور آپ کی عمر اٹھارہ برس اور بقولے پچیس برس تھی"۔

اگرچہ ابن شہر آشوب کی تحقیق کی بنا ء پر کہ آپ امام زین العابدینؑ سے بڑے ہیں جس کی صراحت اس کے پہلے اُن کے کلام میں آپ دیکھ چکے ۔ یہ دوسرا قول پہلے نقل ہونا چاہیے تھا اور پہلے قول کو قول غیر کی صورت سے نقل ہونا چاہیے ۔ مگر یہ علاّمہ ابن شہر آشوب کے اس طرح کے مسامحات ہیں ۔ جن کی مثال مناقب میں کثرت کے ساتھ موجود ہے ۔ اب اگر ابن ادریس کے اس بیان پر نظر ڈالیے کہ آپ نے اپنے جد بزرگوار امیر المومنین سے احادیث کی روایت کی ہے اور اُسی زمانہ میں شعراء آپ کی مدح میں اشعار نظم کرنے لگے تھے اور وہ اشعار جیساکہ آپ دیکھیں گے اس طرح کے نہیں ہیں جو کسی بچہ پر منطبق ہو سکیں بلکہ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح ایک کامل مرد ہے اور اس صورت میں آپ کی عقل اس کو قبول نہ کر سکے کہ آپ کا سن امیر المومنین کی شہادت کے وقت صرف پانچ سال تھا تو آپ یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ آپ کی عمر شاید اس سے زیادہ تھی ، اور اس صورت میں واقعہ کربلا میں آپ کی عمر تیس سال کے حدود میں ہوتی ہے جسے بھرپور جوانی کا زمانہ سمجھنا چاہیے مگر اس عمر کی تصریح مجھے پیش نظر کتابوں میں کہیں دستیاب نہیں ہو سکی ۔

اوصاف جناب علی اکبر اپنی عمر کی ابتدائی منزلوں ہی میں اُن بلند اوصاف پر فائز تھے جن کے سامنے دوست اور دشمن سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور تھے اور آپ کی عظمت کا احساس اپنوں سے آگے بڑھ کر غیروں تک پہونچ چکا تھا اس حد تک کہ شام کے دربار میں اُس کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اس حقیقت کو ابوالفرج اصفہانی اموی نے درج کیا ہے کہ ایک روز معاویہ نے اپنے حاضرین دربار سے پوچھا کہ تمھارے نزدیک اس منصب خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

مجمع خوشامدیوں کا تھا۔ سب نے کہا "آپ"۔ کہا نہیں! سب سے زیادہ اس کے مستحق حسین بن علی کے فرزند علی ہیں جن کے دادا رسول اللہ ہیں اور اُن میں بنی ہاشم کی شجاعت، بنی امیہ کی سخاوت اور قبیلہ ثقیف کی خودداری۔ یہ تمام صفتیں بہم موجود ہیں۔

اس گفتگو میں اگرچہ اُس متعصبانہ ذہنیت کا مظاہرہ موجود ہے خالص ہاشمی خاندان کے افراد کے استحقاق کو تسلیم کرنے سے سد راہ ہوتی ہے اور اس لئے تلاش کی جاتی ہے ایسی فرد کا جس میں بنی امیہ کے ساتھ بھی کوئی تعلق موجود ہو لیکن اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب علی اکبر میں کچھ ایسے اوصاف ضرور موجود تھے جو اس تنگ نظری کی فضا میں بھی ایک ممتاز حیثیت سے نمایاں تسلیم کئے جاتے ہوں۔

یہ بھی آپ علامہ ابن ادریس کی زبانی سن چکے کہ خود امیر المومنینؑ

کے زمانہ میں جناب علی اکبر کی شان میں شعراء اشعار نظم کرنے لگے تھے۔ وہ اشعار جو اس سلسلہ میں نقل کئے گئے ہیں حسبِ ذیل ہیں۔

لم ترعین نظرت مثلہ   من محتفٍ یمشی ولا ناعل

"کوئی بھی زمین میں اُن کے مثل آنکھوں سے دکھلائی نہیں دیا۔"

یغلی نھیئی اللحم حتی اذا   انضیج لم یغل علی الآکل

"اُن کے ضیافت خانہ میں مہمانوں کے لئے گوشت برابر پکتا رہتا ہے اور جب پک جاتا ہے تو مہمانوں سے عزیز نہیں کیا جاتا۔"

کان اذا شبت لہ نارہ   یوقدھا للشرف القائل

"جب اُن کے مہمان خانہ کی آگ روشن ہوتی ہے تو اُن کی نمایاں عزت اور بزرگی وہ ہے جو اُس آگ میں حرارت پیدا کرنے والی ہے۔"

کیما یراھا بائس مرمل   او فرد حیّ لیس بالاھل

"اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُس آگ کو مصیبت زدہ اور غریب لوگ دیکھیں یا کسی ایسے شخص کی نظر اُس پر پڑ جائے جو بیکس اور بے بس ہو۔"

لا یوثر الدنیا علی دینہ   ولا یبیع الحقّ بالباطل

آپ کبھی دنیا کو دین پر ترجیح نہیں دیتے اور نہ حق کو باطل کے عوض میں فروخت کرتے ہیں۔"

أعنی ابن لیلیٰ ذا السدی والندیٰ   اعنی ابن بنت الحسب الفاضل

"میرا مقصود اس سے حضرت لیلیٰ کے فرزند ہیں جو صاحب عطا و جود ہیں، وہ جو بڑے حسب و نسب والی خاتون کے فرزند ہیں۔"

اس میں ایک طرف حضرت علی اکبر کے جود و سخاوت کا تذکرہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ایک مخصوص ضیافت خانہ تھا۔ جہاں مہمانوں کو کھانا دیا جاتا تھا۔ اور اس مہمان خانہ کے لئے بڑے بڑے رؤسائے عرب کے اصول کے مطابق رات کے وقت بلندی پر آگ روشن کی جاتی تھی تاکہ اس آگ کے شعلوں پر دور دور کے لوگوں کی نظر پڑے (اور وہ سمجھیں) کہ یہاں کوئی مہمانخانہ ہے۔ دوسری طرف آپ کے احساس دینی اور بے لوث جذبۂ مذہبی کا ذکر ہے کہ آپ کبھی کسی دنیاوی مقصد کو دین پر ترجیح نہیں دیتے اور نہ حق کو باطل کے مقابلہ میں کبھی ہاتھ سے دیتے ہیں آخری شعر میں شاعر نے آپ کے ننھیالی اعزاز کا تذکرہ کیا ہے اور اس کو ممتاز الفاظ میں پیش کیا ہے

آپ کی سخاوت کے متعلق اس کے پہلے حاکم شام معاویہ بن ابی سفیان کی گواہی بھی پیش ہو چکی ہے۔ جہاں اس سخاوت کو بنی امیہ کے خاندان کا اثر قرار دیا گیا ہے۔

مجھے امیر شام کی اس گفتگو میں جہاں حضرت علی اکبر کے متعلق استحقاق خلافت کا سوال اٹھایا گیا ہے۔ اور ان اشعار کے لب و لہجہ میں ایک خاص اموی سیاست کارفرما نظر آرہی ہے جو ذرا غائر نگاہ کرنے پر بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے۔

یہ آپ سن چکے ہیں کہ حضرت علی اکبر کی والدۂ ماجدہ ننھیالی حیثیت سے خاندان بنی امیہ سے تعلق رکھتی تھیں اور امیر معاویہ کی حقیقی بھانجی تھیں۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں نزاع اور قدیمی آویزش تھی۔ [illegible]

قدرت نے ہاشمی خاندان کے افراد کو جو خصوصیات عطا کر رکھی تھیں، وہ اُن کے مخالفین میں بالکل نایاب تھے۔ اس لئے جاہل عوام پر زر و جواہر کی بارش سے قابو حاصل کر کے اپنی سلطنت کو سنبھال لیا جائے۔ یہ اور بات ہے مگر عام طور پر عالم اسلامی میں اہلبیتؑ رسول کی عظمت کا اعتراف کیا جاتا تھا۔ اور خواص ان بزرگواروں کے کمالات کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے۔

اس کے علاوہ ایک جماعت ایسی موجود تھی جو ان حضرت کو حکومت و خلافت کا مستحق قرار دیتی تھی اور کم از کم بنی ہاشم میں اس وقت ایسا ایکا تھا کہ اس بارے میں کوئی اختلافی صدا بلند نہ ہوتی تھی۔ معاویہ کی جانب سے برابر اس کی کوشش ہوتی رہی کہ خود بنی ہاشم میں پھوٹ ڈالی جائے۔ اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی جائے۔ اسی مقصد سے عقیل بن ابیطالب کو حضرت علی سے الگ کر کے شام میں رکھا گیا۔ اور امیر شام کو بڑی مہنگی قیمت پر یہ سودا کرنا پڑا اگر عقیل شام میں رہ کر بھی علی بن ابیطالب کی فضیلت اور فوقیت کا اظہار کرتے رہے۔ جناب امیر علیہ السلام کے بعد بنی ہاشم میں متفقہ طور پر حضرت امام حسنؑ کی امامت و قیادت تسلیم کی گئی۔ اس دور میں تو اچھا خاصا پروپیگنڈا اسی کے متعلق کیا گیا کہ چھوٹے بھائی امام حسینؑ اور امام حسنؑ میں اختلاف کا اظہار کیا جائے۔ اور صلح کے معاملہ میں حسینؑ کی ناراضگی کی خود ساختہ حکایتوں کو طشت از بام کر کے بھائیوں میں رنجش ڈالی جائے۔ وہی پروپیگنڈا جس کے زیر اثر آج

تک بعض اسلامی تاریخوں میں اس طرح کی روایات درج ہیں جن سے حضرت امام حسینؑ کی ناراضگی اس رشتے سے ثابت ہوتی ہے۔ مگر ان دونوں بھائیوں کے گہرے اتحاد پر ان کوششوں کا کوئی اثر نہ پڑا اور امام حسینؑ کے طرزِ عمل نے جو امام حسنؑ کی زندگی میں اور آپ کے بعد دس برس تک رہا اس سیاست کو بالکل شکست دیدی۔ اب امام حسینؑ کی شادی لیلیٰ کے ساتھ اور اُن کے یہاں علی اکبر کی ولادت اس نے اموی حکومت کے سیاسی حوصلوں میں بڑی وسعت پیدا کردی۔ اُنھیں یہ خواب دکھائی دینے لگا کہ اب بنی ہاشم کے گھر کے اندر ہمیں پھوٹ ڈالنے کا اچھا موقع ملے گا۔ اس لئے کہ خالص ہاشمی خون کے مقابلہ میں ایک ایسی فرد بھی اسی گھر میں پیدا ہوگئی جس میں کسی نہ کسی طرح امویت سے بھی تعلق پایا جاتا ہے۔ اگرچہ رسول اللہؐ کے ساتھ بھی ایسے ازدواجی تعلقات پیدا کردئے گئے تھے جس کی بنا پر پہلے ہی بنی ہاشم میں دوسرے عناصر کی شرکت کا انتظام ہو جائے مگر یہ قدرت کا ایک معاملہ تھا کہ رسول اللہؐ کے یہاں کسی ایسی عورت سے اولاد ہی نہیں ہوئی۔ اب فرزند رسول امام حسینؑ کے یہاں امیر معاویہ کی بھانجی لیلیٰ کے بطن سے فرزند کی ولادت ہوئی ہے تو اب وہ تمام منصوبے بروئے کار آنے کا وقت ہے جو ایک ایسے موقع کے منتظر تھے۔ اس کے لئے جناب علی اکبر کی ولادت کے بعد آپ کی کمسنی ہی سے بڑے زور و شور کے ساتھ آپ کی ننھیالی خصوصیت کو اچھالنا شروع کردیا گیا اور اُس کو اس فخر کے ساتھ ذکر کیا جانے لگا جو تمام بنی ہاشم سے

علی اکبر کو ایک علحدہ امتیاز عطا کر دے۔

مذکورہ اشعار کے کہنے والے کا کوئی نام مستند تاریخ میں نہیں ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ کہیں میں نے ان اشعار کو خود حضرت امیرالمومنین کی طرف منسوب دیکھا ہے۔ مگر اشعار کا لب ولہجہ اور انداز کلام بالکل اس خیال کو غلط قرار دیتا ہے۔ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار بھی کسی اموی شاعر کے نظم کردہ ہیں۔ ورنہ جناب علی اکبر کے وصف میں اُن کے فرزند رسول اور اولاد علی و بتول ہونے کا ضرور تذکرہ ہوتا اور اُن کے والد بزرگوار حضرت امام حسین کا ذکر ہوتا۔ مگر ان اشعار میں اس خصوصیت کو بالکل نظر انداز کر کے اُن کے ننھیال ہی کو نمایاں کیا گیا ہے اور اُن کی والدہ کے حسب و نسب ہی پر زور دیا گیا ہے۔

جناب علی اکبر کی سخاوت جس درجہ پر بھی ہو مگر کیا وہ خود ہاشمی خاندان کا اثر نہیں ہو سکتی اور کیا علی و فاطمہ کی طرف انتساب اس سخاوت کے جوہر کا باعث نہیں ہو سکتا۔ مگر امیر شام نے سخاوت کو اُن کے بنی امیہ کے خاندان کا اثر بتلایا اور اُن کے لئے خلافت کا استحقاق قرار دیا۔ صرف اس لئے کہ یہ بات بڑھے اور لوگوں کی زبانوں پر آنے لگے کہ خاندان بنی ہاشم میں یہ فرد ان خصوصیات کی حامل ہے جن کی بنا پر وہ دوسرے افراد سے ممتاز درجہ رکھتی ہے اور خصوصیت سے خلافت و امامت کی مستحق ہے۔

یقیناً اگر جناب علی اکبر کی جگہ کوئی کمزور نفس کا انسان ہوتا تو ممکن

تھا کہ وہ اس سیاست کا شکار ہو جاتا اور اپنے لئے اپنے خاندان میں ایک علیحدہ شان اور حیثیت کا قائل ہو جاتا اور اس طرح گنجائش تھی کہ اس گھر کے افراد میں اختلاف کی خلیج قائم ہو جاتی اور ہم آہنگی و یکجہتی کو صدمہ پہونچ جاتا۔ مگر علی اکبر کا بلند اور پاکیزہ نفس اس فریب میں آنے والا نہ تھا۔ انھوں نے کبھی ان خیالات خام کو کوئی توجہ نہیں کی اور اموی سیاست کی شکست پر دائمی طور پر مہر کر دی اپنے اُس خون سے جو کربلا میں فرزند فاطمہ کی حمایت میں زمین پر بہہ گیا اور یہ یزید بن معاویہ کے مقابلہ میں جہاد کے میدان کو رنگین بنا گیا۔ اور اُن کی والدۂ گرامی لیلیٰ نے اپنی وفاداری اور محبت آل رسول سے ثبات قدم میں وہ یگانگت اور اتحاد دکھلایا کہ آج اُن کے تذکرہ میں یہ امر کہ انھیں خاندان بنی امیہ سے کوئی دور کا بھی تعلق تھا ایک ناگوار تتمہ معلوم ہوتا ہے جو فراموش کر دینے کے قابل ہے۔

جناب علی اکبر صورت و سیرت دونوں میں رسول اللہ کا نمونہ تھے اور بہت نمایاں شباہت رسالتمآبؐ کے ساتھ رکھتے تھے اسی لئے "شبیہ پیغمبر" کی صفت کے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے حضرت سید الشہداء کو جتنی محبت اپنے اس فرزند کے ساتھ تھی اُتنی دوسری اولاد کے ساتھ نہ تھی۔

راستے کا ایک اہم واقعہ } امام حسینؑ کی مدینہ سے ہجرت اور مکہ میں قیام اور پھر کوفہ کے ارادہ سے روانگی

maablib.org

ان تمام واقعات کے ذیل میں سب سے پہلے جناب علی اکبر کا نام سننا تاریخ کے ورق پر اُس وقت دکھلائی دیتا ہے جب امام قصبہ بنی مقاتل سے آگے بڑھے ہیں۔ اور تھوڑا راستہ طے ہوا اس وقت امام پر کچھ غنودگی سی طاری ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو آپ فرما رہے تھے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین ۔ دو تین مرتبہ آپ نے یہی غمگین الفاظ ارشاد فرمائے ۔ طبری نے لکھا ہے کہ اُس وقت آپ کے فرزند علی بن الحسین گھوڑا دوڑاتے ہوئے آپ کے پاس آئے اور یہی الفاظ اپنی زبان پر جاری کر کے دریافت کیا کہ اس وقت ان کلمات کے زبان پر جاری کرنے کا کیا سبب تھا؟ فرمایا" ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی، میں نے ایک سوار دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ تو راستا طے کر رہے ہیں اور موت ان کی طرف آگے بڑھ رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے موت کی اطلاع ہے جو دی گئی ہے"۔ شاہزادہ نے عرض کیا بابا! خدا آپ کو رنج کی صورت نہ دکھلائے۔ "کیا ہم حق پر نہیں ہیں"؟ امام نے فرمایا، بلی والذی الیہ مرجع العباد " کیوں نہیں! یقیناً! قسم اُس خدا کی جس کی جانب تمام خلق کی بازگشت ہے"۔ شاہزادہ نے کہا:۔

یاابت اذا لانبالی نموت محقین "جب ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں موت کی کیا پرواہ ہے"۔ امام نے دعائے خیر دی ۔ فرمایا:۔

جزاک اللہ من ولد خیر ما جزی ولدا عن والدہ " بیٹا! تمھیں خدا جزائے خیر دے ۔ بہترین جزا جو کسی بیٹے کو اُس کے باپ

کی طرف سے دی جا سکتی ہے"

اس واقعہ میں آپ کے سامنے عزتِ نفس، اطمینانِ قلب اور اثباتِ ضمیر کی عجیب مثال پیش ہوتی ہے۔ شاہزادہ کا حدود و ادب کو اس بے چینی کے موقع پر اس طرح پیشِ نظر رکھنا امام کا صفائی کے ساتھ حقیقتِ واقعہ سے اطلاع دیکر گویا فرزند کے دل کی گہرائیوں کا امتحان لینا۔ بیٹے کا انتہائی استقلال کے ساتھ اپنے مافی الضمیر اور حق کی راہ میں فداکاری کے جذبہ کو ظاہر کرنا اور امام کا خوش ہو کر دعائے خیر دینا ایک ایسا مرقع ہے جس کو دیکھکر رگوں میں خون دوڑتا ہے اور فداکاری کی روح میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔

روایت میں کوئی لفظ ایسی نہیں ہے جس کی بنا پر یہ ماننا ضروری ہو کہ وہ جناب علی اکبر ہی سے متعلق ہے بلکہ یہ احتمال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ امام زین العابدینؑ سے تعلق رکھتی ہے لیکن عموماً اس روایت کو جناب علی اکبر ہی سے وابستہ کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں علی بن الحسین کی لفظ جب بغیر کسی دوسرے قرینہ کے استعمال ہو تو اُس سے جناب علی اکبر ہی مراد ہوا کرتے تھے اور یہ ایک مستقل دلیل ہے اس کی کہ وہ سید الشہداءؑ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے اور نمایاں شہرت کے مالک تھے۔

امام کا عطیہ } طبری نے لکھا ہے کہ امام حسین کا ایک خاص گھوڑا تھا جس کا نام "لاحق" تھا۔ امام نے کربلا میں یہ اپنے فرزند علی بن الحسینؑ کی سواری کو عطا فرمایا تھا۔

مصنف ابصار العین نے ابو الفرج (مؤلف اغانی) وغیرہ کے حوالہ سے جناب علی اکبر کے میدان جہاد میں جانے کی جو روایت درج کی ہے، اس میں لکھا ہے:-

لما نظر الی وحدۃ ابیہ تقدم الیہ وھو علی فرس لہ یدعیٰ ذا الجناح "جب انھوں نے اپنے والد بزرگوار کی تنہائی کو دیکھا تو آگے بڑھے اور وہ اپنے خاص گھوڑے پر سوار تھے جس کا نام تھا ذو الجناح"۔

اس روایت میں اس کا کوئی پتہ نہیں ہے کہ یہ گھوڑا خاص اسی دن جناب علی اکبر کو عطا کیا گیا تھا۔

عام طور پر ذو الجناح جناب سید الشہداء کے اسپ باوفا کا نام مشہور ہے اور جناب علی اکبر کے گھوڑے کا نام عقاب بتلایا جاتا ہے، مگر اس کا تاریخ میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اذن جہاد

روز عاشور جب تک اصحاب زندہ رہے بنی ہاشم میں سے کسی ایک شخص کو بھی کسی طرح کا کوئی صدمہ نہیں پہونچا۔ لیکن جب ان وفاداروں میں سے کوئی باقی نہ تھا۔ تو اب امام کے اعزا ہی تھے جو میدان جنگ میں جا سکتے تھے۔ اس موقع کی صورت حال کا صحیح اندازہ "اسوۂ حسینی" (ص ۲۱۱) کے مرتب بل نصر سری نگر میں نے کہا ہے کہ:-

"تاریخ نے سب واقعات کو بیان ہی کہاں کیا ہے۔ اس لئے کہ دوست باقی بچے نہیں تھے۔ دشمنوں کو غرض کیا تھی کہ تمام واقعات بیان

کرتے۔ یقیناً اگر موقع ہوتا تو حضرت اعزا کو اصحاب سے پہلے میدان جنگ جانے کی اجازت دیتے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب نے کسی طرح اس کو منظور نہیں کیا کہ اُن کی زندگی میں کوئی شخص اولادِ ہاشم سے میدان جنگ میں جائے۔ مگر جب اصحاب شہید ہو چکے اور دل کے ٹکڑوں کی نوبت آئی تو اب بھائی کی اولاد تھی یعنی امام حسن کے صاحبزادے۔ چچازاد بھائی کی اولاد یعنی مسلم کے فرزند چچا کے بیٹے یعنی عقیل کی اولاد۔ پھر ایک چچازاد بھائی کے بیٹے یعنی عبداللہ بن جعفر کے صاحبزادے۔ جو بھانجے کہے جاتے ہیں۔ اپنے باپ کی اولاد یعنی بھائی۔ اور خود اپنی اولاد۔ امام حسینؑ نے چاہا کہ کوئی اور میدان جنگ میں نہ جانے پائے اور یہ کہنے کو نہ ہو کہ بھائی کی اولاد تھی نا اس لئے اُسے پہلے بھیج دیا۔ یا چچا کی اولاد کو پہلے بھیج دیا۔ اس لئے تاریخ کی مسلمہ حقیقت یہ ہے۔ حدیث اور تاریخ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اعزہ میں سب سے پہلے جناب علی اکبر کو میدان جنگ میں جانے کی اجازت ملی ہے ——— امام حسینؑ کو یہ دکھلانا تھا کہ حمایتِ حق کے موقع پر سب سے پہلے اپنے عزیز ترین شخص ہی کو فدا کرنا چاہیئے۔ رسالتمآب کا طرزِ عمل یہی تھا کہ جب جنگ کا موقع ہوتا تھا تو آپ اپنے خاص عزیزوں کو آگے رکھتے تھے۔ چنانچہ عبیدہ جنگ بدر میں شہید ہوئے اور حمزہ جنگ احد میں۔ اسی طرح امیرالمومنینؑ نے جنگ جمل میں علم لشکر اپنے فرزند محمد ابن حنفیہ کو دیا اور فوج دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا' اور اسی کا عملی نمونہ امام حسینؑ نے کربلا میں پیش کیا کہ سب سے پہلے اپنے فرزند کو

اجازت دیدی"۔

جہاں تک تاریخ سے پتہ چلتا ہے امام نے علی اکبر کو میدان جہاد میں جانے سے ذرا بھی روکا نہیں مگر دل کی بیچینی نے تلاطم ضرور پیدا کر دیا۔

آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:۔

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ غُلَامٌ اَشْبَہُ النَّاسِ خَلْقًا وَخُلْقًا وَمَنْطِقًا بِرَسُوْلِکَ وَکُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِیِّکَ نَظَرْنَا اِلٰی وَجْھِہٖ

"خداوندا! گواہ رہنا ان لوگوں کے ظلم پر کہ اب جا رہا ہے ان کی طرف وہ نوجوان جو صورت و سیرت اور گفتار میں تیرے رسول کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہے۔ جب ہم تیرے پیغمبر کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اس کا چہرہ دیکھ لیتے تھے"۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ مختصر سے الفاظ مناجات کے اُس بے پایاں رنج و اندوہ کی پوری تشریح کر دیتے ہیں جو اس وقت امام پر غالب تھا مگر اس کے ساتھ اُن میں عزت نفس اور بلندی ضمیر اور حسین کے بے مثال نظریہ کا وہ بلند نمونہ ہے جو حسین ہی سے مخصوص ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حد سے بڑھی ہوئی مصیبت انسان کو بے قابو بنا دیتی ہے اور وہ بے ساختہ اپنے دلی جذبات کا اظہار کرنے لگتا ہے۔

علی اکبر کا وجود ہر طرح امام کے لئے جاذبیت رکھتا تھا اور ایک باپ کی ایک ایسے فرزند کے ساتھ جتنی بھی آرزوئیں وابستہ ہو سکتی ہیں وہ سب ہی امام حسینؑ کی علی اکبر کے ساتھ وابستہ تھیں۔ ان میں نمایاں پہلو ہیں علی اکبر کی جوانی، خوبصورتی، خوش سیرتی، اور عام مذاق

کے مطابق "نامرادی" مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جب جوان فرزند امام سے رخصت ہو رہا ہے تو امام کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں ہے۔

وہ اُس طرح اس غم پر اظہار رنج نہیں کرتے جس طرح ایک کمزور دل کا شخص یا اس دنیا کے تعلقات کا گرویدہ ایسے موقع پر قلبی کیفیتوں کا اظہار کر سکتا ہے۔ وہ عورتوں کے سے بین کرنا بے اقتدار نفس کے خلاف سمجھتے ہیں۔ بیشک اُن کے پیش نظر ہے تو ایک ایسا پہلو جس سے حقیقتاً حسین حسین معلوم ہوتے ہیں۔

اس وقت اکبر کی جدائی سے حسین کو اپنے نانا رسول اللہ کی تصویر چھٹتے دکھلائی دے رہی ہے اور اس پر وہ خدا کو گواہ کرتے ہیں اور "جا رہا ہے" کے الفاظ میں اذن جہاد خود بخود مضمر ہے۔ اور اسی لئے اس دعا ہی سے علی اکبر سمجھ لئے کہ مجھے میدان جنگ میں جانے کی اجازت حاصل ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ امام نے عمر سعد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا

یا ابن سعد قطع اللہ رحمک کما قطعت رحمی ولم تحفظنی فی رسول اللہ ص

اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ "اے ابن سعد خدا تیری نسل کو قطع کرے اسی طرح جیسے تو نے میری نسل قطع کی ہے"۔

اس میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام کی نسل کا قیام حضرت امام زین العابدین سے برقرار رہا۔ پھر اس "قطع نسل" کے کیا معنی ہیں۔

اسی ہی مصنف ابصار العین کو تاویل کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

یعنی قطع اللہ نسلک من ولدک کما قطعت نسلی من ولدی فانہ لاعقب لہ۔

"مقصود حضرت کا یہ ہے کہ خدا تیری نسل کو تیرے فرزند سے اسی طرح قطع کرے جیسے میری نسل کو جو اس فرزند سے ہوتی قطع کیا ہے کیونکہ علی اکبر کے کوئی اولاد نہیں تھی۔"

مجھے گزشتہ فقرہ کے وہ معنی ہی نہیں معلوم ہوتے جو قرار دیئے گئے ہیں۔

ہندوستانی عربی داں صرف اگر وہ ترجمہ کرتے تو مجھے تعجب نہ ہوتا کیونکہ یہ لوگ عربی الفاظ کو اپنے مذاق اور محاورہ کے ماتحت سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس لئے اکثر الفاظ کے ترجمہ میں غلطی کرتے ہیں مگر فاضل سماوی سے جو موجودہ زمانہ کے ایک باخبر عربی ادیب ہیں بہت تعجب ہے "قطع رحم" کے معنی عربی میں حقوق قرابتداری کا لحاظ نہ کرنے کے ہیں اور اس لئے قطعت رحمی کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ "تو نے میری قرابتداری کا کوئی لحاظ نہ کیا"۔

اور اس کی توضیح بعد کے فقرہ سے ہوتی ہے کہ ولم تحفظنی فی رسول اللہ " تو نے رسول اللہ کی خاطر سے میرے حقوق کی کچھ بھی نگہداشت نہیں کی۔"

اس صورت میں قطع اللہ رحمک کے یہ معنی قرار پائیں گے کہ خدا تجھ کو بھی اسی طرح قطع رحم میں مبتلا کرے یعنی تیرے ساتھ بھی کوئی مراعات کسی رشتہ کے لحاظ سے کبھی نہ کی جائے۔

رجز خوانی اور جنگ گذشتہ دعا اور اس مخاطبہ میں جناب علی اکبر اذنِ جہاد کے معنی سمجھ چکے تھے۔ وہ میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھنے لگے۔

انا علی بن الحسین بن علی — نحن ورب البیت اولیٰ بالنبی

تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

یہ طبری کی روایت کے الفاظ ہیں (یعنی) میں ہوں علی حسین کا بیٹا اور علی کا پوتا۔ ہم بخدا سب سے زیادہ رسول کے حقدار ہیں۔ خدا کی قسم ہم میں ہرگز حکومت نہیں کر سکتی زنا زادہ کی اولاد"

مناقب ابن شہر آشوب میں جو رجز کے اشعار نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں:-

انا علی بن الحسین بن علی — من عصبۃ جد ابیھم النبی

نحن وبیت اللہ اولیٰ بالوصی — واللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

اضربکم بالسیف احمی عن ابی — اطعنکم بالرمح حتی ینثنی

طعن غلام ھاشمی علوی

"میں ہوں علی حسین بن علی کا فرزند۔ میرے باپ کے نانا رسول اللہ ہیں۔ ہم خدا کی قسم وصی رسول کے سب سے زیادہ قرابتدار ہیں۔ بخدا ہم میں زنا زاد کی اولاد حکومت نہیں کر سکتی۔ میں تم کو تلواریں لگاؤں گا اپنے باپ کی حمایت میں اور نیزہ کے وار کروں گا یہاں تک کہ نیزہ ٹیڑھا ہو جائے۔ ایسے حملے جو ایک ہاشمی اور علوی جوان کو کرنا چاہئیں۔

زیارت شہدا میں رجز کے اشعار یہ ہیں:-

انا علی بن الحسین بن علی — نحن وبیت اللہ اولیٰ بالنبی

اطعنکم بالرمح حتی ینثنی	اضربکم بالسیف احمی عن ابی
ضرب غلام هاشمی عربی	واللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

ابصار العین میں ہے:-

انا علی بن الحسین بن علی	نحن وبیت اللہ اولی بالنبی

واللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

یہ طبری کی روایت سے متحد ہے صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں دوسرے مصرع میں (نحن ورب البیت) ہے یہاں (نحن وبیت اللہ) وہاں تیسرے مصرع میں (تاللہ) ہے۔ یہاں (واللہ) ہے۔

مجموعی حیثیت سے آپ نے اندازہ کیا ہو گا کہ جزئی اختلاف کے ساتھ جو مصرعے رجز کے متفق علیہ ہیں وہ اتنے ہی ہیں جو طبری نے درج کئے ہیں۔

یہ رجز شہدائے کربلا میں سب سے الگ ایک خاص انداز کا حامل ہے دوسرے شہداء کے رجز میں زیادہ تر شجاعان عرب کے انداز پر اپنی شجاعت کا اظہار ہے یا امام کی بارگاہ میں اپنی وفاداری کا اثبات ہے لیکن لیکن جناب علی اکبر کا رجز ایک تبلیغی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے مختصر الفاظ میں پورے طور سے اسباب وعلل جنگ پر تبصرہ کر دیا ہے۔ اور دکھلایا ہے کہ اس وقت سوال کس چیز کا درپیش ہے۔

اس میں اپنی ولایت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے (نحن وبیت اللہ اولی بالنبی)

جس میں ایک طرف قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ

(اولوالارحام بعضہم اولی ببعض) دوسری طرف اپنے صفات کی بلندی کے لحاظ سے رسول اللہ کے ساتھ اولویت کا اظہار ہے، اس آیت کی بنا پر کہ (ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ)۔ اس کے بعد حکومت وقت کے تسلیم کرنے سے اپنے انکار کو ظاہر کیا گیا ہے اور اپنے مخالف کی پستی کو دکھلایا گیا ہے۔"

اگر اس اموی سیاست کے پہلو میں جس کی پردہ کشائی میں نے پہلے کی ہے اور جس کی بنا پر میں نے دکھلایا ہے کہ دربار شام کی طرف سے جناب علی اکبر کی ننھیالی خصوصیت پر زیادہ زور دیا جاتا تھا' اس کے پہلو میں اس رجز کے ابتدائی دونوں مصرعوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پورے طور پر اُس سیاست کا جواب ہے۔ وہ لوگ علی اکبر کی مدح میں تمام بنی ہاشم اور اولاد رسول سے الگ خصوصیات کا اظہار کرتے تھے۔ گویا اس فرع کو اُس اصل سے الگ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جناب علی اکبر اپنے اظہار نام و نسب میں اپنا طرۂ امتیاز صرف اپنے ددھیالی رشتہ کو قرار دینا چاہتے ہیں اور اس کی چھاؤں بھی نہیں آنے دیتے کہ آپ میں کوئی دوسرا عنصر شریک ہو

طبری نے لکھا ہے کہ علی اکبر نے کئی حملے کئے اور برابر آپ یہی اشعار پڑھ رہے تھے۔ بحار میں ہے فلم یزل یقاتل حتی ضجّ الناس من کثرۃ من قتل منھم "علی اکبر نے اتنی جنگ کی کہ دشمن کثرت مقتولین کی وجہ سے چیخ اُٹھے۔"

پیاس کی شدت اور طلب آب

اس جنگ میں جوان مجاہد کا جسم زخمی ہو گیا تھا۔ آفتاب کی حدت کے ساتھ پیاس کا التہاب بہت بڑھ گیا۔ ابن شہر آشوب وغیرہ کی روایت کے مطابق میدان جنگ سے واپس آئے۔ اور اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر پیاس کی شدت کا اظہار کیا۔

مشہور الفاظ اس وقت کے یہ ہیں یا ابت العطش قد قتلنی وثقل الحدید اجهدنی "اے بابا مجھے پیاس نے مار ڈالا ہے اور لوہے کے بوجھ نے میری جان پر بنا دی ہے۔"

نہیں کہا جا سکتا کہ اس سوال کا مقصد کیا تھا۔

ممکن ہے کہ پانی کی بالکل نایابی کا شہزادہ کو علم نہ ہو۔ اور ممکن ہے مطلب یہ ہو کہ حضرت بنی ہاشم کے موجودہ نوجوانوں کو علی اکبر کے ساتھ بھیج کر نہر سے پانی منگانے کا انتظام کریں۔ ذاکرین کی طرف سے اس کی یہ توجیہ بھی ہوتی ہے کہ جناب علی اکبر عام لوگوں کو امام کی مجبوری اور پانی کی نایابی کا پورا یقین دلانا چاہتے تھے کہ اگر کچھ بھی پانی موجود ہوتا تو امام مجھ سے دریغ نہ کرتے۔

یہ تمام توجیہیں اس صورت میں ہیں کہ روایت کو بالکل صحیح مانا جائے۔

ظاہر ہے کہ امام کو اپنے فرزند کی اس تمنا کے پورا ہو سکنے کی جتنی بھی تکلیف ہوتی کم تھی۔

maablib.org

آپ نے کہا "بیٹا! کہاں ہے جاؤ تمھارے دادا رسول اللہ آبِ کوثر سے تمھیں سیراب کرینگے"۔

علی اکبر دوبارہ میدان میں آئے۔۔

شہادت جناب علی اکبر نے اب کی مرتبہ پھر سخت جنگ کی۔ مرۃ بن منقذ بن نعمان عبدی، عمر سعد کی فوج کا ایک مخصوص سپاہی تھا اس نے جو جناب علی اکبر کو جنگ کرتے دیکھا تو کہا کہ اگر اب کی مرتبہ اس جوان نے پھر حملہ کیا اور میری طرف سے گذرا تو میں ضرور اس کے باپ کو اس کے غم میں مبتلا کردونگا۔

ایسا ہی ہوا۔ علی اکبر تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے دشمنوں پر حملہ آور تھے بس مرۃ پاس آگیا اور نیزہ مار دیا۔ طبری میں صرف اتنا ہی ہے۔ ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ اُس نے دھوکا دیکر پشت پر نیزہ مارا۔ ابصار العین میں یہ روایت درج ہے کہ مرۃ بن منقذ نے آپ کے حلقوم پر تیر لگایا۔ علی اکبر گھوڑے سے زمین پر گرے۔ اور دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ شاہزادہ کے جسم کے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے

امام کی حالت اور الحرم کا اضطراب علی اکبر کی شہادت کا امام پر بڑا اثر ہوا۔ آپ نے فرمایا: قتل اللہ قوما قتلوک یا بُنَیَّ ما اجرأھم علی الرحمن وعلی رسولہ وعلی انتھاک حرمۃ الرسول علی الدنیا بعدک العفا

"خدا فنا کر دے اُس جماعت کو جس نے تجھے قتل کیا۔ اے میرے فرزند کتنی جراتیں بڑھ گئی ہیں ان لوگوں کی۔ خدا اور اُس کے رسول کے مقابلہ میں۔ تیرے بعد دنیا کی زندگی پر خاک ہے"۔

یقیناً خیام حسینی میں اس حادثہ سے تہلکہ پڑ گیا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ جناب زینب نے علی اکبر کی پرورش کی تھی۔ اگرچہ اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے

مشہور روایت یہ ہے کہ اس وقت مضطرب ہو کر جناب زینب خیمہ سے باہر آگئی تھیں اور آکر جناب علی اکبر کی لاش سے لپٹ گئیں۔ امام آئے اور ہاتھ پکڑ کر سمجھاتے ہوئے خیمہ میں لے گئے۔ اس روایت میں شک و شبہہ کا میدان بہت وسیع ہے۔

علامہ کنتوری نے "ماتین فی مقتل الحسین" میں اس روایت پر کافی بحث کی ہے۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ "یہ ایک اضطراری فعل تھا جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ رہ گیا یہ امر کہ جناب زینب کہاں تک آئی تھیں اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ اُس خیمہ تک تشریف لائی تھیں جس کے سامنے اصحاب جنگ کرتے تھے۔ اور وہ سراپردہ حسینی کے آگے ہی نصب تھا اور زیادہ دور نہیں تھا۔ جب حضرت علی اکبر کی لاش کو اُٹھا کر اُس خیمہ میں لائے تو جناب زینب اُس خیمہ تک آگئیں۔ یہ اُس صورت میں ہے کہ جب علی اکبر کی شہادت تمام اعزاء کے آخر میں تسلیم کی جائے۔ اور اگر آپ سب سے پہلے شہید ہوں اولاد ابو طالب میں سے تو اُس صورت میں روایت میں یہ ہے کہ امام نے نوجوانوں سے فرمایا کہ "اُٹھاؤ اپنے بھائی کی لاش"۔ سب نوجوانوں نے مل کر جناب علی اکبر کی لاش کو اُٹھایا اور اُس خیمہ کے آگے لا کر لٹا دیا جو جنگ کے موقع پر بطور مرکز سپاہ قرار دیا گیا تھا۔ جناب زینب اُسی خیمہ تک آئی تھیں۔ رہ گیا یہ امر کہ

پھر آپ کا نام لوگوں کو کیسے معلوم ہوا تو ممکن ہے کہ کسی نے امام کی آواز سن لی ہے یہ کہتے ہوئے کہ "بہن زینب تم اپنے خیمہ سے کیوں نکل آئیں"۔ بے شک جناب زینب کا میدان جنگ میں آجانا ایک امر ہے اور میرے نزدیک ثابت نہیں ہے"۔

یہ علامہ کنتوری کا ذاتی خیال ہے۔ اصل روایت کے مضمون پر منطبق نہیں ہوتا۔ روایت تاریخ طبری میں مذکور ہے اور اسی لئے میں نے بھی "محاربہ کربلا" میں درج کر دی ہے مگر راوی اس روایت کا حمید بن مسلم ہے۔

اس کا روز عاشور کربلا میں وجود ہی نہیں تھا۔ اس کا ثبوت ہم کو ایک ایسے مورخ کی تحریر سے چلتا ہے جو طبری سے متقدم ہے۔ ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری متوفی ۲۸۱ھ نے کتاب (اخبار الطوال) میں جو ۱۳۳۰ھ میں مصر میں شائع ہوئی ہے لکھا ہے:۔

روی عن حمید بن مسلم قال کان عمر بن سعد لی صدیقا فاتیته عند منصرفه من قتال الحسین فسألته عن حاله فقال لاتسئل عن حالی فانه ما رجع غائب الی منزله بشر مما رجعت به قطعت القرابة القریبة وارتکبت الامر العظیم (ص ۲۷۵)

"حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ عمر بن سعد سے اور مجھ سے دوستی تھی جب وہ حسین کی جنگ کے بعد واپس آیا تو میں اس کے پاس گیا اور خیریت دریافت کی۔ اس نے کہا تم میری خیریت کیا پوچھتے ہو اس لئے کہ کوئی اپنے گھر سے سفر کرنے والا اس بری طرح واپس نہ آیا ہو گا جس

maablib.org

طرح میں واپس آیا ہوں۔ میں نے قریبی رشتہ داری کا کوئی لحاظ نہ کیا اور ایک بڑے جرم کا ارتکاب کیا۔"

خود طبری نے سلیمان بن صرد خزاعی اور اُن کی جماعت کے حالات میں حمید بن مسلم کی زبانی جو روایت درج کی ہے وہ بھی اس کی مؤید ہے ملاحظہ ہو (ج ۷، ص۴۷)

حمید بن مسلم قال واللّٰہ انی لشاھد بھذا الیوم یوم ولّوا سلیمان بن صرد وانا یومئذ لاکثر من مائۃ رجل من فرسان الشیعۃ ووجوھھم فی دارہ قال فتکلم سلیمان بن صرد فشدّد وما زال یردّد ذلک القول فی کل جمعۃ حتی حفظتہ

"حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ خدا کی قسم میں اُس دن موجود تھا جب دن سلیمان بن صرد کو حاکم تسلیم کیا گیا۔ ہم لوگ اُس دن سَو آدمیوں سے زیادہ تھے بہادر جنگ آزما اور ممتاز شیعوں میں سے، خود سلیمان بن صرد کے مکان میں، سلیمان نے بہت سخت لب و لہجہ میں تقریر کی اور برابر اُسی تقریر کو ہر جمعہ کے دن دوہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے یاد کر لیا۔"

ظاہر ہے کہ توابین کی جماعت اُن ہی لوگوں پر مشتمل تھی جو واقعۂ کربلا میں شریک نہ ہوئے تھے۔ اور ان کا مقصد تھا قاتلان امام حسینؑ سے انتقام لینا۔ اگر حمید بن مسلم کا شمار ان لوگوں میں سے ہوتا جو امام سے جنگ کے لئے کربلا میں موجود تھے تو کبھی وہ سلیمان بن صرد کی جماعت میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کے بعد جن روایات میں کربلا کے حالات حمید بن مسلم کی زبانی بطور چشم دید واقعہ کے مذکور ہیں وہ سب مشکوک ہو جاتی ہیں اور اُن کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔

اس صورت میں کہ جب علی اکبر کی شہادت تمام دوسرے اعزّا کے پہلے مانی جائے جس کو ہم نے صحیح ثابت کیا ہے تو یہ روایت درایت کے لحاظ سے بھی بالکل غلط قرار پا جاتی ہے اس لئے کہ اُن تمام اعزّا کی موجودگی میں جن میں حضرت عباس اور اُن کے تمام بھائی، اولادِ عقیل، اولادِ جعفر سب ہی موجود تھے۔ اتنے عظیم واقعہ پر کہ جناب زینب (نعوذ باللہ) خیمہ سے باہر آجائیں، اُن تمام ہاشمی جوانوں کے تاثرات کا کچھ نہ کچھ اظہار ضروری تھا اور تنہا سید الشہداء کا نام نہ ہوتا کہ آپ اپنی بہن کو سمجھا کر خیمہ میں لے گئے۔ یہ تو اُسی وقت ممکن تھا جب اس وقت سوائے حضرت سید الشہداء کے کوئی اور موجود ہی نہ ہوتا اور آپ بالکل بے بس اور بے کس ہوتے۔

طبری میں ہے کہ امام نوجوانان بنی ہاشم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "اُٹھاؤ اپنے بھائی کی لاش" سب نوجوان آگے بڑھے اور اُنھوں نے علی اکبر کی لاش کو لا کر اُس خیمہ کے آگے رکھ دیا جو مرکزِ سپاہ کی حیثیت سے قرار دیا گیا تھا۔ اور جس کے آگے جنگ ہوتی تھی۔

ابن شہر آشوب نے چونکہ جناب علی اکبر کی شہادت کو تمام اعزّا کے بعد لکھا ہے، اس لئے اُن کی روایت کے لحاظ سے اب نوجوانان بنی

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برّصغیر
maablib.org

MAAB 1431
maablib.org

تاریخ روضۃ الصفا میں ہے" اول کسی کہ از اہلبیت قدم در میدان مبارزت نہاد عبداللہ بن مسلم بن عقیل بود

طبری کی روایت کے مطابق معلوم یہ ہوتا ہے کہ جناب علی اکبر کی شہادت سے خیمہ میں کہرام جو برپا ہوا تو کمسن بچے گھبرا کر خیمہ سے باہر آ گئے۔ بس جسم دشمنوں کو موقع مل گیا۔ عمرو بن صبیح صیدائی نے عبداللہ بن مسلم بن عقیل کو تیر لگایا جو بچہ کی پیشانی کی طرف آیا۔ بچہ نے گھبرا کر اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ دیا۔ تیر نے ہاتھ کو پیشانی کے ساتھ چھید دیا۔ پھر دوسرا تیر آیا جو سینہ پر پڑا اور اُس نے کام تمام کر دیا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت کمسن تھے اور بغیر جنگ کے شہید ہوئے۔ مگر مناقب اور بحار وغیرہ میں اُن کی رجز اور جنگ موجود ہے۔

علامہ مامقانی نے بعض علمائے انساب کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ عبداللہ کی عمر چودہ سال تھی۔

اُن کے قاتل کا نام عمرو بن صبیح صیدائی ہے۔ مناقب میں لکھا ہے کہ ان کو عمرو بن صبیح اور اسد بن مالک نے قتل کیا۔ ممکن ہے کہ وہ دوسرا تیر اسد بن مالک ہی کا ہو۔ زیارت شہدا میں اُن پر سلام موجود ہے۔

(۳)

محمد بن مسلم بن عقیل

یہ عبداللہ کے مختلف البطن بھائی تھے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اُن کی

والدہ ام ولد تھیں۔ علامہ مامقانی نے ان کی عمر بارہ یا تیرہ سال لکھی۔ ابصار العین فی انصار الحسین میں ہے کہ عبد اللہ کے قتل ہونے کے بعد اولاد ابی طالب نے ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ امام نے آواز دی ہاں اے میرے چچا کے فرزندو موت کے مرحلہ کو سر کر دو۔ چنانچہ اُن میں سے محمد بن مسلم شہید ہو کر گر گئے۔ اُن کو ابو مریم ازدی اور لقیط بن ایاس جہنی نے قتل کیا۔ مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ محمد بن مسلم نے جنگ کی اور ابو مریم ازدی نے آپ کو نیزہ سے شہید کیا۔

صاحب ناسخ نے لکھا ہے۔ "تو اند شد کہ از پسران مسلم این محمد الاکبر است" اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے چھوٹے بھائی بھی کوئی ہیں جن کا نام محمد تھا ممکن ہے صاحب ناسخ کی نظر اس فقرہ میں اُس مشہور روایت کی طرف ہو جو پسران مسلم کی کمسنی میں شہادت کے بارے میں ہے کیونکہ صاحب ناسخ نے اُس روایت کو پوری تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں تاریخی حیثیت سے اُس روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۴)

جعفر بن عقیل ابن ابی طالب

مناقب ابن شہر آشوب میں عبد اللہ بن مسلم کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد جعفر بن عقیل میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

انا الغلام الابطحی الطالبی   من معشر فی ہاشم من غالب
ونحن حقا سادۃ الذوائب   ھذا حسین اطیب الاطائب

"یعنی میں مکہ کا رہنے والا۔ طالب کے خاندان کا ہاشم کی نسل سے

اور غالب کے گھرانے سے ہوں۔ یقیناً ہم تمام قبائل کے سردار ہیں اور یہ حسینؑ تمام پاکیزہ اشخاص میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔"

دو آدمی اور ایک روایت کے مطابق پندرہ آدمی فوج مخالف کے قتل کئے اور پھر بشر بن خوط ہمدانی کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔

تاریخ روضۃ الصفا میں ہے:۔

"اول کسے کہ از اہل بیت قدم در میدان مبارزت نہاد عبداللہ بن مسلم بن عقیل و بعد از وے جعفر بن عقیل"۔

ناسخ میں عبداللہ اور محمد پسران مسلم دونوں کی شہادت کے بعد لکھا ہے:۔

"بعد از ایشاں نوبت بہ پسران عقیل افتاد اول کس جعفر بن عقیل بود"

زیارت شہداء میں بھی جعفر بن عقیل پر سلام موجود ہے۔ اس میں بھی ان کا قاتل بشر بن خوط ہمدانی کو قرار دیا گیا ہے۔ مگر طبری نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عزرہ خثعمی کے تیر بارا جعفر بن عقیل نے اس تیر سے شہادت پائی۔ صاحب ناسخ جن کی تاریخی موشگافیوں کا جائزہ میں پہلے لے چکا ہوں اس مقام پر بھی عجیب غلط فہمی میں مبتلا ہوئے ہیں۔ انھوں نے یہ لکھنے کے بعد کہ جعفر کو بشر بن خوط نے قتل کیا حسب ذیل الفاظ سپرد قلم کئے ہیں:۔

"از حمید بن مسلم و ابی جعفر الباقر مرویست کہ اور اعروہ بن عبداللہ خثعمی مقتول ساخت"۔

اس سے آپ سمجھتے ہوں گے کہ امام محمد باقرؑ کی حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ صاحب ناسخ نے کسی جگہ ابو جعفر کے حوالہ سے یہ دیکھا ہوگا کہ جعفر کا قاتل عبداللہ بن عزرہ ہے۔ انھوں نے ابو جعفر سے امام باقرؑ کو

اد سمجھ لیا - حالانکہ ابو جعفر علامہ طبری کی کنیت ہے اور وہی اس سے مراد ہیں -

عبدالرحمٰن بن عقیل

ابن شہر آشوب نے جعفر بن عقیل کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ اُن کے بعد عبدالرحمن بن عقیل میدان جنگ میں آئے - رجز پڑھی اور بہت سے اشقیا قتل کیا پھر عثمان بن خالد جہنی کے ہاتھ سے شہید ہوئے - روضۃ الصفا میں ہے "بعد از جعفر بن عقیل عبدالرحمٰن بن عقیل بمیدان رفتہ جنگ کرد تا کشتہ شد"

طبری نے لکھا ہے کہ عثمان بن خالد بن اسیر جہنی اور بشر بن خوط ہمدانی دونوں نے مل کر عبدالرحمٰن پر حملہ کیا اور وہ ان دونوں کے ہاتھ سے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے -

زیارت شہدا میں اُن پر سلام کے الفاظ یہ ہیں :-

السلام علی عبدالرحمن بن عقیل لعن اللہ قاتلہ و رامیہ عمر بن خالد بن اسد الجہنی

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُنھیں عمر بن خالد نے تیر لگایا تھا -

(۶)

عبداللہ بن عقیل

صاحب ناسخ نے عبدالرحمٰن بن عقیل کی شہادت کے بعد لکھا ہے :-

" از پس او عبداللہ بن عقیل بن ابی طالب بمیدان آمد و رزمی صعب داد -

و بعد از کر و فر فراوان عثمان بن اشیم الجہنی و بشر بن خوط القابضی او را

شہید کردند و بروایت سلمان بن ابی براشد، او سند حمید بن مسلم بہ براند او عبداللہ اصغر است و مادرش ام ولد است و بعد از و برادرش عبداللہ اکبر بمیدان آمد و مادر او نیز ام ولد است قتال عظیم داد و بروایت مدائنی عثمان بن خالد الجہنی و مردی از قبیلہ ہمدان او را القتیل آوردند"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیل کے دو فرزند عبداللہ نام کربلا میں شہید ہوئے۔ ایک عبداللہ الاکبر اور ایک عبداللہ الاصغر۔

ابن شہرآشوب نے مناقب میں لکھا ہے:۔

"روی ان عبداللہ بن عقیل الاکبر قاتلہ فقتلہ عثمان بن خالد الجہنی"۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ عبداللہ اکبر فرزند عقیل نے جنگ کی اور عبداللہ بن خالد جہنی نے ان کو قتل کیا"۔

علامہ سید محسن امین عاملی نے بھی شہدائے کربلا میں عبداللہ اکبر ابن عقیل کا نام درج کیا ہے[1]۔

مگر زیارت شہداء میں کوئی ذکر عبداللہ کا نہیں ہے۔ طبری نے بھی ان کی شہادت درج نہیں کی ہے۔ اور ابصار العین فی انصار الحسین میں بھی شہدائے کربلا میں ان کا تذکرہ نہیں ہے۔ اور صاحب مناقب نے بھی بہت کمزور طور پر "روایتہ" کی لفظ سے ان کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے مجھے پورا وثوق اس کے متعلق نہیں ہے۔

پھر جب ایک ہی عبداللہ کی شہادت واقعۂ کربلا میں مشکوک ہے تو دو کا کیا ذکر۔ جن کے تذکرہ میں صاحب ناسخ متفرد ہیں۔

[1] اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۵۱

(۷)

موسیٰ بن عقیل

علّامہ مامقانی نے تنقیح المقال (ج ۳ صـ۲۵۷) میں اُن کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُن کی والدہ ام البنین بنت ابی بکر بن کلاب العامری تھیں اور وہ شہدائے کربلا میں سے ہیں۔

صاحب ناسخ لکھتے ہیں:-

"ابومخنف حدیث می کند کہ موسیٰ بن عقیل بحضرت حسین علیہ السلام آمد و سلام داد و بمیدان مبارزت تاخت و ایں ارجوزہ قرات کرد۔

یا معشر الکھول و الشبان　　اضربکم بالسیف و السنان

احمی عن الفتیۃ و النسوان　　و عن امام الانس و الجان

ارضی بذاک خالق الانسان　　ثم رسول الملک المنان

و حملۂ گراں افگند و چنداں بکوشید کہ ہفتاد کس از سپاہ ابن سعد را با شمشیر درگذرانید آنگاہ شہید گشت"

میرے تمام معتبر ماخذ اس ذکر سے خالی ہیں اس لئے مجھے اس پر اطمینان نہیں ہے۔

(۸)

عون بن عقیل

ابن شہر آشوب نے اُن کا نام شہدائے کربلا میں درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اہلبیت میں سے جو لوگ کربلا میں شہید ہوئے اُن کی تعداد

میں اختلاف ہے۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ وہ ستائیس تھے جن میں سے نو عقیل کی اولاد میں سے تھے اُن میں سے ایک عون تھے

صاحب ناسخ لکھتے ہیں:۔

ابن جوزی کتاب تذکرہ خواص الامہ فی معرفۃ الائمہ عون را در شمار پسران عقیل آوردہ او را نیز مقتول یوم طف دانستہ

علامہ سید محسن عاملی نے شہدائے کربلا کی فہرست میں ان کو "عون بن مسلم بن عقیل" لکھا ہے۔۔۔

(۹)

علی بن عقیل

صاحب ناسخ لکھتے ہیں:۔

فاضل مجلسی باسناد خود علی بن عقیل را در شمار شہدائے کربلا رقم کردہ"۔

(۱۰)

جعفر بن محمد بن عقیل

ابن شہر آشوب نے اُن کا نام نو کی تعداد میں اولاد عقیل سے جو کربلا میں شہید ہوئے ہیں درج کیا ہے۔ صاحب ناسخ لکھتے ہیں کہ:۔

"دیگر جعفر بن محمد بن عقیل است کہ در شمار شہدائے کربلا او را در قلم آوردہ اند بروایتے در یوم حرہ شہید شد"

علامہ سید محسن نے بھی شہدائے کربلا کی فہرست میں اُن کا نام لکھا ہے

(۱۱)

احمد بن محمد بن عقیل

علامہ مامقانی نے لکھا ہے کہ وہ روز عاشور میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

الیوم اتلو حسبی و دینی | بصارم تحملہ یمینی
احمی بہ عن سیدی و دینی | ابن علیؑ الطاہر الامین

اور بہت سے لوگوں کو فوج دشمن میں سے قتل کیا۔ یہاں تک کہ اُن کا گھوڑا زخمی ہو کر ہلاک ہو گیا پھر چاروں طرف سے گھیر کر اُنھیں بھی قتل کر ڈالا گیا

صاحب ناسخ لکھتے ہیں:-

"ہشتاد تن از کوفیان را بکشت انگاہ کشتہ گشت آں وقت نوبت باولاد جعفر طیار رضوان اللہ علیہ افتاد"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد عقیل کے سلسلہ میں سب سے آخر میں یہی شہید ہوئے ہیں اور ان کے بعد اولاد جعفر کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔

میں نے آخری نام بغیر کسی نقد و تبصرہ کے درج کر دئیے ہیں حقیقت یہ ہے کہ معتبر ماخذ ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

ابن شہر آشوب کی زبانی آپ نے سنا کہ عقیل کی اولاد جو نصرت امام حسینؑ میں شہید ہوئی ہے اُس کی تعداد نو ہے۔ اس کی تائید اُن اشعار سے ہوتی ہے جو سراقہ باہلی نے آل علی کے مرثیہ میں نظم کئے ہیں صاحب ناسخ نے اُن اشعار کو درج کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ:-

"مسعودی ایں اشعار را از مسلم بن قتیبہ مولی بنی ہاشم داند" ان میں

سے ابتدائی دو شعر یہ ہیں۔

یا عین بکّی بعبرۃ و عویل　　　واندبی ان ندبت آل الرسول

"اے آنکھ نالہ و فریاد کے ساتھ آنسو بہا اور اگر نوحہ کرنا ہے تو آلِ رسول پر نوحہ کر۔"

تسعۃ منھم لصلب علیؑ　　　قد ابیدوا و تسعۃ لعقیل

"نوّ اُن میں سے علیؑ کے صلب سے تھے جو قتل ہو گئے اور نوّ عقیل کی اولاد سے تھے۔"

ابن شہر آشوب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعداد میں جناب مسلم بن عقیل کا بھی حساب ہے جو نصرت امام حسینؑ میں کوفہ میں شہید ہوئے۔ اب شہدائے کربلا کی تعداد اولاد عقیل میں سے آٹھ قرار پاتی ہے۔

لیکن مذکورۂ بالا نام جو اولاد عقیل کے ذکر ہوئے ہیں وہ دس ہیں۔ ان کے علاوہ ایک "محمد بن ابی سعید بن عقیل" کا نام بھی شہدائے کربلا میں مذکور ہے جو تمام بنی ہاشم کے بعد سب سے آخری مقتول کی حیثیت سے ذکر کیا جائیگا۔ اس کے بعد یہ تعداد گیارہ تک پہونچ جاتی ہے۔ جو کسی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے یقیناً مذکورۂ بالا اشخاص میں سے بعض کے نام جن پر کافی تاریخی شہادت موجود نہیں بالکل ناقابلِ اعتبار ہیں اور نظر انداز کرنے کے قابل ہیں۔

پھر وہ اشعار جو صاحب ناسخ نے سراقۂ باہلی یا مسلم بن قتیبہ کی طرف منسوب کرکے لکھے ہیں۔ اُن ہی اشعار کو مصنف ابصار العین نے سلیمان بن قتۃ التیمی کے نام سے درج کیا ہے اور اُس میں پہلے دو نوب

شعروں کے الفاظ یہ ہیں :-

عین جودی بعبرۃ و عویل — واندبی ان بکیت آل الرسول

ستۃ کلھم لصلب علیؑ — قد اصیبو او سبعۃ لعقیل

اس میں تسعہ کے بجائے سبعہ ہے اور اس بنا پر آل عقیل کی تعداد سات رہ جاتی ہے اور حضرت مسلمؑ کے نکل جانے کے بعد چھ ہی رہ جاتے ہیں۔

(۱۲)

محمدؒ بن عبداللہؒ بن جعفرؒ بن ابیطالبؑ

یہ اور ان کے بھائی عون دونوں حضرت زینبؑ کے فرزند اور امام حسینؑ کے بھانجے مشہور ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے بھائی عون جن کا تذکرہ بعد کو آئیگا وہ تو جناب زینبؑ کے بطن سے تھے۔ لیکن یہ محمد اُن کے بطن سے نہ تھے۔ ان کی والدہ کا نام تھا خوصاء بنت حفصہ بن ثقیف بن ربیعۃ بن عائذ بن ثعلبۃ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل۔ خوصا کی ماں تھیں ہند بنت سالم بن عبد العزیز بن مخزوم بن سنان بن مولۃ بن عامر بن مالک بن تیم اللات بن ثعلبہ۔ اور ہند کی ماں تھیں میمونہ بنت بشر بن عمر بن الحرث بن ذہل بن شیبان بن ثعلبۃ

جب امام حسینؑ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے ہیں اور کوفہ کا قصد فرمایا ہے اُس وقت عبداللہؑ بن جعفر مدینہ ہی میں تھے۔ ظاہری حالات کی بنا پر امام کا مدینہ سے جانا اس خطرہ کی بنا پر تھا کہ وہاں کے حاکم کو یہ فرمان آچکا تھا کہ اگر حسینؑ بیعت نہ کریں تو اُن کا سر روانہ کیا جائے۔ اور اب مکہ سے روانگی اسی اندیشہ کی بنا پر ہے کہ وہاں کچھ لوگ حاجیوں کے لباس

میں بھیجے گئے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو حسینؑ کو قتل کر ڈالیں یا گرفتار کر کے شام کی سمت بھیجدیں۔ عبداللہ بن جعفر نے اس موقع پر اپنے مقدور بھر یہ بڑی خدمت انجام دی کہ وہ حاکم مدینہ عمرو بن سعید بن العاص کے پاس گئے اور اُس سے گفتگو کر کے ایک امان کا پروانہ امام حسینؑ کے لئے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد عون و محمد اپنے دونوں فرزندوں کے ہاتھ امام کے نام حسب ذیل مکتوب روانہ کیا۔

امّا بعد فانّی اسئلک باللہ لمّا انصرفت حین تنظر فی کتابی فانّی مشفق علیک من الوجہ الذی توجہ لہ ان یکون فیہ ھلاکک واستئصال اھل بیتک ان ھلکت الیوم طفیٔ نور الارض فانّک علم المھتدین و رجاء المؤمنین فلا تعجل بالسّیر فانی فی اثر الکتاب والسلام۔

"میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ میرا خط دیکھتے ہی یہاں واپس آئیے کیونکہ اس طرف جدھر آپ کا قصد ہے مجھے آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہلبیت کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر آپ دنیا سے اُٹھ گئے تو زمین کی روشنی رخصت ہو گئی کیونکہ آپ طالبان ہدایت کے لئے نشان راہ اور مومنین کی امید وں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے۔ میں خود بھی اسی خط کے پیچھے آرہا ہوں۔ والسلام۔"

عون و محمد یہ خط لیکر امام کی خدمت میں راستہ میں جاکر ملحق ہوئے۔ عمرو بن سعید نے عبداللہ بن جعفر کے اصرار سے امان نامہ تحریر کیا اور اُسے اپنے بھائی یحییٰ کے ساتھ عبداللہ کے پاس بھیجا۔ عبداللہ یحییٰ کے ساتھ

[illegible]

پر پہونچے تو عبداللہ اور یحییٰ وہاں آکر امام سے ہمکلام ہوئے اور وہ تحریر امام کے سامنے پیش کی حضرت نے اُن کی رائے سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ مجھے اب یہاں قیام کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اور عمرو بن سعید کے نام اُس تحریر کا جواب لکھکر اُن کے سپرد کیا۔ عبداللہ کچھ مجبوریوں کی وجہ سے اس سفر میں ساتھ نہ جا سکتے تھے۔ اُنھوں نے عون و محمد کو حضرت کے ساتھ رہنے کی ہدایت کی اور خود مدینہ واپس گئے۔

اسی لئے محمد بن عبداللہ کے متعلق زیارت شہدا میں حسب ذیل الفاظ وارد ہوئے ہیں:۔

السلام علی محمد بن عبد اللہ بن جعفر الشاھد مکان ابیہ والتالی لاخیہ وواقیہ ببدنہ لعن اللہ قاتلہ عامر بن نھشل التمیمی۔

اس میں محمد بن عبداللہ بن جعفر کے لئے کہا گیا ہے "اپنے باپ کے قائم مقام" اس کے معنی غالباً یہی ہیں کہ عبداللہ بن جعفر نے اپنے دونوں بیٹوں کو بحیثیت قائم مقام کے حضرت کی نصرت کے لئے ساتھ کیا تھا۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ جب واقعہ کربلا کے حالات کی اطلاع مدینہ میں ہوئی اور امام حسینؑ کے ساتھ عون و محمد کی شہادت کی خبر بھی گئی لوگ عبداللہ بن جعفر کے پاس تعزیت کے لئے آنے لگے۔ اس موقع پر اُن کے غلام ابواللسلاس نے کہا کہ یہ نتیجہ ہے جو ہم کو حسین کے ہاتھوں حاصل ہوا عبداللہ نے اُس غلام کو جوتا کھینچ کر مارا اور کہا او حرامزادے تو حسینؑ کے لئے ایسا کہتا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں اُن کے ساتھ موجود ہوتا تو میں بھی

اپنی جان نثار کرتا اور مجھے تو یہ سوچ کر تسلی ہوتی ہے کہ میرے دونوں فرزند میرے بھائی کے ساتھ کام آئے اور اُنھوں نے وفاداری اور استقلال کے فرض کو انجام دیا۔ پھر آپ دوسرے حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا "شکر ہے اُس خدا کا جس نے شہادت حسینؑ میں مجھے سرخرو رکھا۔ اور اگر میں خود حسینؑ کی نصرت نہ بھی کر سکا تو میں نے اپنے دونوں فرزندوں کے ساتھ اُن کی مدد کی"۔

اس واقعہ کو شیخ مفید طاب ثراہ نے ارشاد میں درج کیا ہے۔

۱؎ تنقیح المقال ج ۲ ص ۱۳۵

ابن شہر آشوب نے عبدالرحمٰن بن عقیل کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد محمد بن عبداللہ بن جعفر رجز پڑھتے ہوئے میدان میں آئے اور اُنھوں نے دس آدمی فوج دشمن میں سے قتل کئے۔ اُن کو عامر بن نہشل نے قتل کیا۔

صاحب ناسخ نے احمد بن محمد بن عقیل کے بعد لکھا ہے۔

"آنوقت نوبت باولاد جعفر طیار رضوان اللہ علیہ افتاد نخستین محمد بن عبداللہ بن جعفر بود کہ آہنگ مفارقت کرد"

طبری نے صرف اتنا لکھا ہے کہ "عامر بن نہشل تمیمی نے محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب پر حملہ کیا اور اُنھیں قتل کر ڈالا"۔

زیارت شہداء کے جو الفاظ شروع میں درج کئے گئے ہیں اُن میں یہ فقرہ خاص توجہ کا مستحق ہے

"الشاھد لمکان ابیہ والتالی لاخیہ وواقیہ ببدنہ"

اس کے پہلے جزو کی شرح پہلے درج ہو چکی ہے۔ بے شک وہ نصرت

حسین میں اپنے باپ کے قائم مقام تھے مگر دوسرا جزو اس میں (لاخیہ) کی ضمیر اگر (ابیہ) کی طرف راجع ہو تو کوئی خاص بات پیدا نہیں ہوتی مطلب یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے باپ کی قائم مقامی کی اور ان کے بھائی (یعنی امام حسینؑ) کی پیروی کی اور اپنے جسم کو ان پر فدا کیا۔ لیکن اگر یہ ضمیر خود ان کی طرف راجع ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ "اپنے بھائی کی پیروی کرنے والے اور اپنے جسم کو ان کی سپر قرار دینے والے"۔

اس صورت میں یہ ایک مخصوص چیز ہے جو کسی واقعہ کا پتہ دیتی ہے۔ میر انیس اور ان کے خاندان کے لوگوں نے اپنے مرثیوں میں عون و محمد کا ایک ساتھ میدان جنگ میں جانا تحریر کیا ہے اور عون کو محمد سے بڑا بتلایا ہے۔

اس فقرہ کا مضمون اسی مرثیہ کی روایت پر منطبق ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ عون میدان جنگ میں گئے اور ان کے پیچھے پیچھے محمد گئے اور میدان جنگ میں وہ اپنے بھائی کی حفاظت کرتے رہے اور ان کے سامنے سینہ سپر ہو کے دشمنوں کو قتل کرتے رہے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے اور ان کے بعد عون درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ مگر میرے زیر نظر تمام ماخذ اس روایت سے خالی ہیں۔

سلیمن بن قتہ کے اس قصیدہ میں جس کے دو شعر اولاد عقیل کی تعداد کے باب میں پہلے نقل ہو چکے ہیں اور جسے صاحب ناسخ نے سراقۂ باہلی یا مسلم بن قتیبہ کی طرف منسوب کیا ہے عون و محمد کی شہادت

کا خصوصیت کے ساتھ ان الفاظ میں ذکر ہے۔

وانْدُبْ اِنْ نَدَبْتَ عَوْنًا اَخَاهُمْ   لَيْسَ فِيمَا يَنُوبُهُمْ بِخَذُولِ

وَسَمِيّ النَّبِيّ غُودِرَ فِيهِمْ   قَدْ عَلَوْهُ بِصَارِمٍ مَصْقُولِ

"اور اگر رونا ہے تو ان کے بھائی عون کو رو جو بڑے ثابت قدم اور وفادار تھے اور رسول کے ہمنام (محمد) وہ بھی میدان جنگ میں شہید ہوئے اور ان پر صیقل شدہ تلوار کی ضرب لگائی گئی"۔

گزشتہ روایات کی بنا پر جو آپ کے سامنے محمد کی شہادت کے بارے میں پیش ہوئی ہیں اور جو عون کے حالات میں آپ کے سامنے آئینگی کسی طرح یہ پتہ نہیں چلتا کہ عون و محمد کمسن تھے۔ مگر مرثیہ گو شعرا نے انھیں بچہ ہی قرار دیا ہے۔

علامہ کنتوری نے اپنی کتاب "مائتین فی مقتل الحسین" (ج ا ص ۲۲۳) میں واقعۂ کربلا کے خصائص میں لکھا ہے:۔

قد شرح الجهاد فی واقعة علی الصبیان مثل عون و محمد وغیرهم بل علی الاصاغر کعبد الله بن الحسن و نحوهم لفد اه۔

"اس واقعہ میں جہاد بچوں تک پر واجب تھا جیسے عون و محمد وغیرہ بلکہ ان سے بھی کم سن کے بچوں پر جیسے عبداللہ بن الحسن"

یہاں عون و محمد کو بچہ کہا گیا ہے مگر عبداللہ بن الحسن کو ان سے بھی کم سن کا بچہ۔

اب چونکہ عبداللہ امام حسن کے فرزند ہیں اور امام حسن کی وفات سے واقعۂ کربلا تک دس برس یقینی ہیں لہٰذا عبداللہ کی اس سے کم عمر نہیں

ہو سکتی اور عون و محمد کا سن چونکہ اُن سے زیادہ بتلایا گیا ہے۔ لہذا وہ گیارہ اور چودہ برس کے درمیان میں قرار پائینگے مگر میرے خیال میں یہ بیان کسی تاریخی شہادت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اُسی شہرت کا نتیجہ ہے جو عون و محمد کے سن کے متعلق عام طور سے مرثیہ گویوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔

(۱۳)

عون بن عبداللہ بن جعفر

حضرت زینب بنت علیؑ کے فرزند تھے۔ اس لئے یہ امام حسینؑ کے چچازاد بھائی کے فرزند ہونے کے علاوہ آپ کے بھانجے بھی تھے۔

جس طرح عوام کی وہ شہرت کہ عون و محمد دونوں جناب زینب کے فرزند تھے درست نہیں ہے اسی طرح بعض خواص کا یہ خیال کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی جناب زینب کے بطن سے نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ کنتوری "مائتین" (جلد ا صفحہ ۶۲۳) میں لکھتے ہیں:-

امّا عون وجعفر فهما ليسا من ابناء زينب بل فوّضهما ابوهما وهو عبد الله بن جعفر زوج زينب ليفديهما على اخيها كما عليه الاصحاب وامّا علىّ الزينبى فلست ادرى الى يومى هذا انّه ما عاقه عن المسير معها فى سفر العراق۔

"عون و جعفر، دونوں جناب زینب کے فرزند نہیں ہیں بلکہ ان کو اُن کے والد بزرگوار نے اور وہ عبداللہ بن جعفر جناب زینب کے شوہر تھے سپرد کیا تھا تاکہ وہ اُن کے بھائی پر فدا ہوں جیسا کہ ہمارے علماء کا

خیال ہے۔ رہ گئے علی زینبی (جو جناب زینب کے بطن سے تھے) تو اب تک میں نہیں سمجھ سکا ہوں کہ وہ کس وجہ سے جناب زینب کے ساتھ اس سفر میں نہ جا سکے تھے۔"

اس میں ایک تو دھوکا ناموں میں ہوا ہے کہ "عون و محمد" کو "عون و جعفر" لکھا گیا ہے۔ حالانکہ اس کے قبل جو عبارت درج ہو چکی ہے اُس میں خود ناسخ (ج ۱ صفحہ ۲۲۳) میں عون و محمد مذکور ہے۔ اس کے علاوہ علماء کی طرف جو نسبت دی گئی ہے وہ درست نہیں ہے۔ چنانچہ ابوالفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں لکھا ہے:۔

عون بن عبد اللہ بن جعفر بن ابیطالب و امہ زینب العقیلۃ بنت علی بن ابیطالب و امھا فاطمۃ بنت رسول اللہ ص

علامہ مامقانی نے محمد بن عبداللہ بن جعفر کے ذکر میں لکھا ہے:۔

ان بعض الفضلاء زعم ان محمد امہ زینب بنت علی امیر المؤمنین وھو مما یأبی عنہ التاریخ انما امھا عون۔

"بعض فضلاء نے خیال کیا ہے کہ محمد کی والدہ زینب دختر امیر المومنین تھیں۔ یہ تاریخ کے خلاف ہے۔ جناب زینب کے فرزند تو بس عون تھے۔"

مؤلف ابصار العین اور علامہ سید محسن عاملی مصنف اعیان الشیعہ بھی اسی کے مؤید ہیں۔ اس لئے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

ابن شہر آشوب نے عون بن عبداللہ بن جعفر کی جنگ اُن کے بھائی محمد کے بعد لکھی ہے اور لکھا ہے کہ اُن کو عبداللہ بن قطبہ طائی نے قتل کیا۔ زیارت شہداء میں اُن کے قاتل کا نام عبداللہ بن قطبۃ النبہانی لکھا ہے۔

صاحب ناسخ لکھتے ہیں۔

"بدست عبداللہ بن بطہ الطائی شہید شد وبعضی قاتل او را عبداللہ بن قطبۃ النبہانی دانند" مگر یہ اختلاف جسے صاحب ناسخ نے دکھلایا ہے کوئی چیز نہیں ہے۔ نبہان خود قبیلۂ طے کی شاخ ہے۔ اس لئے جو نبہانی ہوگا اُسے طائی کہنا درست ہوگا۔ رہ گیا نام تو ظاہر ہے کہ صاحب ناسخ نے اس میں دھوکا کھایا ہے وہ "عبداللہ بن قطبہ" کی لفظ ہے جسے اُنھوں نے عبداللہ بن بطہ اور عبداللہ بن قطنہ درج کیا ہے۔ طبری نے لکھا ہے:۔ حمل عبد اللہ بن قطبۃ الطائی ثم النبھانی علی عون بن عبد اللہ بن جعفر فقتلہ۔

"یعنی عبداللہ بن قطبہ طائی نبہانی نے عون بن عبداللہ بن جعفر پر حملہ کیا اور اُنھیں قتل کر دیا"

(۱۴)

عبیداللہ بن عبداللہ بن جعفر

ابن شہر آشوب نے عون بن عبداللہ کے بعد لکھا ہے:۔

وروی ان عبید اللہ بن عبد اللہ اخاہ قتلہ بشر بن خویط القابضی۔

"کہا گیا ہے کہ عبیداللہ بن عبداللہ ان کے بھائی کو بشر بن خویط قابضی نے قتل کیا۔"

پھر اُن شہدائے کربلا کی فہرست میں جو خاندان بنی ہاشم سے تھے لکھا ہے کہ تین فرزند جعفر کے محمد بن عبداللہ بن جعفر اور عون الاکبر بن عبداللہ اور عبیداللہ بن عبداللہ"

صاحب ناسخ بھی لکھتے ہیں:-

"عبید اللہ بن عبد اللہ بن جعفر نیز جماعتی گویند در یوم طف ملازمت خدمت حسینؑ علیہ السلام را داشت - و دراں واقعہ شہادت یافت

علامہ مامقانی نے لکھا ہے کہ اُن کی والدہ خوصا بنت حفصۃ بن ثقیف قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تھیں۔ اور وہ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔"

علامہ سید محسن شامی نے بھی اُن کا نام شہدائے بنی ہاشم کی فہرست میں درج کیا ہے۔

پھر بھی میں ان بیانات سے مطمئن نہیں ہوں اس لئے کہ زیارت شہدا اور دوسرے معتبر ماخذ ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

بعض کتب میں عون و محمد فرزندان جعفر کی شہادت بھی کربلا میں مذکور ہے مگر جیسا کہ میں نے "محاربہ کربلا" ص۹ پر لکھا ہے یہ درست نہیں ہے محمد بن جعفر جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے - اور عون اس کے بھی بہت پہلے قتل ہو چکے تھے - کربلا میں جو عون و محمد قتل ہوئے ہیں وہ عبداللہ بن جعفر کے فرزند ہیں اور جعفر کے پوتے ہیں۔

(۱۵)

قاسم بن محمد بن جعفر

علامہ مامقانی نے تنقیح المقال (ج ۳ ص ۲۲) میں انکا ذکر کیا ہے - وہ

maablib.org

لکھتے ہیں کہ ان کی والدہ ام ولد تھیں۔ یہ اپنے چچازاد بھائی امام حسینؑ کے ساتھ رہے اور کبھی آپ سے جدا نہیں ہوئے۔ عبداللہ بن جعفر کی صاحبزادی ام کلثوم الصغریٰ جو جناب زینبؑ کے بطن سے تھیں اور جن کے ساتھ معاویہ نے اپنے فرزند یزید کا پیغام دیا تھا اور اس کا ایک طولانی قصہ ہے جو اپنے محل پر مذکور ہے۔ ان ام کلثوم کے ساتھ امام حسینؑ نے قاسم کا عقد کر دیا تھا۔ قاسم اپنی زوجہ کے ساتھ واقعۂ کربلا میں موجود تھے۔ عون بن جعفر کی شہادت کے بعد میدان جنگ میں آئے اور بہت سے لوگوں کو قتل کرنے کے بعد شہید ہوئے۔

اس روایت کے تمام اجزاء میرے نزدیک نوادر میں سے ہیں اور سوائے اس کتاب کے میری نظر سے کہیں نہیں گزرے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کا اصلی ماخذ کیا ہے اور وہ کہاں تک درست ہیں۔

(۱۶)

عبداللہ بن ابی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب

ان کی کنیت ابو الہیاج ہے اور ان کی والدہ کا نام سمیہ بنت ہمام بن الارقم الاسدیہ ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب اصابہ فی معرفۃ الصحابہ (مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۳۲) میں ان کے حالات درج کئے ہیں اور لکھا ہے کہ بغوی نے ان کو اصحاب رسول میں ذکر کیا ہے اور واقدی نے مقتل حسینؑ میں لکھا ہے کہ ابو الہیاج حسینؑ کے ساتھ قتل ہوئے۔ علامہ سید علی خاں مدنی نے بھی کتاب (الدرجات

maablib.org

الرفیعہ فی طبقات الشیعہ) میں واقدی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ اور علامہ سید محسن عاملی نے اعیان الشیعہ (ج ۱ ص ۶۳...) میں بھی واقدی ہی کا حوالہ دیا ہے۔

بہرحال اس کی سند صرف واقدی کا قول ہے بے شک واقدی بہت بڑا مورخ ہے۔ لیکن اس صورت میں کہ جب تمام دوسری تاریخیں اور مقاتل اس سے خالی ہیں۔ تو صرف واقدی کے بیان پر قطعی فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر یہ واقعہ ہو کہ عبداللہ بن ابی سفیان کربلا میں شہید ہوئے ہیں تو یہ اس حیثیت سے بھی ایک نادر چیز ہے کہ واقعۂ کربلا میں جہاں تک دیکھا جاتا ہے۔ بنی ہاشم جتنے تھے تمام ابو طالب کی اولاد تھے۔ اور بنی ہاشم کے دوسرے گھرانوں میں کا کوئی فرد موجود نہ تھی لیکن یہ صرف عبداللہ بن ابی سفیان کی خصوصیت سمجھی جائیگی کہ وہ اولاد حارث بن عبدالمطلب سے تھے اور اس واقعہ میں شہید ہوئے۔

(۱۷)

عبداللہ بن الحسنؑ بن علیؑ بن ابیطالبؑ

ابن شہر آشوب نے اولاد عقیلؑ و جعفرؑ کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ ان کے بعد عبداللہ بن الحسن میدان جنگ میں گئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:۔

ان تنکرونی فانا فرع الحسن ... سبط النبی المصطفیٰ والمؤتمن

maablib.org

هٰذا الحسین کیثاً لا سبیٍ المرتھن　　بین اناس لاسقوا صوب المزن

اُنھوں نے چودہ آدمی قتل کئے اور آخر ہانی بن شبیت حضرمی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ امام حسن کے چار فرزند کربلا میں شہید ہوئے۔ ان میں سے ایک عبداللہ تھے۔

صاحب ناسخ نے عبداللہ کی شہادت جناب قاسم کے بعد درج کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"بعد از وے عبداللہ اکبر بن حسن بمیدان آمد و او مکنی بابی بکر بود این ارجوزہ قرارت کرد۔

ان تنکرونی فانا ابن حیدرہ　　ضرغام آجام ولیث قسورہ

علی الاعادی مثل ریح صرصرہ　　اکیلکم بالسیف کیل السندرہ

وحملہ افگند ورزمی صعب داد و چہاردہ تن از فرسان سپاہ را بضرب سیف و سنان تباہ ساخت ناگاہ مردی کہ اورا ہانی بن ثبیت حضرمی میخواندند بغافصہ بروی جراحت داد و را مقتول ساخت۔"

عبداللہ کے نام کے ساتھ اکبر کی لفظ اس لئے ہے کہ عبداللہ بن الحسن بن علی ایک کمسن بچہ کی شہادت تمام شہداء کے بعد اُس وقت نقل ہوئی ہے کہ جب سید الشہداء زخموں سے چور ہو کر زمین پر تشریف لا چکے تھے۔

اسی لئے صاحب ناسخ نے عبداللہ اکبر کے حال کے آخر میں لکھا ہے :۔

"و شرح شہادت عبداللہ اصغر بہ ہنگام شہادت امام حسین علیہ السلام

مرقوم خواہیم داشت"۔

صاحب ناسخ نے لکھا ہے کہ عبداللہ اکبر جن کا ذکر یہاں ہو رہا ہے قاسم سے زیادہ عمر رکھتے تھے۔ مگر سلسلۂ شہدا میں قاسم کے بعد شہید ہوئے۔ ابن شہر آشوب کی روایت اس کے خلاف ہے۔ انھوں نے اولادِ امام حسنؑ میں عبداللہ کو سب سے پہلا مقتول قرار دیا ہے۔

ابصار العین فی انصار الحسینؑ میں عبداللہ بن الحسنؑ کے زیر عنوان اُس کمسن بچہ کا تذکرہ ہے جو شہادت امام حسینؑ کے موقع پر شہید ہوا ہے۔ مگر عبداللہ اکبر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نیز دوسرے معتبر ماخذ بھی سالی میں اور زیارت شہداء میں بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

مناقب ابن شہر آشوب میں عبداللہ کی جو رجز مذکور ہوئی ہے وہ وہی ہے کہ جو جناب قاسم کے حالات میں درج ہو گی۔ صاحب ناسخ نے عبداللہ کی رجز دوسری لکھی ہے مگر وہ امیر المومنینؑ کی جنگ خیبر والی رجز ہی میں تھوڑے سے تصرف کے ساتھ طیار ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنائی ہوئی چیز ہے۔

(۱۸)

قاسم بن الحسنؑ

اس شہید کو گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے واقعۂ کربلا میں خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔

قاسم کی والدہ کے متعلق میرے زیر نظر کتابوں میں کوئی خاص

maablib.org

تفصیل نہیں ہے۔ ابن شہر آشوب نے امام حسنؑ کی اولاد کے بیان میں لکھا ہے عبداللہ وعمر والقاسم امھم امّ ولد۔

علامہ سید محسن عاملی کے بھی الفاظ یہی ہیں۔

ابصار العین میں پہلے ابو بکر بن الحسنؑ کا ذکر ہے اور ان کے متعلق لکھا ہے کہ "اُن کی والدہ ام ولد تھیں"۔ پھر جناب قاسم کے حال میں لکھا ہے کہ "وہ اور ابو بکر بن الحسن ایک ہی ماں کے بطن سے تھے اور کہا جاتا ہے کہ اُن کا نام رملہ تھا۔"

عام طور سے جو جناب قاسم کی ماں کا نام ام فروہ مشہور ہے اس کا کوئی ثبوت میری نظر سے نہیں گذرا۔

سِن جناب قاسم کی کمسنی کے متعلق بہت سی روایتیں مشہور ہیں جن سے مجموعی طور پر نتیجہ یقیناً نکلتا ہے کہ وہ تمام دوسرے میدان جنگ میں جا کر لڑنے والے شہیدوں میں کمسن تھے۔

طبری کی روایت میں ہے کہ خرج الینا غلام کانّ وجھه شقة قمر فی یدہ السیف علیه قمیص وازار ونعلان قد انقطع شسع احدھما انسی انھا الیسریٰ۔ راوی کہتا ہے کہ:۔

"ایک لڑکا فوج حسینی سے ہماری طرف متوجہ ہوا کہ گویا اُس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اور وہ ایک قمیص ایک پائجامہ اور دو جوتیاں پہنے تھا جن میں سے ایک کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا اور مجھے خوب یاد ہے کہ وہ بائیں طرف والی تھی۔"

اس میں "غلام" کی لفظ اگرچہ نابالغی کی دلیل نہیں ہے کیونکہ مجازاً

یہ لفظ جوانی کے حدود تک بولی جاتی ہے۔ چنانچہ یہی لفظ جناب علی اکبر کی نسبت وارد ہوئی ہے۔ مگر یہ شان کہ کرتہ اور پائجامہ پہنے ہوئے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹا ہوا، کمسنی کا پتہ ضرور دیتی ہے۔ یہ قابل توجہ امر ہے کہ تمام دوسرے شہید اسلحۂ حرب سے آراستہ تھے لیکن قاسم کے جسم پر جنگ کا لباس نہ تھا۔

اس سلسلہ میں حضرت بحر العلوم جناب علن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کی یہ توجیہ مشہور ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ معلوم ہوتا ہے عرب میں اس سن کے بچوں کی زرہ طیار ہی نہ ہوتی تھی اور اس لئے قاسم اُسی معمولی لباس میں تھے جو بچوں کا عموماً ہوتا ہے۔

بحار وغیرہ میں جناب قاسم کی نسبت ہے ھو غلام لم یبلغ الحلم "وہ بچہ تھے اور سن بلوغ تک نہ پہونچے تھے"۔

صاحب ناسخ لکھتے ہیں:-

"قاسم باتفاق علمائے سیر حدود تکلیف را مالک و شرف نبود اگرچہ من بندہ این خبر را استوارگی دارم لکن در تقویت خردسالی قاسم می نگارم کہ در تذکرۃ الائمہ مسطور است کہ قاسم در یوم طف ۹ نہ سالہ بود"۔

یہ نو سال کی..... عمر کی روایت تو بہر حال درست نہیں ہے اس لئے کہ امام حسنؑ کی وفات سے واقعۂ کربلا تک دس برس کی مدت ہے اس لئے امام حسنؑ کے کسی فرزند کی عمر اس سے کم نہیں ہو سکتی۔ پھر اگر عبداللہ بن حسن کی شہادت جس کا تذکرہ بعد میں آئیگا امام حسینؑ کے گھوڑے سے زمین

پر تشریف لانے کے بعد تسلیم کیا جائے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ سب میں کم سن تھے اور قاسم کا سن اُن سے یقیناً زیادہ تھا تو قاسم کی عمر کم از کم بارہ برس کی ضرور ہو گی۔ بہر حال موقع جنگ کے لحاظ سے یہ عمر بھی کم ہے اور اس عمر پر تمام اُن روایات کا انطباق ہو سکتا ہے جو قاسم کی کمسنی کے متعلق بیان کی جاتی ہیں۔

امام حسنؑ کی وصیت } شرع میں وصیت کرنا مستحب ہے لیکن وصیت کے قبول کے بعد اُس پر عمل کرنا دوسرے شخص پر واجب ہے

امام حسنؑ اور امام حسینؑ ان دونوں بھائیوں میں آپس میں وہ محبت تھی جو تمام دنیا کے بھائیوں کے لئے ایک کامل نمونہ ہے۔ والدین کی محبت کا بہت بڑا نتیجہ اولاد کی باہمی شادی کا ہونا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے "محاربہ کربلا" صـ۶۷ میں لکھا ہے بہر حال شادی کے لئے جس طرح کی بھی اخلاقی و روحانی خصوصیتوں کی ضرورت ہے وہ ایک امام کے فرزند کے واسطے ایک امام کی دختر سے زیادہ نہیں مجتمع ہو سکتے۔

اسی لحاظ سے امام حسنؑ نے آخری وقت اپنے چھوٹے بھائی امام حسینؑ سے یہ وصیت کی تھی کہ اُن کے بڑے فرزند حسن مثنیٰ کا عقد امام حسینؑ کی بڑی بیٹی کے ساتھ اور اُن کے چھوٹے فرزند قاسم کا عقد اُن کی چھوٹی بیٹی کے ساتھ کیا جائے۔

امام حسینؑ نے بھی اپنے بھائی کی اس آخری وصیت کو منظور کر لیا تھا اور اس طرح یہ وصیت اُن کے لئے نافذ اور واجب العمل ہو گئی تھی۔

اس وصیت کا پہلا جزو بالکل متفق علیہ ہے۔ صاحب ناسخ بھی

لکھتے ہیں کہ حسن مثنیٰ کی شادی حضرت امام حسینؑ نے اپنی صاحبزادی کے ساتھ حسن مجتبیٰ کی وصیت کے مطابق مدینہ میں کر دی تھی مگر دوسرے جزو کے متعلق اختلاف کیا جاتا ہے حالانکہ درایۃً وہ اسی طرح قابل قبول ہے جس طرح پہلا جزو تسلیم کیا جاتا ہے۔

اس وصیت کے متعلق جو کچھ بھی عقلی شکوک ہو سکتی ہیں ان کا دفعیہ میں نے "محاربۂ کربلا" میں تفصیل کے ساتھ کر دیا ہے۔

حضرت امام حسنؑ نے ایک وصیت قاسم کو بھی کی تھی اور چونکہ قاسم اس وقت بہت کمسن تھے اس لئے زبانی کہنے کے بجائے آپ نے تعویذ باندھ کر قاسم کے بازو پر باندھ دیا تھا تاکہ قاسم کی والدہ اس کے بعد قاسم کو بتلائیں کہ اس تعویذ کا منشا کیا ہے۔ اس تعویذ میں یہ تھا کہ جب واقعہ کربلا درپیش ہو اور تمھارے چچا پر مصیبت کا وقت پیش آئے تو اپنی جان حسینؑ پر نثار کر دینا

میرے دوست نیاز فتحپوری نے جو ملک کے موقر رسالہ "نگار" کے مدیر ہیں۔ میرے رسالہ "محاربۂ کربلا" پر تبصرہ کرتے ہوئے اس جزو پر خاص توجہ کی ہے۔ اور انھوں نے تعریضاً لکھا ہے کہ اس رسالہ میں معجزات و کرامات کا بھی تذکرہ ہے۔

maablib.org

مجھے اس کے تسلیم کرنے میں عذر نہیں ہے کہ محترم مدیر نگار کے مسلک پر جو وہ الٰہیات و نبوت کے سلسلہ میں اختیار کئے ہوئے ہیں اور جن کی بنا پر معجزات و اخبار غیبیہ کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی' یہ روایت یقیناً قابل قبول نہیں ہے۔ مگر میں کہ جو اپنے محترم دوست کے ساتھ اس مسلک میں متفق نہیں ہوں کیسے مجبور کیا جا سکتا ہوں کہ ان واقعات

ر اُن ہی کے زاویہ نگاہ کی عینک لگا کر دیکھوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ پیغمبر اسلام کی زبانی بہت سے واقعات اور بالخصوص واقعہ کربلا کی پیشین گوئی کا ہونا ایک ایسی مسلمہ روایت ہے جو اعتقادیات سے گذر کر تاریخی حقائق کے حدود میں آگئی ہے۔ اور اس لئے واقعہ کربلا کے متعلق کوئی اس طرح کی پیش بندی ہرگز واقعہ کے خلاف نہیں سمجھی جا سکتی۔

طلب رخصت روز عاشور جب اعزائے امام کی باری آ چکی تھی اور اولاد عقیل و جعفر قتل ہو چکی۔ اب امام حسن کی اولاد کی باری آئی۔ ابن شہر آشوب کی روایت کی بنا پر قاسم کے بڑے بھائی عبداللہ بھی شہید ہو چکے تو قاسم خدمت امام میں حاضر ہوئے اور اجازت جہاد طلب کی۔ تاریخ گواہ ہے کہ علی اکبر کو میدان جنگ بھیجنے میں امام کی جانب سے ذرا بھی توقف نہیں ہوا لیکن قاسم کی اجازت پر امام نے اس درجہ تامل فرمایا کہ ظاہری اسباب سے قاسم کو مایوسی ہو گئی اور وہ محزون و مغموم ہو کر خیمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے مگر امام حسنؑ کے ہاتھ کا ایک تعویذ جو بازو پر بطور وصیت نامہ کے بندھا تھا اُسے کھول کر پڑھنے کا خیال آ گیا۔ دل کو ڈھارس ہوئی اُس میں آج ہی کے دن کی پیشینگوئی تھی اور قاسم کو اپنی جان نثار کرنے کی ہدایت تھی۔

قاسم کو اس سے بڑی تقویت حاصل ہوئی اور اُنھوں نے اسی کو اپنے چچا کی خدمت میں بطور سفارش اجازت پیش کیا جس کے بعد امامؑ کو یقین ہو گیا کہ اب قاسم رک نہیں سکتے۔

آپ سن چکے ہیں کہ امام حسنؑ نے اپنے بھائی امام حسینؑ کو کربلا میں عقد کی وصیت کی تھی۔ اب تک قاسمؑ کی کمسنی کی وجہ سے ظاہری اسباب کی بنا پر اُس وصیت کے نفاذ کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی لیکن اب اس وقت جبکہ قاسمؑ دنیا سے رخصت ہونے کے لئے آمادہ ہیں تو ظاہری اسباب کے لحاظ سے اُس وصیت کے نفاذ کا وقت سبقت ہو گیا ہے جو امام حسنؑ نے اپنے بھائی کو کی تھی۔

اگر امام اس وقت اس کی تکمیل نہ کریں تو ایک بہت بڑا اسلامی فرض تشنۂ عمل رہ جائے۔ اس لئے امام نے اُس تعویذ کو دیکھنے کے بعد اب قاسمؑ کو روکنے کا تو عمل نہ پایا لیکن آبدیدہ ہو کر یہ فرمایا کہ "اچھا تم اپنے والد بزرگوار کی وصیت پر عمل کرو مگر مجھے بھی تو بھائی کی ایک وصیت ہے اُس کو مجھے پورا کرنا چاہئے"۔

یہ فرما کر قاسمؑ کا ہاتھ پکڑا اور خیمہ کے اندر لائے۔ تبرکات کے صندوق میں سے بزرگوں کا لباس نکالا اور وہ قاسمؑ کو پہنا کر اپنی اُس صاحبزادی کا جو قاسمؑ کو منسوب تھیں عقد قاسمؑ کے ساتھ پڑھ دیا۔

اس واقعہ کو اتنے کثیر التعداد علماء نے لکھا ہے جن کے متعلق شبہہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک غلط اور بے اصل واقعہ کو اپنی کتابوں میں درج کریں گے۔

اس سلسلہ میں عام طور پر جو گفتگو کی پیش کئے جاتے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ جناب امام حسینؑ کے صرف دو صاحبزادیاں تھیں ایک کی شادی حسن مثنیٰ کے ساتھ ہو چکی تھی اور ایک کمسن تھیں۔ اب

ہ کون صاحبزادی تھیں جن کے ساتھ قاسم کا عقد ہو سکے۔

مگر معلوم ہوتا ہے کہ اکثر محققین کے قول کے مطابق امام کی چار صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک مدینہ میں چھوڑ دی گئی تھیں اور تین آپ کے ساتھ موجود تھیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس واقعہ کی ابتدا ملا حسین واعظ کاشفی سے ہوئی ہے جنھوں نے روضۃ الشہداء میں اس واقعہ کو درج کیا ہے اور ان کے علاوہ کسی مصنف نے نہیں لکھا ہے۔ مگر جب علامہ فخرالدین طریحی اور علامہ سید ہاشم بحرینی کی مندرجہ روایت کا روضۃ الشہداء کی روایت سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے بہت سے جزو روضۃ الشہداء سے مختلف ہیں جس کی بنا پر یقین ہو جاتا ہے کہ اُن کا ماخذ روضۃ الشہداء نہیں ہے۔

اس بحث کو ہمارے بھائی مولانا آغا مہدی صاحب نے اپنی کتاب "عبائر الانوار" میں جو مستقل اسی موضوع پر کئی سو صفحے میں لکھی ہے تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عاشور کا قیامت خیز دن شادی کا نہ تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے ذہن میں شادی کا تصور "ہندوستانی" ہے۔ اسلام میں عقد نکاح کوئی رسمی تقریب نہیں ہے جس میں کسی جشن کی ضرورت ہو اور عیش و عشرت کے ہنگامہ کا انتظار ہو۔ شادی ایک آئینی رشتہ ہے جو شرعی قانون کے تحت میں قائم ہوتا ہے اور امام حسینؑ کے لئے وہ اس وقت ایک فرض کی حیثیت رکھتا تھا جسے ادا کرنا ضروری تھا۔

یہ عقد کوئی تقریب خوشی کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے حقیقتاً مصیبت کی عظمت اور اس کی ندرت میں اضافہ کر دیا تھا۔ میں نے جیسا کہ "محاربہ کربلا" میں لکھا ہے یہ عوام کی غلطی اور لفظوں کی کوتاہی ہے کہ وہ قاسم کو ایک شب کا داماد اور فاطمہ کبریٰ کو ایک شب کی دولھن کہیں اور اسے تکیہ کلام بنا لیں حالانکہ حقیقۃً وہ چند لمحوں کا رشتہ تھا جو دنیا میں موت کے ہاتھوں قطع ہو گیا۔

قاسم کو شہادت کا شوق تھا۔ اس لئے وہ دیر تک ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ سب سے رخصت ہوئے اور عروس سے بھی رخصت ہوئے میں نے اس موقعہ پر قاسم کے دلی احساسات کی ترجمانی "محاربہ کربلا" میں تفصیل کے ساتھ کی ہے۔ اگر اس موقع کی اہمیت کا احساس کرنا ہو تو اس کتاب کا مطالعہ فرمائیے۔ قاسم سب سے رخصت ہو کر خیمہ کے باہر چچا کی خدمت میں گئے کہ اب تو کوئی انتظار نہیں رہا۔ اب تو مجھکو اجازت جہاد دیجئے۔ امام نے اُس وقت دشاید بھائی کو یاد کر کے بہت گریہ فرمایا۔ قاسم کے عمامہ کو اپنے ہاتھ سے باندھا اور اس کے دونوں گوشے سینہ پر لٹکا دیئے۔ ان کے پیراہن کو بصورت کفن چاک کر دیا۔

جنگ کو قاسم میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھا:۔

ان تنکرونی فانا ابن الحسن ۔۔۔ سبط النبی المصطفیٰ والمؤتمن

ھذا الحسین کالاسیر المرتھن ۔۔۔ بین اناس لاسقوا صوب المزن

"اگر تم مجھے نہیں جانتے ہو تو اب معلوم کر لو کہ میں حسنؑ کا فرزند ہوں اور پیغمبرؐ کی اولاد میں ہوں۔ کیا غضب کی بات ہے کہ حسینؑ تمھارے درمیان مثل قیدی کے محصور ہو گئے ہیں۔ خدا کرے ابر باراں اس جماعت کو کبھی سیراب نہ کرے۔"

قاسم نے اپنی کمسنی کے لحاظ سے غیر معمولی خونریز جنگ کی۔

شہادت طبری کی روایت ہے کہ عمرو بن سعد بن نفیل ازدی کی نظر جو قاسم پر پڑی تو اس نے کہا کہ اس بچہ پر میں حملہ کروں گا۔ بعض لوگوں نے روکا بھی مگر اس نے نہ مانا۔ اور قاسم کے پاس آ کر سر پر تلوار لگائی۔ قاسم منھ کے بھل زمین پر گر گئے اور اپنے چچا کو مدد کے لئے آواز دی۔ حسینؑ بھتیجے کی مدد کے لئے پہونچے اور غضبناک شیر کی طرح حملہ کیا۔ عمرو بن سعد بن نفیل جو قاسمؑ کا قاتل تھا۔ ابھی پاس موجود تھا۔ آپ نے اس پر تلوار لگائی۔ وہ اس کے ہاتھ پر پڑی۔ وہ کہنی سے کٹ کر الگ ہو گیا فوج اس کے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مشہور ہے کہ اس ہنگامہ میں جناب قاسم کی لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے صدمہ پہونچا مگر طبری کے الفاظ حسب ذیل ہیں

حملت خیل لاھل الکوفۃ لیستنقذوا عمرا من حسین فاستقبلت عمرا بصدورھا وحرکت حوافرھا وجالت الخیل بفرسانھا علیہ فتوطأتہ حتی مات۔

اس عبارت سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ عمرو بن سعد قاتل جناب قاسم

گھوڑوں کی ٹاپوں میں پامال ہوا اور ہلاک ہو گیا۔

جب مجمع منتشر ہوا تو امام قاسم کے سرہانے کھڑے ہوئے اور حسرت واندوہ کے ساتھ فرمانے لگے:۔

عزّ واللہ علی عمّک ان تدعوہ فلا یجیبک ثم لا ینفعک

"تیرے چچا پر بڑا ناگوار ہے یہ امر کہ تو اُسے پکارے اور وہ تیری خبر نہ لے سکے یا تیری آواز پر آئے مگر تجھے کوئی فائدہ نہ پہونچا سکے"۔

اس کے بعد آپ نے خود قاسم کی لاش کو اُٹھایا اور وہیں کہ جہاں علی اکبر کی لاش پہلے سے موجود تھی قاسم کی لاش کو بھی لاکر لٹا دیا۔

ابن شہر آشوب نے شہدائے اہلبیت کی فہرست میں قاسم کے باب میں عجیب اضطراب بیان سے کام لیا ہے۔

ایک مرتبہ تو عبداللہ بن الحسن کی شہادت کے بعد لکھا ہے "ثم برز اخوہ القاسم" "پھر اُن کے بھائی قاسم میدان جنگ میں آئے"۔

یہاں قاسم کی رجز انھوں نے یہ لکھی ہے:۔

انّی انا القاسم من نسل علی — نحن وبیت اللہ اولی بالنبی

من شمر ذی الجوشن و ابن الدعی

لکھتے ہیں کہ ان کو عمر بن سعد ازدی نے قتل کیا۔ انھوں نے امام کو آواز دی۔ امام نے حملہ کیا اور قاتل کے ہاتھ کو قطع کر دیا۔ اہل شام نے اُس کو امام کے ہاتھ سے چھین لیا حضرت، قاسم کے سرہانے کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ عزّ علی عمّک ان تدعوہ فلا یجیبک او یجیبک فلا

بنفعلک اجابتہ۔

اس کے بعد پھر امیر المومنینؑ کی اولاد میں عبداللہ بن علی کے بعد لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے اس کے بعد اُن کے بھائی قاسم میدان میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

یا یا غصبۃ جارات علی نبیّہا ۔ وکدّرت من عیشہا ما قد بقی

فی کل یوم تقتلون سیّداً ۔ من اہلہ ظلما وذبحا من قفا

اُن کے سر پر عمرو بن سعید ازدی نے تلوار لگائی امام حسینؑ نے اُس پر حملہ کیا اور تلوار ماری پھر اُس بچہ کے پاس آئے ایسی حالت میں کہ وہ ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ اور فرمایا۔

بعد القوم قتلوک وخصمہم یوم القیامۃ فیک جدک۔ "ہلاکت ہو اُس قوم کے لئے جس نے تجھ کو قتل کیا۔ اور اُس کے خلاف دعویدار روز قیامت تمھارے دادا ہونگے"۔

یہاں قاتل وہی بتلایا گیا ہے جو قاسم بن الحسن کا قاتل تھا۔ پھر امام کی زبان سے جو الفاظ منسوب کئے گئے ہیں وہ قاسم بن الحسن ہی کے متعلق ہو سکتے ہیں کیونکہ امیر المومنینؑ کے فرزند کے اعتبار سے رسول اللہؐ کو کسی طرح "جد" کہنا صحیح نہیں ہے جب تک کہ وہ فرزند فاطمہؑ بھی نہ ہو لیکن یہ ظاہر ہے کہ جناب فاطمہ کا کوئی فرزند کربلا میں سوائے امام حسینؑ کے نہ تھا۔

پھر جناب عباسؑ کی شہادت کے بعد لکھا ہے "اسکے بعد قاسم بن الحسین میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:۔

maablib.org

ان تنکرونی فانا ابن حیدرۃ ضرغام آجام ولیث قسورۃ

علی الاعادی مثل ریح صرصرۃ اکیلکم بالسیف کیل السندرۃ

یہ وہ رجز ہے جو آپ صاحب ناسخ کی زبانی عبداللہ بن الحسن کے حال میں سن چکے ہیں۔ مناقب کی یہ عجیب وغریب آشفتہ بیانی ایسی ہے جس کی نظیر مشکل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قاسم واقعۂ کربلا میں صرف ایک ہی تھے جو قاسم بن الحسن ہیں۔ ان کے علاوہ نہ قاسم بن علی کا کوئی وجود ہے اور نہ قاسم بن الحسین کا۔ یہ ایسی لغزشیں ہیں جو آج اگر کسی کے قلم سے ہو جائیں تو اُسے بیخبر، جاہل اور نہ معلوم کیا کیا کہدیا جائے۔ مگر پرانے زمانہ کے لوگوں سے ایسی لغزشیں ہوئی ہیں اور اُن کی کتابوں کو پھر بھی آج لوگ معتبر کتب کی فہرست میں داخل کرتے ہیں۔

(۱۹)

ابوبکر بن الحسنؑ

ابن شہر آشوب نے اُن کا ذکر دو جگہ کیا ہے پہلے اولاد امام حسنؑ کی فہرست میں اور لکھا ہے کہ اُن کی والدہ کا نام ام اسحق بنت طلحۃ التیمی تھا۔ پھر اس فہرست کے ختم کے بعد لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کے ساتھ اولاد حسنؑ میں سے تین قتل ہوئے عبداللہ اور قاسم اور ابوبکرؑ

دوسری جگہ شہدائے کربلا کی فہرست میں اولاد امام حسن کے ذیل میں ابوبکر بن الحسن کا ذکر کیا ہے۔

طبری نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عقبہ غنوی نے ابوبکر بن الحسن بن

علی کو تیر لگا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ اسی لئے شاعر نے کہا ہے:۔

وعند غنی قطرۃ من دمائنا   وفی اسد اخری تعد وتذکر

"قبیلہ غنی میں تھوڑا سا ہمارا خون ہے اور قبیلہ اسد میں بھی ہمارا خون ہے جو ہمیشہ یاد رہیگا"

ابصار العین میں اس شعر کا پہلا مصرع ایک دوسرے مصرع کے ساتھ سلیمن بن قتہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:۔

وعند غنی قطرۃ من دمائنا   سیجزیہم یوما بہا حیث حلت

اذا افتقرت قیس جبرنا فقیرھا   وتقتلنا قیس اذا النعل زلت

زیارت شہدا میں اُن کے لئے سلام بھی ہے ان الفاظ میں:۔

السّلام علی ابی بکر بن الحسن الزکی الولی المرمیّ بالسھم الردیّ لعن اللہ قاتلہ عبد اللہ بن عقبۃ الغنوی۔

ان اسناد کی بنا پر ابو بکر بن الحسن کی شہادت واقعہ کربلا میں ایک معتبر حقیقت سمجھی جا سکتی ہے۔ مگر اس جگہ صاحب ناسخ کی "وقت نظر" داد کی مستحق ہے۔ وہ شخص جو بے سر و پا باتوں کو قرآن و حدیث کی طرح قابل قبول سمجھ لے وہ یہاں اس طرح داد تحقیق دیتا ہے:۔

"دو تن دیگر از پسرہائے امام حسن علیہ السلام را در شمار شہدا یوم طف رقم کردہ اند اگرچہ نام ایشاں از میان بیست تن پسرہائے امام حسنؑ بیروں نیست لکن راویان شہادت ایشاں ہر یک در خبر خود متفرد اند لاجرم من بندہ خبر ہر یک را باگویندہ می پیوندم و می نگارم واللہ اعلم نخستیں ابو بکر بن حسن است و این ابو بکر بروایت محدثین جز عبد اللہ اکبر

ست کہ مکنی باابوبکر بود چہ در کتاب زیارت قاتل عبداللہ اکبر را حرملۃ ابن کاہل اسدی دانستہ وابوبکر را مقتول تیر عبداللہ بن عقبۃ الغنوی دانستہ [1]

اس میں جو استدلال پیش کیا گیا ہے اس بات پر کہ ابوبکر عبداللہ الاکبر کے علاوہ ہیں۔ وہ بالکل کمزور ہے۔ زیارت شہداء میں عبداللہ اکبر کا قاتل حرملہ بن کاہل اسدی کو قرار ہی نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ جس عبداللہ کا ذکر زیارت میں ہے وہ عبداللہ اصغر ہیں جو بوقت شہادت امام حسینؑ خیمہ سے باہر آئے ہیں۔ رہ گئے عبداللہ اکبر اُن کی شہادت کی روایت کو صحیح مانا جائے تو اُن کا قاتل ہانی بن ثبیت حضرمی ہے۔ بہرحال ابوبکر کا عبداللہ کے علاوہ ایک خاص شخصیت ہونا بجائے خود ایک ذہنی حقیقت ہے جو صاحب ناسخ کی کمزور دلیل سے بالاتر درجہ رکھتی ہے۔

(۲۰)

بشر بن الحسنؑ

علامہ سید محسن شامی نے انکا نام شہدائے بنی ہاشم کی فہرست میں درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو اعیان الشیعہ (ج ۴ ص ۲۵۰) لیکن میرے زیر نظر کتابوں میں ان کا کہیں ذکر نہیں۔ معلوم نہیں اس کا ماخذ کیا ہے۔

(۲۱)

احمد بن الحسنؑ

علامہ مامقانی نے تنقیح المقال میں اُن کے نام کا عنوان قائم کیا ہے اور

لکھا ہے کہ اُن کی والدہ ام بشر بنت ابی مسعود الانصاری تھیں۔ وہ اور اُن کی والدہ اور اُن کے بھائی قاسم اور اُن کی دو بہنیں ام الحسن اور ام الخیر امام حسینؑ کے ساتھ مکہ معظمہ گئے اور وہاں سے آپ کے ساتھ کربلا آئے۔ احمد بن الحسن کی عمر سولہ ۱۶ سال کی تھی۔ انھوں نے روز عاشورہ بہت سے دشمنوں کو قتل کیا اور آخر کار زخموں سے چور ہو کر شہید ہوئے

صاحب ناسخ نے ان کے حالات کو اور زیادہ تفصیل کے ساتھ ابوبکر بن الحسن کے بعد لکھا ہے۔ ان کی عبارت یہ ہے:-

"دیگر بروایت ابی مخنف لوط بن یحییٰ احمد بن حسن بمیدان مقاتلت اسپ انگندا وہ شجاعت قلب وسماحت طبع و صباحت دیدار داشت در حادثہ عصر زدوداد رانسیس عمر از شانزدہ افزوں نبود چوں شیر زخم خوردہ برآشفت و ایں رجز بگفت:-

انی انا نجل الامام ابن علی اضربکم بالسیف حتی یفلل

نحن وبیت اللہ اولیٰ بالنبی اطعنکم بالرمح وسط القسطل

باشمشیر چوں شعلہ وسنانی چوں زبان شہاب اسپ برانگیخت و میمنہ را بامیسرہ و میسرہ را بامیمنہ در آمیخت۔ و دراں حملہ ہشتاد تن سوار نام بردار را عرضہ ہلاک و دمار ساخت و بحضرت امام علیہ السلام باز تاخت و از غلبہ عطش بینندگانش در چشمخانہ منمور بودند۔ آواز داد کہ یا عماہ ھل شربۃ من الماء ابرد بھا کبدی واتقویٰ بھا علی اعداء اللہ ورسولہ عرض کرد کہ اے عم بزرگوار آیا بر شربت آبے تواں دست یافت کہ حدت و حرارت کبد را بداں بنشانم و در مقاتلت دشمنان خدا و رسول نیرو بندم حسین علیہ السلام فرمود یا ابن الاخ اصبر قلیلاً حتیٰ تلقی جدک

اے پسر برادر ساعتی صابر و شکیبا باش کہ تم اکنوں از دست جدت پیغمبر بشربتے سیراب خواہی گشت کہ ازاں پس ہرگز تشنہ لب نخواہی گشت۔ احمد چوں ایں بشنید روی برتافت و دیگر بارہ بمیدان شتافت و ایں رجز گفت:-

صبرا قلیلا فالمنی بعد العطش — فان روحی فی الجهاد تنکمش

لا ارهب الموت اذا الموت وحش — ولم اکن عند اللقاء ذا رعش

ایں بگفت و حملہ ہائے ثقیل متواتر کرد و پنجاہ تن سوار دیگر را بخاک انداخت انگاہ بقرات ایں اشعار بپرداخت:-

الیکم من بنی المختار ضربا — یشیب لهوله راس الرضیع

یبید معاشر الکفار جمعا — بکل مهند عضب قطیع

و در ایں حملہ شصت سوار دیگر را بخاک انداخت انگاہ شربت شہادت یافت ایں وقت نوبت باشبال شیر پروردگار یعنی فرزندان حیدر کرار افتاد۔[1]

[1] یہ روایت خود صاحب ناسخ کی نظر میں مشکوک ہے۔ چنانچہ اُن کی عبارت اسی باب میں پہلے ذکر ہو چکی ہے۔

مناقب ابن شہر آشوب میں اولاد امام حسنؑ کے ذکر میں احمد کا نام ضرور موجود ہے مگر ان کو ام بشر ابی مسعود کے بطن سے نہیں بتلایا ہے۔ نہ شہدائے کربلا میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ناسخ میں اُن کے حالات جو مذکور ہیں اُن میں سے بعض اجزاء دوسری کتابوں میں قاسم بن الحسن کی طرف منسوب ہیں۔

بہرحال یہ روایت میرے نزدیک غیر مستند ہے۔ اور احمد بن الحسن

کے واقعۂ کربلا میں شہید ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(۲۲)

ابوبکر بن علیؑ

شیخ طوسی نے کتاب الرجال میں اُن کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اُن کی ماں لیلیٰ بنت مسعود تھیں۔ مگر اُن کے شہداء کربلا میں سے ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ ابن شہر آشوب نے امیر المومنینؑ کی اولاد کے بیان میں لکھا ہے "ہملا بنت مسروق نہشلیہ کے بطن سے ابوبکر و عبداللہ تھے۔"

اس طرح کے نام جیسے ابوبکر، عمر، عبدالرحمٰن، عثمان، وغیرہ عرب میں عموماً ہوا ہی کرتے تھے۔ جن سے نامزد لوگ کبھی کافر ہوتے تھے کبھی مومن۔ ایسے عمومی ناموں میں کسی کے ساتھ ہمنام ہونے کا لحاظ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عبدالرحمٰن تو خود امیر المومنینؑ کے قاتل "ابن ملجم مرادی" کا نام تھا۔ مگر یہ نام بھی اولاد امیر المومنین میں رکھا گیا۔ اور اس کا لحاظ نہیں کیا گیا کہ یہ کس کا نام ہے۔

علامہ مامغانی نے بعض عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ابوبکر بن علی جو کہلاتے ہیں یہ محمد اصغر ابن امیر المومنین تھے۔ روز عاشور کربلا میں شہید ہوئے اور اُن پر زیارت شہداء میں سلام موجود ہے[1]۔

صاحب مناقب نے جناب قاسم کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد ابوبکر بن علی میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز:

پڑھ رہے تھے۔

شیخی علی ذو الفخار الاطول   من ہاشم الخیر الکریم المفضل

ھذا الحسین بن النبی المرسل   تفدیہ نفسی من اخ مبجل

اُنھوں نے جنگ کی یہاں تک کہ زجر بن بدر جعفی کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور بعض لوگوں نے اُن کا قاتل عقبہ غنوی کو بتلایا ہے۔[۵۲]

مگر اس کے بعد شہدائے کربلا کی فہرست میں اولاد امیر المومنینؑ جو قتل ہوئے ہیں اُن کی تعداد میں لکھا ہے:۔ ومحمد الاصغر و ابو بکر شکؔ فی قتلہ (ص۹۹)

اس میں اگر چھاپہ کی غلطی نہیں ہے تو ایک یہ بات معلوم ہوتی کہ ابو بکر، محمد الاصغر کے علاوہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ ابو بکر کا واقعہ کربلا میں شہید ہونا یقینی نہیں ہے بلکہ مشکوک ہے۔

علامہ سید محسن عاملی نے اعیان الشیعہ (ج ۴ ص۱۲۹) میں اُن کا نام عبد اللہ لکھا ہے اور ان الفاظ کو کہ (شکؔ فی قتلہ) یعنی "اُن کا قتل مشکوک ہے۔ طبری اور کامل ابن اثیر کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ یہ منافقوں کے الفاظ ہیں۔ تاریخ طبری میں اُن کا ذکر ہی نہیں ہے۔ صاحب ناسخ لکھتے ہیں:۔

"نوبت باشبال شیر پروردگار یعنی فرزندان حیدر کرار افتاد نخستین عبد اللہ الاصغر وکنیت او ابو بکر است و مادر او لیلی دختر مسعود ابن خالد بن ربعی بن مسلم بن جندل بن نہشل بن دارم التمیمیہ است عزیمت جانبازی را استوار کردہ و از برادر رخصت یافتہ در میدان

شیخی علیٌ ذو الفخار الاطول — من ہاشم الصدق الکریم المفضل
ھذا الحسین ابن النبیؐ المرسل — عنہ نحامی بالحسام المصقل
نفدیہ نفسی من اخ مبجّل

در زمی صعب انگیخت در روضۃ الاحباب مسطور است کہ بلبیت ویک تن از کوفیاں را بانیغ در گزرانید بالجملہ قتال داد تا بدرجہ شہادت رسید۔ در شناخت قاتل او گوناگوں سخن کردہ اند۔ در کتاب زیارت مسطور است کہ ہانی بن ثبیت حضرمی اورا شہید کرد در عوالم قاتل اورا زجر بن بدر نخعی نگاشتہ اند وجماعتی نسبت قتل اورا بعبد اللہ عقبۃ الغنوی دادہ اند ابو الفرج گوید نام قاتل او معروف نیست مدائنی گوید کشتہ اورا درمیان شہداء جستند وکشندہ راندانستند واز ابوجعفر حدیث کردہ کہ قاتل او مردی از قبیلۂ ہمدان بود واللہ اعلم"۔ (ج ۶ ص ۲۸۶)

مصنف ابصد العین نے حالات شہدا میں اُن کا ذکر درج کیا ہے۔ مگر اُن کے نام وغیرہ میں اختلاف اقوال کا اشارہ کرتے ہوئے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ "ابوبکر بن علی کا نام محمد الاصغر یا عبد اللہ ہے اُن کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت مسعود بن خالد بن مالک بن ربعی بن سلمی بن جندل بن نہشل بن دارم بن مالک بن حنظلہ بن زید مناۃ بن تمیم تھا۔ اور اُن کی ماں عمیرہ بنت قیس بن عاصم بن سنان بن خالد بن منقر سید اہل الوبر ابن عبید بن الحرث اور اُن کی ماں عناق بنت عصام بن سنان بن خالد بن منقر اور اُن کی ماں بنت اعبد بن اسعد

بن مسقر اور ان کی ماں بنت سفیان بن خالد بن عبید بن مقاعس بن عمرو بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم قیس۔ لیلیٰ کے سلسلۂ اجداد میں سلمی بن جندل ایک وہ شخص ہے جس کی نسبت شاعر کہتا ہے:۔

یسود اقوام ولیسوا بساد ٭ بل السید المیمون سلمی بن جندل

"بہت سے لوگ سردار بنائے جاتے ہیں اور وہ سردار ہوتے نہیں لیکن بہت مبارک سردار سلمی بن جندل ہے۔"

ابوبکر بن علی کے قاتل میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ زجر بن بد النخعی۔ کوئی کہتا ہے عقبۂ الغنوی۔ کوئی کہتا ہے کہ قبیلۂ ہمدان کا کوئی شخص ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ ان کو چند آدمیوں نے ملکر قتل کیا جن میں سے ایک عقبۂ غنوی ہے۔

(۲۳)

عمر بن علیؑ

ان کی والدہ صہبا، بنت عباد بن ربیعۃ بن یحیٰ بن العبد بن علقمۃ التغلبیہ تھیں۔ مناقب میں اُن کا نام "ام حبیب بنت ربیعہ التغلبیہ" لکھا ہے۔ عمدۃ الطالب سے معلوم ہوتا ہے کہ صہبا، التغلبیہ ہی کا نام ام حبیب ہے۔ ان کے بطن سے عمر الاطرف (جن کا ذکر ہو رہا ہے) اور رقیہ زوجۂ جناب مسلم بن عقیلؑ جڑواں پیدا ہوئے۔ اور۔ امیرالمومنینؑ کے سب سے آخری فرزند تھے۔ علامۂ اصفہانی نے ارباب مقاتل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ اپنے بھائی امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے مکۂ معظمہ اور پھر عراق تک آئے تھے اور ان کے ساتھ اُن کی والدہ اور اُن کی بہن رقیہ اور دونوں

ہوگیا۔ پھر وہ خود شہید ہوئے۔

ابن شہر آشوب نے ابوبکر بن علی کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ عمر بن علی میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

خلّوا عداۃ اللہ خلّوا من عمر   خلّوا عن اللیث العبوس المکفہر

یضربکم بسیفہ و لا یفر   یا زاجر یا زجر تدان من عمر

(اس میں تین مصرعے اُس دوسری رجز کے ہیں اور ایک مصرع پہلی رجز میں بھانجے عبداللہ و محمد فرزندان مسلم بن عقیل اس سفر میں موجود تھے۔ روز عاشور نماز ظہر کے بعد جب عزیزان امام میدان شہادت میں جانبازی کر رہے تھے تو ابوبکر بن علی کے بعد عمر بن علی میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:-

اضربکم ولا اریٰ فیکم زجر   ذاک الشقی بالنبی قد کفر

یا زجر یا زجر تدان من عمر   لعلک الیوم تبوء من سقر

شرّ مکان فی حریق و سعر   لانک الجاحد یا شرّ البشر

(اس رجز میں وہ اپنے بھائی ابوبکر بن علی کے قاتل (زجر بن قیس) کو پکار رہے ہیں اور اپنے بھائی کے خون کا انتقام لینے کا اظہار کر رہے ہیں) اُنھوں نے جنگ کی یہاں تک کہ بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔ پھر میسرہ کی طرف گئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:-

خلّوا عداۃ اللہ خلّوا من عمر   خلّوا عن اللیث العبوس المکفہر

یضربکم بسیفہ و لا یفر   ولیس فیہا کالجبان المنحجر

وہ یوں ہی جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کا گھوڑا زخمی ہو کر ہلاک

سے مذکور ہے) اُنھوں نے اپنے بھائی کے قاتل زجر کو ہلاک کیا۔ پھر فوج کے اندر گھس گئے اور جنگ کر کے شہید ہوئے تھے

پھر شہدائے اہلبیت کی فہرست میں امیرالمومنینؑ کے ۹ فرزندکی تعداد میں بھی انکا ذکر کیا ہے (ص ۹۹)

علّامہ سید محسن عاملی نے اعیان الشیعہ (ج ۴ ص ۲۴۱) میں نیز فہرست شہدا، (ص ۲۵۰) میں اُن کا تذکرہ درج کیا ہے۔

مگر جیسا کہ علّامہ مامغانی نے بھی مذکورہ روایت کے درج کرنے کے بعد لکھا ہے علمائے انساب کے کلمات اس کے بالکل مخالف ہیں۔ علامہ ابن عنبہ الداؤدی الحسنی اپنی کتاب عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب میں لکھتے ہیں کہ عمر اپنے بھائی امام حسینؑ سے الگ ہوگئے تھے اور آپ کے ساتھ کوفہ نہیں گئے۔ حالانکہ حضرت نے اُن کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت بھی دی مگر اُنھوں نے انکار کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب اُن کو قتل امام کی اطلاع ہوئی تو وہ رنگین کپڑے پہنے ہوئے باہر آئے اور اپنے گھر کے صحن میں بیٹھے اور کہا "میں ہوں محتاط اور ہوشیار شخص، اگر میں اُن کے ساتھ جاتا تو مجھے بھی میدانِ جنگ میں جانا پڑتا اور میں قتل ہو جاتا"۔

وہ لکھتے ہیں:- ولا یصح روایۃ من روی ان عمر حضر کربلا "یہ روایت کہ عمر کربلا میں موجود تھے صحیح نہیں ہے"۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ "اُنھوں نے عبداللہ بن زبیر کی سب سے پہلے بیعت کی۔ پھر حجاج بن یوسف ثقفی کی بیعت کی اور حجاج چاہتا تھا کہ ان کو حسن مثنیٰ کے ساتھ اوقاف

امیرالمومنینؑ کی تولیت میں شریک کر دے مگر اس کا موقع نہ مل سکا۔
عمر کا ۷۷ یا ۷۵ برس کی عمر میں مقام نسع میں انتقال ہوا۔"

صحاح الاخبار فی نسب السادۃ الفاطمیۃ الاخیار جو سید عبداللہ محمد سراج الدین ابن عبداللہ الرفاعی المخزومی کی تصنیف ہے۔ اُس میں عمر الاطراف کے متعلق لکھا ہے:-

آخر من مات من بنی الامام علی

" اولاد امیرالمومنین علیؑ میں ان کا سب سے آخر میں انتقال ہوا ہے"۔

ظاہر ہے کہ یہ اُسی وقت درست ہو سکتا ہے جب واقعۂ کربلا میں اُن کی شہادت کو صحیح نہ سمجھا جائے۔

بہر حال اس روایت کا میرے نزدیک بہت وزن ہے اور اسی لئے ابصار العین فی انصار الحسینؑ میں جس کے مصنف تحقیق پسند ہیں عمر بن علی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نہ زیارت شہدا میں اُن کا کوئی تذکرہ ہے۔ میں نے بھی صرف اس حقیقت کے اظہار کے لئے اُن کے نام کا عنوان قرار دیا ہے ورنہ اُن کی واقعۂ کربلا میں موجودگی کو میں قطعاً صحیح نہیں سمجھتا ہوں۔

(۲۴)

عونؑ بن علی

ان کی والدہ اسماء بنت عمیس ہیں جو پہلے جناب جعفر طیار کے حبالۂ عقد میں تھیں، اُن سے عبداللہ بن جعفر کی ولادت ہوئی۔ پھر جناب جعفر کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر نے اُن کے ساتھ عقد کیا۔ اُن سے محمد بن ابی بکر پیدا

ہوئے۔ پھر اُن کے انتقال کے بعد حضرت امیر المومنینؑ کے عقد میں آئیں اور عون بن علی متولد ہوئے۔ اس طرح عبداللہ بن جعفر اور محمد بن ابی بکر و عون بن علی سب آپس میں مادری بھائی یعنی ایک ماں کے بطن سے تھے۔ بے شک علامہ ابن شہر آشوب نے اولاد امیر المومنینؑ میں اُن کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ نہ واقعۂ کربلا میں اُن کی شہادت کو درج کیا ہے۔

صاحب ناسخ لکھتے ہیں :۔

شہادت عون را در یوم طف در کتب مقاتل مانند بحار الانوار و عوالم و اعلام الوریٰ و منتخب طریحی و مناقب ابن شہر آشوب و خوارزمی و اعثم کوفی و لہوف و مقتل ابو مخنف و ابن جوزی و مروج الذہب و طبری و فصول المہمہ و شرح شافیہ و زبدۃ الفکرہ عبوس منصوری و کتاب جلائی عبداللہ بن محمد الرضا الحسینی و غیر ذلک از کتب عربیہ و فارسیہ کہ ذکر آں جملہ موجب تطویل است در ہیچ یک ازیں کتب شہادت عون بن علی علیہ السلام را نیافتم۔ چوں صاحب روضۃ الاحباب از اجلۂ علمائے اہلسنت و جماعت است و در ابلاغ روایات موثق است و در بحر اللئالی از وی نیز تذکرہ می شود من بندہ نیز بر روضۃ الاحباب اتکا نمودم و باسناد او اکتفا کردم"۔

اس کے بعد انھوں نے عون کی لڑائی اور شہادت کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ علامہ مامقانی لکھتے ہیں کہ ارباب سیر و مقاتل نے تصریح کی ہے کہ وہ شہدائے کربلا میں سے ہیں اور یہ کہ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے میدان جنگ میں آئے۔ ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو مگر آپ صاحب ناسخ کی زبانی سن چکے کہ مؤلف روضۃ الاحباب اُن کی

شہادت کے درج کرنے میں متفرد ہیں۔ اس کے بعد یہ ارباب سیر و مقاتل کون ہیں۔ جن کا حوالہ دیا گیا ہے میں نہیں سمجھ سکتا۔

(۲۵)

ابراہیم بن علیؑ

ابن شہر آشوب نے اُن کا ذکر شہدائے کربلا کی فہرست میں درج کیا ہے

صاحب ناسخ لکھتے ہیں:۔

"محمد بن علی بن حمزہ روایت می کند کہ امیر المومنین علیہ السلام از ام ولد پسری دیگر داشت کہ نام او ابراہیم بود در خدمت حسین علیہ السلام سفر عراق کرد و در یوم الطف شہید شد۔ لکن او دریں خبر متفرد است و ایں حدیث را جز او وے کس نشنیدہ است"

(۲۶)

محمد الاوسط ابن علیؑ

والدہ اُن کی امامہ بنت ابی العاص تھیں جو زینب دختر ابا ربیبہ) حضرت رسولؐ کی بیٹی تھیں۔ امیر المومنین نے جناب سیدہ کی وفات کے بعد خود معصومہ کی وصیت کی بنا پر ان سے عقد کیا تھا۔

محمد الاوسط اپنے والد بزرگوار امیر المومنینؑ کے بعد اپنے بھائی امام حسنؑ اور پھر امام حسینؑ کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ جب امام مدینہ سے

روانہ ہوئے تو یہ کربلا تک حضرت کے ساتھ ساتھ رہے اور روزِ عاشور میدانِ جنگ میں جاکر بہت سے دشمنوں کو قتل کیا پھر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے ہے۔

طبری نے لکھا ہے کہ قبیلۂ بنی ابان بن دارم کے ایک شخص نے محمد بن علی بن ابیطالب کو تیر لگایا جس سے وہ شہید ہو گئے اور وہ اُن کے سر کو جدا کر کے عمر سعد کے پاس لے گیا۔

زیارت شہدا میں اُن پر سلام ان الفاظ میں ہے :۔

السّلام علی محمد بن امیرالمؤمنین قتیل الابانی الدارمی

ابن شہر آشوب نے اولاد امیرالمومنینؑ میں سے کربلا میں شہید ہونے والے ۹ کی تعداد میں "محمد الاصغر" کا نام درج کیا ہے۔ مگر پھر لکھا ہے کہ "ایک قول یہ ہے کہ محمد الاصغر فرزند امیرالمومنین بیماری کی وجہ سے شہید نہیں ہوئے اور ایک قول یہ ہے کہ بنی دارم کے ایک شخص نے اُن کو تیر لگا کر شہید کیا ۔"ا

صاحب ناسخ نے لکھا ہے :۔

"دیگر از فرزندان امیرالمومنینؑ محمد الاصغر است کہ بمیدان مبارزت تاخت و تیغ برآہیخت و بسیار کس از آنجماعت را خون بریخت و ادرا مردی از قبیلۂ تمیم از ابان بن دارم شہید ساخت و مادر محمد الاصغر ام ولد است" ہے

علامہ سید محسن عاملی نے بھی اعیان الشیعہ میں محمد الاصغر کا نام شہدائے کربلا کی فہرست میں درج کیا ہے۔

(۲۷)

عبیداللہ بن علیؑ

علامہ مامقانی لکھتے ہیں کہ اُن کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود تمیمی تھیں وہ امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے جس کی تصریح متعدد اہل سیر اور اصحاب مقاتل نے کی ہے۔

زیارت شہداء میں اُن پر سلام موجود ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُن کی کنیت ابوبکر ہے۔ لیکن امام نے ابوبکر بن علی پر سلام علیحدہ کیا ہے۔ عبیداللہ بن امیرالمومنینؑ پر سلام کرنے کے بعد، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر اور عبیداللہ دو شخص ہیں۔ اور مؤید اس کا یہ بھی ہے کہ بعض روایتوں میں ابوبکر کے ساتھ محمدؐ کی لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا نام عبیداللہ نہیں تھا۔

ابن ادریس نے اس مقام پر کتاب سرائرہ میں عجیب دھوکا کھایا ہے وہ لکھتے ہیں کہ شیخ مفید نے کتاب الارشاد میں لکھا ہے کہ عبیداللہ کربلا میں اپنے بھائی امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔ یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ عبیداللہ مصعب بن زبیر کی فوج میں اور اُس کے ساتھیوں میں سے تھے اور اُنھیں مختار بن ابوعبیدہؓ کے ساتھیوں نے قتل کیا۔ اور اُن کی قبر موجود ہے اور یہ روایت متواتر طور پر ثابت ہے۔ ابن ادریس کے اس قول کے خلاف آپ سن چکے ہیں کہ ارباب سیر کے تصریح

اور زیارت شہدا میں امام کے فقرات تبلا رہے ہیں کہ عبید اللہ بن امیر المومنین کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے ہیں۔

مجھے زیارت شہدا میں ابو بکر بن علی اور عبید اللہ بن علی پر الگ الگ سلام نظر نہیں آیا۔ اور کوئی قابل اطمینان گواہی اس امر کے متعلق میرے سامنے نہیں ہے کہ عبید اللہ بن علی کوئی خاص شخصیت رکھتے ہیں اور واقعہ کربلا میں شہید ہوئے ہیں۔ جبکہ متعدد اشخاص یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ابو بکر بن علی کا ہی نام عبید اللہ ہے۔ اس لئے عبید اللہ کا جداگانہ کوئی وجود تسلیم کرنا مشکل ہے۔

(۲۸)

عبد اللہ بن علیؑ

یہ حضرت ابو الفضل العباس کے حقیقی بھائی تھے۔ والدہ ان کی ام البنین فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر المعروف با لوحید ابن کلاب بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ تھیں۔ اُن کی ماں ثمامہ بنت سہیل بن عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب اور ان کی ماں عمرۃ بنت طفیل فارس قرزل ابن مالک الاخرام رئیس ہوازن ابن جعفر بن کلاب اور ان کی ماں کبشتہ بنت عروۃ الرحال ابن عتبۃ بن جعفر بن کلاب اور ان کی ماں ام الخشف بنت ابی معویۃ فارس ہوازن بن عبادہ بن عقیل بن کلاب بن ربیعۃ بن عامر بن صعصعہ اور ان کی ماں فاطمہ بنت جعفر بن کلاب۔ اور ان کی ماں عاتکہ بنت عبد شمس بن عبد مناف

فارس قرزل اور عامر بن طفیل بڑے مشہور عرب کے بہادر ہیں۔

اسی خاندان کے متعلق لبید بن ربیعہ عامری نے نعمان بن منذر
بحبیعہ الاغر بن قیس بن ثعلبۃ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل
بن ربیعہ بن نزار اور ان کی ماں بنت مالک بن قیس بن ثعلبۃ اور
ان کی ماں بنت ذی الراسین خشین ابن ابی عصم بن سمح بن فزارہ
اور ان کی ماں بنت عمرو بن حرمتہ بن عوف بن سعد بن ذبیان بن
بغیض بن الریث بن غطفان تھیں۔

ان کے نسب کا اتنے دور تک محفوظ ہونا خود دلیل ہے اس کی
کہ اُن کے خاندان کو اہل انساب کے نزدیک بڑی اہمیت حاصل تھی
اسی لئے اُس کو پورے ضبط و تحقیق کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔

علامہ ابن عنبہ نے لکھا ہے کہ امیر المومنین نے اپنے بھائی عقیل
سے جو انساب عرب سے خوب واقف تھے فرمائش کی تھی کہ ایک ایسے خاندان
کی لڑکی بتلاؤ جو بہت بڑے بہادران عرب کی نسل سے ہو۔ میں اُس
سے شادی کرونگا اور اُس سے اولاد جو پیدا ہو وہ بڑی بہادر اور
جنگ آزما ہو عقیل نے کہا کہ ام البنین الکلابیہ سے عقد کیجئے۔
کیونکہ عرب میں اُن کے باپ دادا سے زیادہ شجاع و بہادر کوئی نہیں
ہے چنانچہ امیر المومنین نے اُسی بنا پر ام البنین سے عقد کیا۔[۲]

ان کے سلسلۂ اجداد میں ملاعب الاسنہ ابو براء۔ اور طفیل
اور ان کی ماں آمنہ بنت وہب بن عمیر بن نصر بن قعین بن الحرث
بن ثعلبہ بن ذودان بن اسد بن خزیمہ اور ان کی ماں بنت جحدر بن

بادشاہ حیرہ کے بھرے ہوئے دربار میں ان الفاظ میں فخر کیا:۔

نحن بنو ام البنین الاربعۃ ونحن خیر عامر بن صعصعۃ

الضاربون الھام وسط الجمجمۃ

اور اس آواز کو تمام قبائل عرب نے خاموشی کے ساتھ سنا

ام البنین کے بطن سے چار فرزند ہوئے۔

(۱) حضرت عباس بن علی جوان سب میں بڑے تھے (آپ کے حالات اس کے بعد لکھے جائیں گے۔

(۲) عبداللہ بن علی۔ (جن کے حالات اس وقت ہم لکھ رہے ہیں)

(۳) عثمان بن علی۔

(۴) جعفر بن علی۔ یہ سب میں چھوٹے تھے۔

عبداللہ بن ابی المحل بن خرام بن خالد بن ربیعۃ بن عامر الوحید، جناب ام البنین کا بھتیجا تھا اور کوفہ میں بہت معزز حیثیت رکھتا تھا۔ یہ اُس وقت جب شمر ابن زیاد کا خط لیکر کربلا کی جانب روانہ ہو رہا تھا۔ دربار ابن زیاد میں موجود تھا۔ اس نے عبیداللہ بن زیاد سے کہا کہ ہمارے خاندان کی ایک لڑکی کے فرزند حسین کے ساتھ موجود ہیں۔ آپ اُن کے لئے امان نامہ لکھدیجئے۔ ابن زیاد نے منظور کیا اور جناب عباس اور اُن کے بھائیوں کے لئے امان لکھدی۔ عبداللہ بن ابی المحل نے اپنے ایک غلام کے ہاتھ جس کا نام کزمان تھا اس تحریر کو روانہ کیا، وہ اس کو لیکر ان جانباز بہادروں کے پاس لایا اور کہا یہ آپکے ماموں زاد بھائی نے امان نامہ بھیجا ہے۔ ان چاروں جوانوں نے

کہا کہ ہمارے بھائی کو ہمارا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ ہم کو اس امان کی ضرورت نہیں ہے - خدا کی امان ہمارے لئے ابن زیاد کی امان سے بہتر ہے ۱؎

خود شمر بن ذی الجوشن وحیدی کلابی اس خاندان سے تھا اور اس نے کربلا آکر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ وہ لشکرِ حسینی کے سامنے آیا اور پکار کر کہا "کہاں ہیں ہماری بہن کے بیٹے" - یہ سن کر جناب عباس اور اُن کے تینوں بھائی سامنے آئے اور پوچھا کیا کہتے ہو - اُس نے کہا "تم لوگ امان میں ہو" - بہادروں نے کہا "خدا لعنت کرے تجھ پر اور تیری امان پر - ہم کو تو امان ہے اور فرزندِ رسول کو امان نہیں ہے" ۲؎

اس سے ان دلیروں کے ثبات واستقلال اور وفاداری کا حقیقی کامل اندازہ ہوتا ہے - زندگی کی راہ صاف ہونے کے باوجود موت کو اختیار کرنا کسی معمولی دل کا کام نہیں ہے -

جناب عباس کے بعد ان بھائیوں میں عبداللہ سب سے بڑے تھے - اور چونکہ جناب عباس ان کو مثل اولاد کے عزیز رکھتے تھے اس لئے چاہتے تھے کہ اپنی آنکھوں کے سامنے ان کو راہ خدا میں شہید ہوتے دیکھ لیں - چنانچہ آپ نے سب سے پہلے اپنے بھائی عبداللہ کو پاس بلایا اور کہا تقدم یا اخی حتی اراک قتیلا واحتسبک فانہ لا ولد لک -

"آگے بڑھو بھائی تاکہ میں تمھیں قتل ہوتے اپنی آنکھ سے دیکھ لوں اور اپنے لئے سامان آخرت سمجھوں - کیونکہ تمھارے تو کوئی اولاد ہی نہیں"

طبری کے نافہم یا متعصب راوی نے ان الفاظ کو عجیب معنی کا

حائل بنا دیا ہے۔ وہ اس کا مفہوم یہ قرار دیتا ہے کہ تم پہلے قتل ہو تاکہ میں تمہارا وارث ہو سکوں۔ یہ ایسی بدنما غلطی ہے جس سے جناب عباس کے شان و عظمت پر بہت بڑا حرف آتا ہے۔ اور وہ حقیقت کے بھی بالکل خلاف ہے۔

میں نے اپنی متعدد کتابوں میں اس غلط فہمی کا پردہ چاک کیا ہے "حسین اور اسلام" "اسوۂ حسینی" اور "محاربہ کربلا" میں اس پر مبسوط تبصرہ موجود ہے۔

ابصار العین میں ہے کہ عبداللہ بن علی جناب عباس سے آٹھ برس چھوٹے تھے۔ اور واقعہ کربلا میں اُن کی عمر پچیس سال کی تھی۔ عبداللہ میدان جنگ میں آئے اور جنگ کرنے کے بعد ہانی بن ثبیت حضرمی کی تلوار سے شہید ہوئے۔

زیارت شہداء میں اُن پر سلام ممتاز الفاظ میں ہے۔

علامہ سید محسن شامی نے شہدائے کربلا کی فہرست میں عجیب وغریب لکھا ہے۔ انھوں نے عبداللہ بن علی کا نام درج کیا ہے۔ پھر دو ناموں کے بعد عبداللہ بن عباس بن علی کا نام لکھا ہے۔ اور پھر عبداللہ الاصغر بن علی کا۔

یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اولاد امیر المومنین میں عبداللہ بس ایک ہی تھے جو جناب عباس کے بھائی تھے۔ اور جناب عباس کا فرزند واقعۂ کربلا میں کوئی لڑنے کے قابل موجود نہ تھا اور نہ کوئی اُن کا بچہ وہاں شہید ہوا ہے۔

maablib.org

(۲۹)

عثمان بن علیؑ

جناب عباس کے دوسرے بھائی، ام البنین کے بطن سے، عبداللہ سے چھوٹے تھے۔ جب ان کی ولادت ہوئی تو حضرت امیر المومنین نے اُن کا نام عثمان رکھا اور فرمایا کہ میں اپنے دوست عثمان بن مظعون کے نام پر رکھتا ہوں۔ یہ عثمان بن مظعون بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ رسول اللہؐ کے سامنے ان کا انتقال ہوا اور حضرت نے اُن کو جنۃ البقیع میں دفن کیا۔ اور پھر جب آپ کے فرزند ابراہیم کا انتقال ہوا تو حضرت رسول نے ان کو عثمان ہی کے پاس بقیع میں دفن کیا۔

اسی لحاظ سے عثمان بن علی کے متعلق زیارت میں بھی اس خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے اور اُن پر سلام کے الفاظ یہ ہیں:-

السلام علی عثمان بن امیر المومنین سمی عثمان بن مظعون

ابصار العین میں ہے کہ عثمان اپنے بھائی عبداللہ سے دو برس چھوٹے تھے اور ان کی عمر واقعہ کربلا میں ۲۳ سال تھی۔

صاحب ناسخ کا قول ہے کہ عثمان سب میں چھوٹے تھے جعفر ان سے بڑے تھے۔ اس لئے عثمان کی عمر صرف اکیس سال تھی اور وہ جعفر کے بعد شہید ہوئے۔ صاحب مناقب نے اس سلسلہ ہی کو بدل دیا ہے۔ انھوں نے عمر بن علی کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد اُن کے بھائی عثمان میدان جنگ میں گئے۔

بہر حال یہ روایت تو درست ہی نہیں کیونکہ عمر بن علی کی واقعہ کربلا میں شہادت ہی صحیح نہیں ہے۔ مگر عثمان اور جعفر کی تقدیم و تاخیر کسی حد تک مشکوک ہے۔

ابصار العین کی روایت کے مطابق جب عبد اللہ شہید ہو چکے تو جناب عباس نے عثمان کو بلایا اور کہا اب تم آگے بڑھو۔ عثمان میدان جنگ میں گئے اور آخر خولی بن یزید اصبحی کے تیر سے زمین پر گرے اور بنی ابان بن دارم کے ایک شخص نے سر جدا کر لیا۔

اسی لئے زیارت شہداء میں اُن کا قاتل دونوں شخصوں کو قرار دیا گیا ہے۔

(۳۰)

جعفر بن علیؑ

یہ ام البنین کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔ ابصار العین کی روایت کے مطابق اپنے بھائی عثمان کے دو برس بعد پیدا ہوئے اور واقعہ کربلا میں ان کی عمر اکیس برس کی تھی۔ عثمان کی شہادت کے بعد جناب عباس ان کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور میدان جنگ میں جانے کا اشارہ کیا۔ جعفر میدان میں آئے اور جنگ کر کے شہید ہوئے۔ طبری نے اُن کا قاتل ہانی ابن ثبیت حضرمی کو قرار دیا ہے۔

زیارت شہداء میں بھی ایسا ہی ہے مگر ابن شہر آشوب کی تحریر ہے کہ اُن کو خولی بن یزید اصبحی نے تیر لگایا۔

maablib.org

(۳۱)

ابو الفضل العباسؑ بن علیؑ

آپ ان بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ آپ کی والدہ گرامی ام البنین فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر الوحید ابن کلاب بن عامر بن ربیعہ تھیں جن کا مکمل نسب اس کے پہلے عبداللہ کے حالات میں ذکر ہو چکا ہے۔ شیخ مفیدؒ کے قلم سے ارشاد میں یہ لغزش ہوگئی ہے کہ انھوں نے ام البنین کو بنت حزام بن خالد بن دارم لکھا ہے۔ حالانکہ قبیلۂ دارم بنی تمیم کی شاخ ہے۔ ام البنین کے دادا خالد بن ربیعہ ہیں جو قبیلۂ ربیعہ کے رکن ہیں۔

لبید شاعر جو معلقات میں سے ایک قصیدہ کا ناظم ہے۔ وہ ابن ربیعہ کا بھائی تھا۔ اس کا نام ہے لبید بن عامر بن کلاب بن ربیعہ۔ اس خاندان کا امتیاز خصوصی اور وہ خیال جس کے ماتحت امیر المومنینؑ نے ام البنین سے ساتھ عقد کیا تھا آپ عبداللہ کے حالات میں سن چکے ہیں۔

سنہ ۲۶ ھ میں آپ کی ولادت ہوئی — چودہ برس آپ نے اپنے والد بزرگوار کے سایہ میں پرورش پائی۔ سنہ ۴۰ ھ میں جناب امیرؑ کی وفات ہوئی تو دس برس آپ اپنے بھائی امام حسنؑ کے زیر تربیت رہے۔ سنہ ۵۰ ھ میں امام حسنؑ نے وفات پائی اس وقت عباس کی عمر ۲۴ برس کی تھی۔ پھر دس برس آپ اپنے بھائی امام حسینؑ کی خدمت میں رہے۔ اس طرح واقعۂ کربلا میں آپ کی عمر ۳۴ برس کی تھی۔ آپ کی ولادت کا دن اور تاریخ مستند طریقہ سے کوئی معلوم نہیں ہے۔

اوصاف جناب عباس حسن و جمال اور قوت و طاقت میں اپنے زمانہ میں بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ اسی لئے قمر بنی ہاشم کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ آپ بلند بالا اور قد آور رکھتے یہاں تک کہ اسپ دورکابہ پہ سوار ہوتے تھے تو پاؤں زمین پر خط دیتے تھے۔

یہ تو آپ کا ظاہری حلیہ ہے اور باطنی صورت کے خط و خال ان تہمائے شاندار الفاظ میں امام جعفر صادق نے بیان کئے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

کان عمنا العباس بن علی نافذ البصیرۃ صلب الایمان جاھد مع ابی عبد اللہ و ابلیٰ بلاءً حسنا و مضی شھیدا

"ہمارے چچا عباس بن علی بڑے دیندار اور مستحکم ایمان والے تھے، اُنھوں نے امام حسین کے ساتھ رہ کر جنگ کی اور کارنمایاں انجام دیا اور آخر درجہ شہادت پر فائز ہوئے"

امام کا اسی کے متعلق ان الفاظ صرف کر دینا بڑی بات ہے۔

ایک دوسری حدیث میں امام زین العابدین سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

ان للعباس عند اللہ تبارک و تعالیٰ منزلۃ یغبطہ بھا جمیع الشھداء یوم القیامۃ

"جناب عباسؑ کے لئے خدا کے یہاں وہ رتبہ حاصل ہے جس پر دیگر شہدا روز قیامت رشک کریں گے"

علامہ مامقانی نے جناب عباس کے باب میں خاص الفاظ لکھے ہیں۔

وقد کان من فقہاء اولاد الائمۃ علیھم السلام وکان عدلا ثقۃ تقیا نقیا

"وہ اولاد ائمہ میں فقیہ کا درجہ رکھتے تھے اور عادل، ثقہ متقی اور پاک سیرت تھے۔"

"فقاہت کا جناب عباسؑ کی یقیناً کوئی ماخذ ہوگا جو اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔"

ابتدائی حالات مدینہ کے حالات حضرت عباسؑ کے بالکل تاریکی کے عالم میں ہیں۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ امیرالمومنین کے عہد میں عباسؑ کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ ان میں سے ۹ برس وہ تھے کہ جب امیرالمومنین گوشہ نشین تھے مگر اس کے بعد پانچ سال جو سن تمیز کا زمانہ کہا جا سکتا ہے وہ جناب امیر کی خلافت ظاہری کا تھا۔ اس میں جمل اور صفین اور نہروان کی لڑائیاں پیش آئیں۔

حسنینؑ اور محمد ابن الحنفیہ کا نام ان لڑائیوں کے واقعات میں تاریخ کے اندر آتا ہے مگر عباس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جنگ صفین میں ایک موقع پر امام حسینؑ نے پانی لانے کے لئے جنگ کی اور عباس اُس وقت کمسنی کے باوجود آپ کی نصرت کر رہے تھے۔ مگر معتبر کتابوں میں اس کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ جتنے اس قسم کے واقعات جناب عباس کے ساتھ مرتبط کئے جاتے ہیں سب میں پانی لانے کا ذکر یا امام حسینؑ کے ساتھ اتحاد کا تذکرہ ہے۔

مثلاً یہ روایت کہ امیرالمومنین نے ایک دفعہ پانی مانگا۔ اور جناب عباسؑ کمسنی کی وجہ سے ظرف آب کو سر پر رکھ کر لائے جس سے آپ کے کپڑے تر ہو گئے۔ حضرت امیر دیکھ کر رونے لگے۔ اس سے یہ شبہہ ہوتا

ہے کہ شاید واقعات کربلا سے مناسبت پیدا کرنے اور ربط دینے کے لئے اس قسم کے روایات کی تشکیل ہو گئی ہے۔

ابصار العین میں لکھا ہے کہ حضرت بعض الحروب فیلم یاذن لہ ابوہ بالنزال "عباسؑ بعض لڑائیوں میں شریک ہوئے مگر آپ کے والد بزرگوار نے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔"

امام حسنؑ کے زمانہ میں بھی جناب عباسؑ کا کوئی ذکر مذکور نہیں ہے اور نہ امام حسینؑ کے واقعات میں اس وقت جب مدینہ میں قیام تھا۔ بے شک ولید بن عقبہ سے ملاقات کے موقع پر تاریخ میں یہ موجود ہے کہ حضرت نے اپنے مخصوص اعزا و اقارب کے جوانمرد لوگوں کو اپنے ساتھ لیا اور ان کے ساتھ ولید کے یہاں تشریف لے گئے۔ ان بہادر جوانمردوں میں جناب عباسؑ یقیناً موجود تھے مگر ان کا نام خصوصیت کے ساتھ درج نہیں ہے۔

ذاکرین کا بیان ہے کہ جب آواز امام کی ولید سے گفتگو میں بلند ہوئی تو سب سے پہلے دروازہ کو توڑ کر جو اندر داخل ہوئے وہ ابوالفضل العباسؑ تھے۔

دل کہتا ہے کہ ایسا ضرور ہوا ہو گا۔ مگر تاریخ چپ ہے کچھ نہیں کہتی۔

اس کے بعد امام حسینؑ کا سفر، مکہ معظمہ میں قیام اور پھر مکہ سے ہجرت اور راستے کے واقعات۔ ان میں بھی کہیں جناب عباسؑ کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے یہ ہمارے ذرائع معلومات کی کوتاہی اور زمانہ کا ایک طرح کا ظلم ہے۔ ورنہ جناب عباسؑ کے آخری خدمات جو محفوظ رہ گئے ہیں وہی بتلاتے

ہیں کہ اس کے پہلے بھی بہت سے واقعات ایسے ہونگے جن میں عباسؑ کا نام ہم تک پہونچنا چاہئے تھا۔ مگر افسوس ہے کہ نہیں پہونچا۔

بعض واقعات کی اصلیت جن اشخاص کو کسی حیثیت سے عظمت و شہرت حاصل ہو جاتی ہے تو ایسے واقعات بھی جو دوسرے دن سے متعلق ہیں عوام کے حلقہ میں اُن ہی کی طرف منسوب سمجھ لئے جاتے ہیں چونکہ جناب عباسؑ کو علمدار لشکر اور "سقا" ہونے کی حیثیت سے جو خصوصیت حاصل ہوئی وہ دوسرے شہیدوں کے لئے نہ تھی اس لئے بہت سی ایسی باتیں جناب عباسؑ کے نام سے مشہور ہو گئیں جن کی حقیقت کچھ دوسری تھی۔ چنانچہ ایک روایت یہ ہے کہ شبہائے عاشور میں سے کسی شب حر نے خدمت امام میں حاضر ہونا چاہا۔ جناب عباسؑ طلایہ پھر رہے تھے۔ آپ نے روکا اور کہا کہ ہتھیار اپنے یہیں کھول کر رکھ دے۔

حر نے کہا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ سپاہی اپنا حربہ کسی کو نہیں دیتا۔ جناب عباسؑ نے کہا۔ پھر تو خدمت امام میں جا بھی نہیں سکتا۔ امام نے حرؑ کی آواز سن لی۔ پکار کر فرمایا کہ حر کو آنے دو۔ وہ ہمارا دوست ہے۔ جناب عباسؑ حکم امام سے مجبور ہو گئے۔ مگر آپ نے اپنا ہاتھ حر کی تلوار کے قبضہ پر رکھ لیا اور اسی شان سے خدمت امام میں لائے۔

یہ واقعہ موجودہ صورت سے بالکل غلط ہے۔ حر روز عاشور کی صبح تک ہرگز دوستان امام میں سے نہ تھا۔ اُسے امام کی ملاقات کے لئے آنے کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اصل روایت جو تاریخ میں درج ہے اُس کی بنا پر آنے والا کثیر بن عبداللہ شعبی تھا۔ سدراہ ہونے والے ابو ثمامہ

صاف ہی تھے اور انھوں نے یہی کہا تھا کہ ہتھیار کھول کر رکھ دے اور آخر میں یہ کہ میں تیری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ لوں۔ مگر اس نے منظور نہ کیا اور واپس گیا۔

میں نے اس کی تفصیل "معرکۂ کربلا" (ص ۱۶، ۱۷) میں لکھی ہے۔

اسی طرح ایک یہ روایت ہے کہ امام عمر سعد سے گفتگو کے لئے دونوں صفوں کے درمیان تشریف لے گئے تو عمر سعد کے ساتھ اس کا بیٹا اور غلام آیا تھا۔ اس طرف سے جب امام تشریف لے چلے تو جناب عباسؑ اور علی اکبر ساتھ ہو لئے۔ حضرت نے علی اکبر سے فرمایا کہ تم کیوں آرہے ہو۔ عرض کیا اس کے ساتھ اس کا بیٹا موجود ہے۔ پھر آپ جناب عباسؑ کی طرف متوجہ ہوئے کہ تم کیوں آتے ہو۔ کہا اس کے ساتھ بھی تو اس کا غلام ہے۔ مطلب یہ تھا کہ میں بھی آپ کا غلام ہوں۔ آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عمر سعد تقریباً بیس سوار اپنے ساتھ لیکر نکلا تھا۔ اور امام بھی اتنے ہی ساتھیوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ لیکن جب آپ قریب پہونچے تو حضرت نے اپنے ساتھیوں کو ہٹا دیا جس کے بعد عمر سعد بھی مجبور ہوا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو جدا کر دیا۔

خود یہ روایت کہ جناب عباسؑ نے کبھی امام حسینؑ کو بھائی نہیں کہا بلکہ ہمیشہ اپنے تئیں غلام اور حضرت کو آقا کہتے رہے کسی مستند کتاب میں درج نہیں ہے۔ اور مجھے وہ خالص ہندوستانی مذاق کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔ عربی تہذیب سے اس کو دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے۔

پھر اس بنیاد پر متعدد روایتوں کی بنیادیں قائم ہیں۔ وہ سب ہی کمزور ہو جاتی ہیں اور اُن کی کوئی اصلیت معلوم نہیں ہوتی۔

پہلی دفعہ سقائی جب امام حسینؑ پر پانی بند کر دیا گیا اور پیاس کی شدت ہوئی تو سب سے پہلی خدمت ابو الفضل العباسؑ کے سپرد یہی ہوئی کہ وہ جا کر نہر سے پانی لائیں۔ امام حسینؑ نے تیس سوار اور بیس پیادے جناب عباسؑ کے ساتھ کئے اور بیس مشکیں ساتھ روانہ کیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ آٹھویں محرم کی شب کا واقعہ ہے۔ یہ لوگ نہر کے قریب پہونچے۔ عمرو بن الحجاج جو پانی کا محافظ تھا سدِ راہ ہوا۔ حضرت عباسؑ نے سواروں کی جماعت کو ساتھ لیکر اُن کا مقابلہ کیا اور پیادوں سے کہا کہ تم اپنی مشکیں بھر لو۔ اُنھوں نے مشکیں پانی سے بھریں اتنی دیر یہاں جنگ ہوتی رہی۔ آخر دشمن کی فوج کو شکست ہوئی اور پانی لاکر خیام حسینی میں پہونچا دیا گیا۔۔۔

اس واقعہ کا ذکر نافع بن ہلال جملی کے حالات میں ہو چکا ہے کیونکہ اس لڑائی میں جناب عباسؑ کے ساتھ اُنھوں نے بھی کارنمایاں انجام دیا تھا۔ یہ واقعہ وہ تھا جس میں سب سے پہلے جناب عباسؑ نے پانی لانے کی خدمت کو انجام دیا اور "سقا" کا لقب حاصل کیا۔

امان سے انکار جناب عباسؑ کی وفا کا انتہائی مستند واقعہ حاصل شدہ امان کا مسترد کرنا ہے جس کا ذکر اس کے پہلے عبداللہ ابن علیؑ کے حالات میں ہو چکا ہے۔ اس واقعہ میں اگرچہ تمام بھائی شریک حیثیت رکھتے ہیں مگر جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے جیسے

بھائی سب جناب عباسؑ کے بالکل مطیع فرمان تھے اور یہ جناب بااثرؑ کی انتہائی پختگی اور وفاداری تھی جس کا اثر دیگر بھائیوں پر بھی پڑتا تھا اگر حضرت عباسؑ کی طرف سے کچھ بھی تزلزل ہوتا تو صورت واقعہ اس طرح نظر نہ آتی جو اس وقت تاریخ میں محفوظ ہے۔

طلب مہلت

اُس وقت جب شمر نے کربلا آ کر عمر سعد کو ابن زیاد کا تہدید آمیز خط دیا اور عمر سعد تشدد پر بالکل طیار ہو کر نویں تاریخ کی سہ پہر ہی کو فوج حسینی پر حملہ آور ہو گیا۔ اس وقت جناب عباسؑ ہی تھے جو خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "بھیا لشکر آ گیا" حضرت اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا (ان الفاظ کا لب و لہجہ دیکھنے کے قابل ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ امام کو جناب عباسؑ سے کس درجہ محبت تھی)

یا عباس ارکب بنفسی انت یا اخی حتی تلقاهم فتقول لهم ما لکم وما بدا لکم وتسألهم عما جاءهم۔

"عباس! میری جان تم پر فدا میرے بھائی!! تم خود سوار ہو اور ان کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ آخر یہ کیا ہے اور ان کا کیا ارادہ ہے اور ان کے حملہ کا کیا سبب ہے؟"

جناب عباسؑ بیس سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے اور پوچھا کہ تمھاری رائے میں کیا تبدیلی ہوئی اور تم کیا چاہتے ہو" جواب ملا کہ امیر ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ تم لوگوں سے امیر کی اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کریں۔ نہیں تو تم سے جنگ کریں"۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا جلدی نہ کرو۔ میں جا کر امام سے تمھارا پیغام پہنچا دوں"۔ یہ سن کر وہ لوگ ٹھہر گئے جناب عباس گھوڑے

کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے امام کے پاس گئے کہ واقعہ کی اطلاع دیں۔

امام نے فرمایا:۔

"جاؤ اگر ممکن ہو تو ان سے آج کی شب کی مہلت لے لو تاکہ ہم آج کی رات اپنے پروردگار کی خوب عبادت کرلیں۔ جناب عباسؑ پھر گھوڑا دوڑاتے ہوئے واپس گئے اور کہا کہ "امام نے ایک شب کی مہلت مانگی ہے صبح کو دیکھا جائیگا"۔

چنانچہ تھوڑی سی کشمکش کے بعد مہلت حاصل ہو گئی اور اس رات کو عبادت الٰہی میں بسر کرنے کا امام کو موقع مل گیا

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جناب عباسؑ کی سنجیدگی، معاملہ فہمی، اور وفاداری و امانتداری پر امام کو کامل اعتماد تھا۔ ورنہ اس نازک مرحلہ کو آپ صرف جناب عباسؑ کے سپرد نہ فرماتے۔

امام کی تقریر کا جانبازانہ جواب

شب عاشور جب امام نے اپنے اصحاب کو جمع کیا۔ اور وہ خطبہ ارشاد فرمایا جو کربلا کی تاریخ میں یادگار ہے۔ اور اس میں آپ نے فرمایا کہ میں اپنی بیعت تمھاری گردنوں سے اٹھائے لیتا ہوں۔ تم اس رات کی تاریکی میں جدھر چاہو چلے جاؤ۔ یہ لوگ میرے قتل کے طالب ہیں اور کسی دوسرے سے ان کو کوئی کام نہیں ہے"۔

اس وقت سب سے پہلے جس نے اظہار جانبازی کیا ہے وہ جناب عباسؑ تھے۔ انھوں نے کہا "ہم ایسا کس لئے کریں۔ کیا اس لئے کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ ہرگز نہیں۔ خدا ہم کو یہ روز بد نصیب نہ کرے"۔ آپ کے بعد دوسرے

اعزا ... سوں نے اسی خیال کا اظہار کیا۔

علمداری امام حسینؑ نے روز عاشور نماز صبح پڑھنے کے بعد اپنے چھوٹے سے لشکر کی ترتیب قائم کی۔ میمنہ پر زہیر بن قین۔ میسرہ پر حبیب بن مظاہر اور علمدار حضرت ابو الفضل العباسؑ کو بنایا۔

یقیناً یہ منصب وہ تھا جو رسول اللہؐ کی جانب سے علیؑ کو حاصل ہوا تو اُن کے نام کے ساتھ ہمیشہ کے لئے یادگار ہو گیا اور فرزند رسول کی جانب سے عباس بن علی کو حاصل ہوا تو وہ بھی ہمیشہ کے واسطے یادگار رہیگا۔

اہل حرم کی تسلی معلوم ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں عباسؑ و علی اکبرؑ بالکل امام حسینؑ کے پاس رہتے تھے۔ اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے چنانچہ اُس وقت جب امام نے صبح عاشور اتمام حجت کے لئے ناقہ پر سوار ہو کے قرآن اپنے ہاتھوں میں لیا اور صفوف دشمن کے سامنے آکر تقریر شروع کی۔ آپ کی آواز خیمہ میں پہونچی تو ایک شور رونے کا خیمہ سے بلند ہوا حضرت نے جناب عباس و علی اکبر کو بھیجا کہ انھیں خاموش کرو۔ رونے کا وقت تو بعد کو آئیگا۔

یہ واقعہ بھی طبری میں موجود ہے۔

شجاعت کا بے نظیر مظاہرہ عمرو بن خالد صیداوی۔ سعد مولیٰ عمرو ابن خالد۔ مجمع بن عبد اللہ عائذی اور جنادہ بن حارث سلمانی۔ ان بہادروں نے ایک ساتھ فوج دشمن پر حملہ کیا اور لشکر میں گھس کر شمشیر زنی کرنے لگے فوج کوفہ نے ان لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور لشکر امام سے بالکل جدا کر دیا۔ یہ دیکھکر امام نے اپنے بھائی جناب عباس کو اُن کی امداد کے لئے بھیجا۔ آپنے جا کر تن تنہا فوج پر حملہ کیا۔ اور تلوار چلاتا

شروع کی۔ یہاں تک کہ فوج کو منتشر کیا اور ان زخمی بہادروں کو دشمنوں کے حلقہ سے نکال کر اپنی فوج کی طرف واپس لیچلے۔ ابھی راستا پورا طے نہیں ہوا تھا کہ دشمن کی فوج پیچھے تعاقب کے لئے آتی نظر آئی اور قریب پہونچ گئی۔ دشمن کے قریب آتے ہی زخمی بہادروں کے جوش کی انتہا نہ رہی اور وہ حضرت عباسؑ کے پاس سے جھپٹ کر دشمن پر جا پڑے۔ آخر جان توڑ لڑائی لڑ کے شہید ہوئے۔ جناب عباسؑ خدمت امام میں واپس آگئے اور واقعہ کا اظہار کیا۔ [1]

یہ عجیب نادر واقعہ ہے۔ دیکھنے کے قابل ہے امام کی بحیثیت سپہ سالار اپنے سپاہیوں کی یہ قدر شناسی کہ جب وہ دشمن میں گھر گئے تو آپ نے اپنے عزیز ترین بھائی علمدار لشکر کو ان کی امداد کے لئے بھیجا۔ پھر یہ اعتماد امام کا عباسؑ کی شجاعت و قوت پر کہ ان بہادروں کی امداد کے لئے جو دشمن میں گھرے ہوئے تھے آپ نے ایک اکیلے عباسؑ کو بھیجا۔ پھر عباسؑ کی شجاعت و جرأت اور فن جنگ میں مہارت دیکھئے کہ فتحمند لشکر کے ہاتھوں سے حلقہ میں گھرے ہوئے زخمی بہادروں کو نکالتے ہیں اور انھیں محفوظ طریقہ سے اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوتے ہیں۔ کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس حملہ میں آپ کو کوئی زخم لگا ہو اور کسی طرح کا بھی گزند پہونچا ہو۔

میدان جہاد میں قربانی

حضرت عباسؑ اپنے چھوٹے بھائیوں کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ روز عاشورہ یہ اصول قائم تھا کہ ہر شخص اپنے سے وابستہ عزیز کو خود حسینؑ پر فدا کرتا تھا۔ عباسؑ

نے ان بھائیوں کو حسینؑ پر سے نثار کیا۔ اور ایک ایک کر کے تینوں سے کہا کہ جاؤ میدان جنگ میں۔ تمھارے کوئی اولاد تو ہے نہیں تم خود جاؤ۔" اس طرح یکے بعد دیگرے اپنے تینوں بھائیوں کو اپنے سامنے فرزند رسول پر قربان کر دیا۔

رخصت جنگ اور جہاد جب کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہا جو امام کی نصرت میں جہاد کر سکے تو حضرت ابوالفضل العباس خدمت امام میں حاضر ہوئے اور جنگ کی اجازت مانگی۔ امام نے اپنے بھائی کو بہت حسرت کی نگاہ سے دیکھا اور فرمایا تم تو میرے علمدار ہو۔ عباس نے عرض کیا "اب مجھ سے تحمل ممکن نہیں۔ اور زندگی سے سیر ہو گیا ہوں" امام نے فرمایا "اچھا جاتے ہو تو پانی کی فکر کرنا"

جناب عباسؑ نے مشک لے لی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے آپ نے دشمن کی فوج پر حملہ کیا اس طرح نہیں کہ گویا آپ جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اس طرح جیسے نہر کا راستا صاف کر کے پانی لانا منظور ہے۔ بہادر اور شیر دل عباس اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ وہ نہر پر پہونچ بھی اور مشک کو پانی سے بھر ابھی۔ دنیا کی تاریخ میں یادگار رہے گا یہ واقعہ کہ اتنے ہزار سپاہی ایک بہادر کو روکنا چاہیں اور نہ روک سکیں۔

وہ عباس کا شیرانہ حملہ تھا جس نے دشمن کو اتنی دور ہٹا دیا کہ وہ اطمینان کے ساتھ نہر میں گھوڑا ڈالیں اور پانی بھر لیں۔

مشک خود جناب عباس پیاسے تھے۔ مگر انھوں نے ہاتھ میں

پانی لیکر بھر پھینک دیا اور امام کی پیاس کے خیال نے لبوں کو پانی سے تر کرنے کی اجازت نہ دی۔ پیاسے ہی نہر سے نکل آئے۔ اور بھری ہوئی مشک دوش پر لیکر خیمہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ فوج عمر سعد کو اب اپنی شکست کا غصہ بھی تھا اور یہ کد بھی کہ پانی کسی طرح پہونچنے نہ پائے۔ چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس وقت عباس کے مشکلات کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

دوش پر مشک مستقل طور پر جنگ سے مانع تھی اور کہا جاتا ہے کہ علم بھی موجود تھا۔ مگر کیا کہنا اُس بہادر کا جس [illegible]۔ اسی عالم میں جنگ شروع کر دی۔ وہ جوش و خروش سے لڑ رہے تھے اور اُن کی زبان پر یہ شعر تھے

لا ارھب الموت اذ الموت زقا — حتی اواری فی المصالیت لقی

انی انا العباس اغدو بالسقا — ولا اھاب الموت یوم الملتقی

"میں کبھی موت سے نہیں ڈرتا۔ موت کتنے ہی نعرے لگائے جبتک کہ میں تلواروں کے سایہ میں زمین پر گر نہ جاؤں۔ میں عباس ہوں۔ مشک لے جاؤنگا اور ضرور لے جاؤنگا اور جنگ کے ہنگام میں موت کی کوئی پرواہ نہ کرونگا۔"

شہادت

دشمنوں کی جانب سے اپنی آخری شکست کا اعتراف سمجھیے کہ اُنھوں نے عباس کے ہاتھوں کی موجودگی میں اپنی کامیابی ناممکن سمجھی۔ اس لئے حکیم بن طفیل طائی سنبسی نے داہنے ہاتھ پر تلوار لگائی۔ عباس کو اپنی جان سے زیادہ علم کا خیال تھا۔ اُنھوں نے علم کو گرنے نہیں دیا۔ بائیں شانہ پر لے لیا اور یہ کہا۔

maablib.org

واللہ ان قطعتم یمینی   انی احامی ابداً عن دینی

"خدا کی قسم اگر تم نے میرا داہنا ہاتھ قطع کر دیا تو یہ نہ سمجھو کہ میں اپنے دین کی حمایت نہ کرونگا۔ اس فرض کو تو میں ہمیشہ انجام دیتا رہونگا۔"

اس کے بعد زید بن ورقا جہنی نے بائیں ہاتھ پہ تلوار لگائی یہ ہاتھ بھی قطع ہو گیا۔ عباس نے علم کو اپنے سینہ سے لگایا۔ قبیلۂ تمیم کے ایک شخص نے سر پر ایک گرز لگایا جس سے جناب عباس زمین پر گرے اور بلند آواز سے پکار کر کہا "بھائی میری خبر لیجیے۔"

امام پر اس آواز کا جو اثر نہ ہوتا کم تھا۔ وہ مثل باز شکاری کے جھپٹے اور زخمی بھائی کی لاش پر پہونچے۔ دیکھا دونوں ہاتھ قطع ہیں پیشانی شکستہ ہے آنکھ پہ تیر ہے۔ زخموں سے چور ہیں۔ امام جھک گئے اور سرہانے بیٹھ گئے یہاں تک کہ شیر دل بھائی کی روح نے جسد سے مفارقت کی۔ اب کوئی نہیں تھا جس کا حسینؑ کو سہارا ہوتا۔ وہ بھائی کی لاش سے اُٹھے اور آگے بڑھے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ بڑے جوش میں داہنے اور بائیں دشمن پر حملہ کر رہے تھے اور وہ سامنے سے بھاگ رہے تھے۔ آپ فرما رہے تھے:۔

اینَ تفرّون وقد قتلتم اخی ۔ اینَ تفرّون وقد فتتّم عضدی

"بھاگتے کہاں ہو تم نے میرے بھائی کو تو مار ڈالا۔ بھلا گتے کہاں ہو تم نے میرے بازو کو تو شکستہ کر دیا۔"

(۲) کے بعد آپ اپنی جگہ پر آ کر تنہا کھڑے ہو گئے۔

ایک دوسری روایت } بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ امام حسینؑ

تشریف لے چلے۔ جناب عباس آپ کے ساتھ ساتھ تھے۔ فوج عمر سعد نے حملہ کیا اور جناب عباس کو چاروں طرف سے گھیر کر امام سے جدا کر لیا۔ عباس نے تنہا جنگ اُن سے جاری رکھی۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو گئے اور زید بن ورقا جہنی اور حکیم بن طفیل سنبسی نے آپ کو شہید کیا۔ اس روایت کو علامہ سید محسن عاملی نے گذشتہ روایت کے درج کرنے کے بعد ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "آپ کی شہادت کی کیفیت کے متعلق ایک اور روایت بھی ہے اور وہ یہ ہے۔

صاحب ناسخ کے انکشافات } سپہر کاشانی کو اس کے قبل پہلے اور دوسرے حصہ میں آپ پوری طرح پہچان چکے ہونگے وہ ضرورت سے زیادہ محقق ہونے کا اظہار کرتے ہیں اور لب و لہجہ بھی محققانہ اختیار کرتے ہیں۔ مگر اس میں وہ کتنی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ اس کی نظیریں آپ کے سامنے بہت سی آ چکی ہیں۔

یہاں بھی سن لیجیے کہ وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعضی از علماء رقم کردہ اند کہ عباس بن علی علیہما السلام در شب عاشورا

لے اعیان الشیعہ ج ۷ صفحہ ۴۲۲۔۴۲۳

شہید شد و بیشتر از اہل سیر خبر شہادت آنحضرت را در عاشورا نگاشتہ اند۔ چوں از پسرہائے امیر المومنین دو تن را عباس نام بود یکے را عباس الاکبر وانند دیگر را عباس الاصغر ہی نامیدند۔ تواند شد کہ عباس الاصغر در شب عاشورا شہید شدہ باشد و عباس الاکبر در روز عاشورا۔ عباس الاصغر نیز در شب عاشورا بطلب آب شتافت و سعادت شہادت

میرے نزدیک جناب امیرؑ کے فرزندوں میں دو عباس کا ہونا، شب عاشور کسی جنگ کا واقع ہونا اور عباس الاصغر کا اس میں شہید ہونا یہ سب غلط ہے اور اس میں کوئی جزو درست نہیں ہے۔

بحار میں ایک روایت درج ہے کہ "جناب عباس کے بعد آپ کے بھائی عمر بن علی اور آپ کے فرزند عبید اللہ بن العباس میں میراث کے بارے میں نزاع ہوئی اور آخر میں صلح ہو گئی"۔

یہ روایت تو درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ عمر بن علی دوسری ماں کے فرزند ہیں۔ جناب عباس کی اولاد سے ان کی منازعت کے کوئی معنی نہیں۔ خصوصاً علامہ مجلسی نے عمر بن علی کو شہدائے کربلا میں درج کیا ہے۔ اس کے بعد اس واقعہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی مگر آپ سن چکے ہیں کہ شہادت کی روایت صحیح نہیں اس لئے اس اعتبار سے یہ نزاع کا واقعہ ممکن قرار پا سکتا ہے۔

مگر صاحب ناسخ نے علامہ مجلسی کی گرفت کرتے ہوئے ان کی اس روایت پر جو تبصرہ کیا ہے اس میں "عباس الاصغر" والی طبعزاد تحقیق کو اور "شاخ و برگ" دیدئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:۔

" اینکہ می گویند عمر بن علی بن ابیطالب با عبید اللہ در طلب میراث منازعہ کرد و بمصالحہ گذشت چہ او برادر اعیانی حضرت عباس بود درست نہ باشد چہ عمر برادر پدری عباس الاصغر است و با او برادر اعیانی است و با عباس الاکبر از جانب پدر برادر است چگونہ می توانست با عبید اللہ در طلب میراث منازعت آغاز د و فاضل مجلسی علیہ الرحمہ عمر را در شمار شہد

نگاشتہ ودر ورقہ دیگر منازعۂ او را در طلب میراث با عبید اللہ رقم کردہ وجماعتی دریں قصہ اقتفا بہ او کردہ اند السیف قد ینبو والجواد قد یکبو کسی کہ مصنفات و مؤلفات او را در فارسی وعربی از دو کرور بیت کمتر بشمار نتواں گرفت صد چنیں لغزش را از و معفو باید داشت"۔

اولاد } صاحب ناسخ کا بیان ہے کہ جناب عباس کا عقد لبابہ دختر عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب کے ساتھ ہوا۔ ان سے دو فرزند متولد ہوئے۔ ایک فضل، دوسرے عبید اللہ۔ فضل فرزند اکبر تھے اس لئے ان ہی کے نام کے موافق آپ کی کنیت ہوئی "ابو الفضل" واقعہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا کہ فضل کربلا میں موجود تھے یا نہیں اور ان کی عمر کیا تھی۔ عبید اللہ چھوٹے فرزند کا نام تھا اور وہ واقعہ کربلا کے بعد موجود رہے ام البنین کے مرثیہ کے جو اشعار اس کے بعد درج ہونگے ان کے ساتھ بھی عبید اللہ کا نام آئیگا۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ عبید اللہ اس وقت بہت کمسن بچہ تھے۔

علامہ سید محسن عاملی نے شہدائے کربلا میں جناب عباس کے ذکر کے بعد محمد بن العباس بن علی اور عبد اللہ بن العباس بن علی کا نام لکھا ہے ملاحظہ ہو اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۵)

مگر یہ بالکل عجیب روایت ہے۔ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے علامہ ابن شہر آشوب نے اولاد امیر المومنین کے شہداء کی فہرست میں جناب عباس کے نام کے بعد لکھا ہے۔

ویقال ابنہ محمد بن العباس (مناقب ج ۴ ص ۹۹) "بقول آپ کے

فرزند محمد بن عباس بھی شہید ہوئے"۔ بہرحال اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔

ام البنین کے تاثرات

جس ماں کے ابوالفضل العباس اور اُن کے بھائیوں ایسے چار بیٹے ہوں اور وہ چاروں قتل ہو جائیں اُس کے تاثرات قلم کی زبان سے کہاں ادا ہو سکتے ہیں شرح کامل میں ابوالحسن اخفش عرب کے بہت بڑے ادیب کی زبانی یہ روایت درج ہے کہ ام البنین واقعہ کربلا کی اطلاع پانے کے بعد سے برابر روزانہ بقیع کی طرف چلی جاتی تھیں اور جناب عباس کے بچہ عبیداللہ کو اپنے ساتھ لیجاتی تھیں اور عباس کا مرثیہ پڑھتی تھیں۔ یہ نوحہ اتنا دردناک ہوتا تھا کہ مدینہ کے لوگ اُس کو سننے جمع ہوتے تھے اور مروان بن الحکم ایسا دشمن بھی اکثر وہاں چلا جاتا تھا۔ اور ان پُر درد اشعار کو سن کر لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

ذرا ان اشعار کو سنئے دیکھئے تو وہ کیا ہیں۔ اُن میں فقط درد ہی نہیں بلکہ وہ قوت نفس بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عباس الشہید کی ماں کے دل سے نکلے ہوئے ہیں:۔

یا من رأی العباس کرّ علی جماهیر النقد

ووراه من ابناء حید ر کل لیث ذی لبد

انبئت ان ابنی اصیب براسه مقطوع ید

ویلی علی شبلی اما ل براسه ضرب العمد

لوکان سیفك فی ید یك لما دنا منه احد

"کہاں ہیں دیکھنے والے میرے شیر عباس کے جب وہ حملہ آور تھا بھیڑ

کے گلوں پر۔ اور اُس کے پیچھے تھے حیدر صفدر کی اولاد کے باہمت کئی شیر۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے فرزند کے سر پر گرز لگا اُس وقت جب اُس کے ہاتھ کٹ چکے تھے۔ ہائے افسوس میرے بچہ کے سر کو گرز نے شگافتہ کر دیا۔ اے عباس مجھے یقین ہے کہ اگر تیری تلوار تیرے ہاتھ میں رہتی تو کسی کو ہمت نہ ہوتی کہ تیرے قریب آسکے"۔

یہ اشعار بھی جناب ام البنین کے ایک خاص اثر کے حامل ہیں۔

لا تدعونی ویک ام البنین	تذکرینی بلیوث العرین
کانت بنون لی ادعی بھم	والیوم اصبحت ولا من بنین
اربعۃ مثل نسور الربی	قد واصلوا الموت بقطع الوتین
تنازع الخرصان اشلاءھم	فکلھم امسی صریعاً طعین
یالیت شعری اکما اخبروا	بان عباسا قطیع الیمین

"اے لوگو اب مجھے ام البنین (فرزندوں کی ماں) نہ کہو اس سے تو مجھے میرے شیر یاد آتے ہیں۔ تھے کبھی میرے کئی بیٹے جن کے نام سے میں پکاری جاتی تھی۔ اب تو میں اس حال میں ہوں کہ میرے بیٹے رہ ہی نہیں گئے۔ چار وہ جیسے باز ہائے شکاری سب موت کے گلے میں باہیں ڈال چکے۔ نیزوں نے اُن کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اور سب زمین پر بیجان ہو کر گر گئے۔ ارے کیا یہ صحیح ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ عباس کے ہاتھ بھی قطع ہو گئے تھے!!"

مجاہدین کا خاتمہ

مصنف ابصار العین نے تصریح کی ہے کہ کان العباس اٰخر من

قتل من المحاربین لا عد آل الحسین علیہ السلام ولم یقتل بعدہ الا الغلمان الصغار من آل ابی طالب الذین لم یحملوا السلاح۔

"جناب عباس آخری وہ شخص ہیں کہ جو جنگ کر کے شہید ہوئے ہیں آپ کے بعد جو قتل ہوئے ہیں وہ کمسن بچے ہیں اولاد ابوطالب میں سے جو ہتھیار اٹھانے کے قابل نہ تھے۔

(۳۳)

عبداللہ بن الحسینؑ

شیرخوار بچہ، کمسن شاہزادہ۔ مدینہ سے روانگی کے کچھ قبل ولادت ہوئی تھی۔ والدہ گرامی رباب بنت امرئ القیس بن عدی بن اوس بن جابر بن کعب بن علیم بن خباب بن کلب اور ان کی ماں ہند الھنود بنت الربیع بن مسعود بن مصاد بن حصن بن کعب بن علیم اور ان کی ماں میسون بنت عمرو بن ثعلبہ بن حصین بن ضمضم اور ان کی ماں رباب بنت اوس بن حارثہ بن لام الطائی تھیں۔ نسب کا دور تک محفوظ ہونا نجابت و شرافت کی دلیل ہے۔ امرء القیس کی تین بیٹیاں تھیں جو المعول نے خاندان رسالت میں بیاہی تھیں۔ ان میں سے رباب کی شادی حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ہوئی جن سے پہلے ایک صاحبزادی سکینہ متولد ہوئیں امام سکینہ اور ان کی والدہ کے ساتھ اس قدر موانست رکھتے تھے کہ اس کے متعلق آپ کی زبانی اشعار بھی درج کتب کئے گئے ہیں۔ اگرچہ مجھ کو اس میں شک ہے کہ واقعی امام کی زبان سے نکلے ہوئے شعر ہیں۔

لعمرك انني لاحب داراً   تحل بها سكينة والرباب
احبهما وابذل جل مالي   وليس لعاتب عندی عتاب

"قسم ہے کہ میں اُس گھر کو محبوب رکھتا ہوں جس میں سکینہ اور رباب کا قیام ہو۔ میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں اور اپنے مال کے بڑے حصہ کو صرف کرنے کے لئے طیار ہوں اور میں اس بارے میں کسی شکوہ و نارضامندی کی پرواہ نہیں کرتا۔"

ان ہی رباب کے بطن سے یہ فرزند متولد ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا[۱]۔

اس کی شہادت کا واقعہ عجیب، دلدوز ہے۔ ظاہر ہے کہ ماں باپ کو چھوٹے بچوں سے انتہائی محبت ہوتی ہے۔ امام جب شہادت پر عازم ہوگئے تو درخیمہ پر تشریف لائے اور بچہ کو دیکھنے کے لئے اہل حرم سے منگوایا۔ بچہ لایا گیا۔ حضرت وہیں بیٹھ گئے اور بچہ کو گود میں لیکر گلے سے لگایا اور رخصت ہونے لگے۔ بے رحم دشمن کو یہ بھی گوارا نہ ہوا ایک تیر آیا اور اس نے بچہ کا کام تمام کر دیا۔

طبری نے عقبہ بن بشیر اسدی کی روایت لکھی ہے کہ ایک دفعہ مجھ سے ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (امام محمد باقرؑ) نے کہا کہ تمھارے قبیلہ بنی اسد پر بھی ہمارا ایک خون ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا حضور پھر میرا اس میں کیا قصور ہے۔ بتلائیے تو وہ خون کیا ہے۔" آپ نے فرمایا امام حسینؑ کے پاس آپ کا کمسن بچہ گود میں تھا۔ اس وقت تمھارے قبیلۂ بنی اسد میں سے ایک شخص نے ایک تیر لگایا۔ جو بچہ کے گلے پر لگا اور وہ بچہ اس سے ذبح ہو گیا حسینؑ نے اُس کا خون اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا

جب دونوں چلو خون سے بھر گئے تو آپ نے اُس کو زمین پر بہا دیا۔ پھر فرمایا۔

ب ان تک حبست عنا النصر من السماء فاجعل ذلک لما هو خیر و انتقم لنا من هؤلاء الظالمین

"پروردگار! اگر تیری مصلحت آج ہمیں فتح عطا کرنے کی نہیں ہے تو اس کا نتیجہ ہمارے لیے بہتر قرار دینا اور ان ظالموں سے ہمارا بدلا لینا"

اس روایت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ قاتل قبیلہ بنی اسد میں سے ایک شخص تھا۔ ابن شہر آشوب نے اولاد امام حسینؑ کے شہداء کی فہرست میں لکھا ہے ذبح عبد اللّٰه فی حجرہ

"عبد اللہ کو آپ کی گود میں ذبح کیا گیا"

اُنھوں نے اولاد امام حسینؑ کی فہرست میں یہ تصریح کی ہے کہ عبد اللہ کربلا میں شہید ہوئے اور وہ رباب کے بطن سے تھے۔

فاضل سماوی نے طبری کی مذکورہ بالا روایت اتنی ترمیم کے ساتھ درج کی ہے کہ حضرت نے خون بچہ کا آسمان کی طرف پھینکا امام محمد باقرؑ کی روایت ہے کہ اُس کا ایک قطرہ بھی زمین کی طرف واپس نہیں آیا۔ پھر حضرت نے خیمہ کے قریب ہی تلوار کے نیام سے ایک گڑھا بصورت قبر کھودا اور بچہ کو اُس کے خون بھرے لباس ہی میں اُس گڑھے میں دفن کر دیا۔

سید ابن طاؤس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ نے بچہ کو اپنی بہن جناب

زینب کے ہاتھ سے لیا اور جھکے تاکہ بچہ کو پیار کریں ۔ اتنے میں ایک تیر آیا جس سے اُس کا گلا چھد گیا ۔ آپ نے بچہ کو جناب زینب کے ہاتھ میں دیا اور کہا اس سے ذرا لئے رہو ۔ پھر آپ نے جیسا کہ گذرا گڑھا کھودا اور بچہ کو دفن کیا

ابو مخنف کا بیان ہے کہ تیر لگانے والا حرملہ بن کاہن اسدی تھا ۔ اور دوسرے لوگوں کی روایت ہے کہ عقبہ بن بشر غنوی نے تیر لگایا مگر پہلے قول کے مؤید امام محمد باقرؑ کی روایت ہے ۔

فاضل سماوی کا خیال ہے کہ "کاہن" نون ہی کے ساتھ ہے اور "کاہل" کی لفظ جو مشہور ہے وہ درست نہیں ہے ۔

علامہ سید محسن شامی لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ نے آواز استغاثہ بلند کی جس کو سُن کر خیمہ سے رونے کی آواز بلند ہوئی ۔ آپ خیمہ کے دروازہ پر تشریف لائے ۔ اور جناب زینب سے فرمایا کہ میرے چھوٹے بچہ کو میرے پاس لاؤ کہ میں رخصت کر لوں ۔ جناب زینب آپ کے فرزند عبداللہ کو جس کی ماں رباب بنت امرء القیس تھیں لے کر آئیں ۔ آپ نے بچہ کو لیا اور اپنی گود میں بٹھلایا اور چاہا کہ پیار کریں ۔ مگر حرملہ ابن کاہل اسدی نے ایک تیر لگایا جو بچہ کی گردن پر پڑا اور اُسے ذبح کر دیا ۔ حضرت نے زینب سے فرمایا کہ لو اس کو ۔ پھر آپ نے اُس کا خون اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا ۔ جب چلو خون سے بھر گئے تو آپ نے اُسے آسمان پر پھینک دیا ۔ ـــــ اور ایک روایت میں ہے کہ زمین پر بہایا ۔ پھر آپ نے بچہ کی لاش کو اٹھا کر اُس جگہ رکھ دیا جہاں دوسرے شہدا کی لاشیں تھیں ۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے تلوار کے نیام

سے گڑھا کھودا اور بچہ کو اُس کے خون میں آغشتہ کر کے اُس میں دفن کر دیا۔

زیارت شہدا میں بھی عبداللہ رضیع پر سلام موجود ہے ان الفاظ میں کہ :-

السّلام علی عبد اللہ بن الحسین الطفل الرضیع المرمی الصریع المتشحّط دما المصعد دمہ فی السّماء المذبوح بالسہم فی حجر ابیہ لعن اللہ رامیہ حرملۃ بن کاھل الاسدی وذویہ

اس میں وہی باتیں مذکور ہیں جو گذشتہ حوالوں سے آپ کے سامنے آچکی ہیں۔ عبداللہ نام۔ سن شیر خوارگی۔ طریقۂ قتل تیر۔ خون کا آسمان پر پھینکا جانا۔ تیر کا گلے پر پڑنا اور بچہ کا اُس وقت باپ کی گود میں ہونا قاتل کا حرملہ بن کاہل اسدی نام ہونا۔

ان تمام روایات سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ عبداللہ سن رضاعت میں تھے اور سن تمیز کو نہ پہونچے تھے۔

مگر صاحب ناسخ کہ جن کے اکثر انکشافات بالکل عالم بالا سے براہ راست ماخوذ معلوم ہوتے ہیں اس موقع پر بھی عجیب جدت آفرینی سے کام لیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

"در کتب معتبرہ مسطور است کہ بعد از شہادت علی اکبر طفلی از سراپردۂ حسین علیہ السلام بیروں شد وچنداں از آں واقعۂ ہولناک در ہول وہرب بود کہ اندام مبارکش چوں سیماب ناب مترجرج بود ودو گوشوارہ از لآل در گوش داشت کہ از لرزش سر وتن او لرزاں بود بیروں از سراپردہ ہراساں ولرزاں بایستاد وبجانب شمال ویمین نگراں بود ہانی بن ثبیت

برادر حملہ کرد داو را از پائے درآورد ہمانا علمائے احادیث نسب آں کودک شہید را از قوم ندانستہ اند وانچہ من بندہ فحص کردہ ام نام او عبداللہ بن الحسین است۔"

معلوم نہیں اس "فحص" اور جستجو کی کیا قیمت ہو سکتی ہے جو نصوص و تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔

(۳۳)

علی اصغر

ابن شہر آشوب نے شہدائے اہل بیت کی فہرست میں اولاد امام حسینؑ کے ذیل میں علی الاکبر ـــــ کے بعد پھر علی کا نام درج کیا ہے ـــــ اور اس کے بعد عبداللہ کو لکھا ہے کہ وہ آغوش پدر میں ذبح ہوئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی اصغر عبداللہ کے علاوہ امام کے کوئی فرزند تھے

اُنھوں نے علی اصغر کی شہادت کی تفصیل ان الفاظ میں لکھی ہے کہ جناب علی اکبر کی شہادت کے بعد امام حسینؑ بالکل تنہا رہ گئے آپ کی گود میں اُس وقت علی اصغر تھے۔ اس بچہ کو ایک تیر لگایا گیا جو بچہ کے گلے پر پڑا امام اُس کے خون کو گلے سے لے لے کر آسمان کی طرف پھینکنے لگے اور فرماتے تھے خداوندا یہ تیرے نزدیک بچہ ناقہ صالح سے کم نہ قرار پائے۔"

یہ واقعہ شہادت کا تقریباً وہی ہے جو آپ عبداللہ کے حالات میں سُن چکے ہیں۔

صاحب ناسخ لکھتے ہیں:۔

maablib.org

"علی اصغر کہ ہنوز شش ماہ مدت افزوں نداشت تشنہ و گرسنہ می نالید چہ مادرش از شدت عطش شیر در پستاں نداشت امام علیہ السلام فرمود فرزند من علی را بمن بسپارید تا باو وداع گویم و قماط آن طفل را بگرفت و اورا ببوسید و گفت ویل لهؤلاء القوم اذا کان جدك محمد خصیمهم یعنی وائے برایں قوم آں روز کہ جد تو محمد مصطفےٰ با ایشاں خصومت آغاز د وآں طفل را ببا ورد و در برابر صف برافراشت

گویا ہمی گفت اے بار خدای در گنجینہ من جز ایں گوہر بہائے نماندہ و او را نیز ہمی خواہم در راہ تو فدیہ کنم انگاہ باکوفیاں خطاب کرد کہ اے شیعیان آل ابوسفیان اگر مرا گناہگار دانستہ اید بدیں کودک گناہے نتوانید بست او را آب دہید کہ از شدت عطش شیر در پستان مادرش بخوشید ہیچ کس در پاسخ نگفت حرملہ بن کاہل اسدی تیرے بسوئے او کشاد داد و آں تیر بر حلقوم علی اصغر آمد و در گذشت و خون روان گشت . امام علیہ السلام کف بزیر آں خوں می داشت و چوں سرشار می شد بسوئے آسمان برمی افشاند امام محمد باقر علیہ السلام می فرماید ازاں خون قطرہ بسوئے زمین باز نیامد حسین علیہ السلام فرمود ھون علیّ ما نزل بی انہ بعین اللہ یعنی آسان است بر من چند کہ ہدف سہام ایں دواہی باشم چہ خداوند این جملہ را نگراں است ثم قال لا یکون اھون علیك من فصیل اللّٰھم ان کنت حبست عنا النصر فاجعل ذلك لما ھو خیر لنا عرض کرد اے پروردگار قتل طفل من در نزد تو سہل تر از کشتن بچہ ناقہ صالح نیست اگر امروز باز داشتہ از فتح و نصرت را مارا یاد اشی ادآں

maablib.org

بهنر عنایت فرما اینوقت بروایت ابن جوزی کہ از علمائے اہل سنت وجماعت است ہاتفی ندا درداد دعہ یا حسین فان لہ مرضعۃ فی الجنۃ یعنی اے حسین دست ازیں کودک بازدار کہ در بہشت از برائے او مرضعی مقرراست کہ او را شیر دہد پس تحسین بروایت صاحب عوام بدن علی اصغر را با خون او براند و در شرح شافیہ مسطوراست کہ از اسپ فرود آمد و براو نماز گذاشت و بایں غلاف تیغ حفرہ درزمین کرد و او را مدفون ساخت۔"

یہ واقعہ تقریباً وہی ہے جو شہادت جناب علی اصغر کے سلسلہ میں مشہور و معروف ہے اور کثیر التعداد کتب مقاتل میں درج ہے۔ بیشک زیارت شہداء اور بہت سی کتابوں میں جناب علی اصغر کا نام شہدائے کربلا میں نہیں ہے بلکہ عبداللہ الرضیع کا نام ہے۔ ارباب مقاتل کی اس روایت کی صحت کی بناء پر یا تو یہ کہا جائے کہ عبداللہ الرضیع کا نام علی بھی ہے اور اس طرح دونوں روایتوں کو سمو کر ایک بنا لیا جائے یا یہ کہا جائے کہ عبداللہ۔ اور علی اصغر دو بچے تھے جو کربلا میں شہید ہوئے ایک بوقت رخصت امام کی گود میں اور ایک ہاتھوں پہ طلب آب کے موقع پر جیسا کہ ابن شہر آشوب کا مختار معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے فہرست شہدا میں عبداللہ۔ اور علی اصغر دونوں نام الگ الگ درج کئے ہیں۔

(۴۳)

ابراہیم بن الحسینؑ

ابن شہر آشوب نے شہدائے کربلا کی فہرست میں اولاد امام حسینؑ کی

تعداد دیکھی لکھی ہے اور جناب علی اکبر کے بعد ابراہیم کا نام درج کیا ہے۔ علامہ سید محسن نے بھی ان ہی کے حوالہ سے یہ نام درج کیا ہے۔

(۳۵)

محمدؑ بن الحسینؑ

ان کا نام بھی ابن شہر آشوب نے درج کیا ہے۔ اولاد امام حسینؑ کی فہرست میں انھوں نے محمد اور عبد اللہ دونوں کو جناب رباب کے بطن سے لکھا ہے۔

(۳۶)

حمزہ بن الحسین

یہ بھی ابن شہر آشوب کی روایت ہے۔

(۳۷)

جعفر بن الحسین

فہرست شہدا میں ان کا نام بھی ابن شہر آشوب نے لکھا ہے۔

(۳۸)

عمر بن الحسین

ان کے نام کے ذکر میں بھی ابن شہر آشوب منفرد ہیں۔

(۳۹)

زید بن الحسینؑ

یہ بھی ابن شہر آشوب کی فہرست میں شہدائے کربلا کے ذیل میں مذکور ہیں۔
افسوس ہے کہ تمام معتبر ماخذ اور زیارت شہدا ان ناموں سے خالی ہیں۔ صرف

MAAB 1431 maablib.org

ابن شہر آشوب کی روایت پر اعتماد اس باب میں بہت مشکل ہے۔ پھر تفصیل کا بھی کچھ پتہ نہیں کہ یہ صاحبزادے کم سن تھے یا جوان لڑکر شہید ہوئے یا بے لڑے ہوئے

(۷۰)

عبداللہ بن الحسنؑ

شیخ طوسیؒ نے اصحاب امام حسینؑ کے ذیل میں اُن کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ کربلا میں شہید ہوئے اُن کی والدہ کا نام ام الرباب بنت امرئ القیس بن عدی بن اوس بن جابر کعب بن علیم تھا۔ نسب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جناب رباب مادر سکینہ و عبداللہ الرضیع کی بہن ہیں کیونکہ امرئ القیس اپنی تین لڑکیاں اپنے ساتھ مدینہ لائے تھے۔ ان میں سے ایک کے ساتھ امام حسنؑ کا عقد ہوا اور ایک کے ساتھ امام حسینؑ کا۔ رباب زوجہ امام حسینؑ کے بطن سے سکینہ و عبداللہ الرضیع کی ولادت ہوئی اور ام الرباب زوجہ امام حسنؑ کے بطن سے عبداللہ بن الحسنؑ پیدا ہوئے۔ دوسرے لوگوں نے لکھا ہے کہ ان کی والدہ جریر بن عبداللہ بجلی کی بھتیجی رملہ بنت شلیل بن عبداللہ تھیں۔[۱] بحار نے لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ زخموں سے چور ہو گئے تھے اور زمین پر تشریف لا چکے تھے اُس وقت ایک بچہ خیمہ سے برآمد ہوا اور امام کی طرف چلا۔ جناب زینبؑ نے اُس بچہ کو روکنا چاہا اور امام نے بھی فرمایا کہ اے بہن بچہ کو روکو آنے نہ دینا۔ مگر بچہ نے کسی طرح نہ مانا اور وہ دوڑتا ہوا امام کے پاس آگیا۔ اس وقت بحر بن کعب بن عبیداللہ تیمی امام پر تلوار کا وار کرنا چاہتا تھا۔ بچہ نے کہا "یا ابن الخبیثة اتقتل عمی۔ اے زن خبیثہ کے بیٹے کیا تو میرے چچا کو قتل کریگا؟" اُس نے تلوار لگائی۔ بچہ نے اُسے اپنے ہاتھ پر روکا۔ وہ ہاتھ جلد کے آخری حصہ تک کٹ گیا اور لٹکنے

[۱] تنقیح المقال جلد ۲ صفحہ

لگا۔ بچہ نے آواز دی "ارے میری ماں" امام حسینؑ نے اُس کو اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا "اے میرے بھتیجے صبر کر اس مصیبت پر اور اس کے بہتر نتیجہ کا انتظار کر۔ تو بھی اب اپنے بزرگوں کے پاس رسول اللہ اور علی بن ابیطالب اور حمزہ و جعفر اور حسن مجتبیٰ کی خدمت میں پہونچ جائے گا۔"

یہ وہی واقعہ ہے جو عبداللہ بن الحسنؑ کی شہادت کے سلسلہ میں مشہور ہے مگر طبری میں نام نہیں ہے۔ علامہ مامقانی نے بلاشبہ یہی واقعہ عبداللہ بن الحسن کے نام کے ساتھ درج کیا ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ بچہ کو امام اپنے سینہ سے لگائے رہے یہاں تک کہ آپ ہی کے آغوش میں اس کی روح نے جسم سے مفارقت کی۔

زیارت شہداء میں ہے:۔

السلام علی عبداللہ بن الحسن بن علیؑ الزکی لعن اللہ قاتلہ ورامیہ حرملۃ بن کاھل الاسدی۔

اس میں عبداللہ کا قاتل حرملہ کو قرار دیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے تیر لگایا۔ مشہور یہ ہے کہ ہاتھ قطع ہونے کے بعد جب امام نے گلے سے لگایا تو حرملہ نے چلہ کمان میں تیر جوڑ کر بچہ کی طرف روانہ کیا اسی سے عبداللہ کی شہادت ہوئی۔

ابن شہر آشوب نے شہدائے کربلا کی فہرست میں ان عبداللہ کا نام درج نہیں کیا ہے۔ بلکہ عبداللہ اکبر کا نام اور ان کی جنگ اور شہادت کا حال لکھا ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا۔ اولاد امام حسنؑ کے شہداء میں اُنھوں نے ابو بکر اور عبداللہ اور قاسم کے بعد لکھا ہے کہ

بشر یا عمرو جو کمسن تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بچہ کا نام بشر یا عمرو ہے۔
(اَلْعِلْمُ)

محمد بن ابی سعید بن عقیل

شیخ طوسی نے رجال میں اصحاب امام حسینؑ میں درج کیا ہے۔ ابن داؤد نے بھی اُن کا نام لکھا ہے مگر "ابی" کی لفظ حذف کر دی ہے اور "محمد بن سعید" نام تحریر کیا ہے۔ علامہ مامقانی کا بیان ہے کہ کتب سیر میں اُن کی عمر سات برس لکھی ہوئی ہے۔ کفایۃ الطالب میں حمید بن مسلم کی زبانی نقل کیا ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہو چکے اور دشمنوں نے خیام اہلبیت پر ہجوم کیا اور اہل حرم میں تہلکہ برپا ہوا تو ایک بچہ خیمہ سے نکلا جو گھبرا گھبرا کر داہنے اور بائیں نظر ڈال رہا تھا۔ ایک سوار نے اُس پر حملہ کیا اور تلوار سے قتل کر ڈالا۔ میں نے تحقیق کیا کہ اس بچہ کا نام کیا ہے تو معلوم ہوا کہ محمد بن ابی سعید بن عقیل جس کی عمر سات برس تھی اور وہ سوار لقیط ابن ایاس جہنی تھا۔ زیارت شہداء میں اُن کے قاتل کا نام لقیط ابن یاسر جہنی لکھا ہے۔ علامہ سید محسن نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے۔ انھوں نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ بچوں کے کانوں میں موتی تھے اور وہ اپنے ہاتھ میں خیمہ کی ایک چوب لئے ہوئے تھا۔ ہانی بن ثبیت حضرمی نے اس پر حملہ کیا اور قتل کر ڈالا۔ اُن کی ماں شہر بانو دیکھ رہی تھیں اور دہشت زدہ مدہوش ہو گئی تھیں کچھ بات نہ کرتی تھیں (ملاحظہ ہو اعیان الشیعہ جلد ۴ صـ ۲۴۳)

آخری جز و بالکل غلط ہے۔ کیونکہ عقیل کے پوتے کی ماں شہر بانو ہو ہی نہیں سکتیں۔ ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ محمد بن سعید بن عقیل نے

ان بیانات اور خصوصاً زیارت شہداء میں ذکر کی بناء پر یہ تصدیق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ محمد بن ابی سعید بن عقیل کی شہادت واقعہ کربلا میں ہوئی ہے۔ مگر اس سے زیادہ آپنے دیکھا کہ محل اختلاف ہے اور بالکل مشکوک ہے۔

اختتامی تبصرہ

میں نے شہدائے اہلبیت کے اسماء کے درج کرنے میں بہت وسعت حوصلہ سے کام لیا ہے اور ہر ایسے شہید کا نام درج کر دیا ہے جس کے متعلق کوئی بھی قابل لحاظ شہادت موجود ہے مگر ضمناً اکثر شہیدوں کے حالات میں اختلافی خیال کا اظہار کر دیا ہے اور اپنی رائے لکھدی ہے۔ آخر میں چاہتا ہوں کہ بطور خلاصہ اُن حضرات کے اسماء درج کر دوں جن کی شہادت واقعہ کربلا میں میرے نزدیک ثابت ہے۔ حالات انکے سابق میں درج ہو چکے ہیں اور ترتیب بھی اصل کتاب سے ظاہر ہوگی

اولاد امام حسینؑ ۔ علیؑ اکبر ۔ عبداللہ الرضیع ۔

اولاد امام حسنؑ ۔ قاسمؑ ۔ ابوبکرؑ ۔ عبداللہ

اولاد امیر المومنینؑ ۔ عباسؑ ۔ عبداللہؑ ۔ عثمانؑ ۔ جعفرؑ ۔ محمدؑ

اولاد جعفر ۔ عونؑ و محمدؑ ۔ فرزندان عبداللہ بن جعفر ۔

اولاد عقیل ۔ عبداللہ و محمد ۔ فرزندان مسلم بن عقیل ۔ جعفر بن عقیل ۔ عبدالرحمن بن عقیل ۔ محمد بن ابی سعید بن عقیل ۔

یہ افراد ہیں جن کی شہادت بظاہر یقینی ہے ۔

اکثر کتابوں میں بنی ہاشم جو واقعہ کربلا میں شہید ہوئے ۔ اُن کی تعداد اٹھارہ لکھی ہے ۔ اس صورت میں یہ فہرست غالباً بالکل صحیح ہے ۔ صاحب مناقب نے لکھا ہے کہ اکثر علماء شہدائے بنی ہاشم کی تعداد ۲۷ قرار دیتے ہیں

والسلام علی نقی النقوی عفی عنہ

مرکز احیاء آثار برصغیر
MAAB 1431
maablib.org

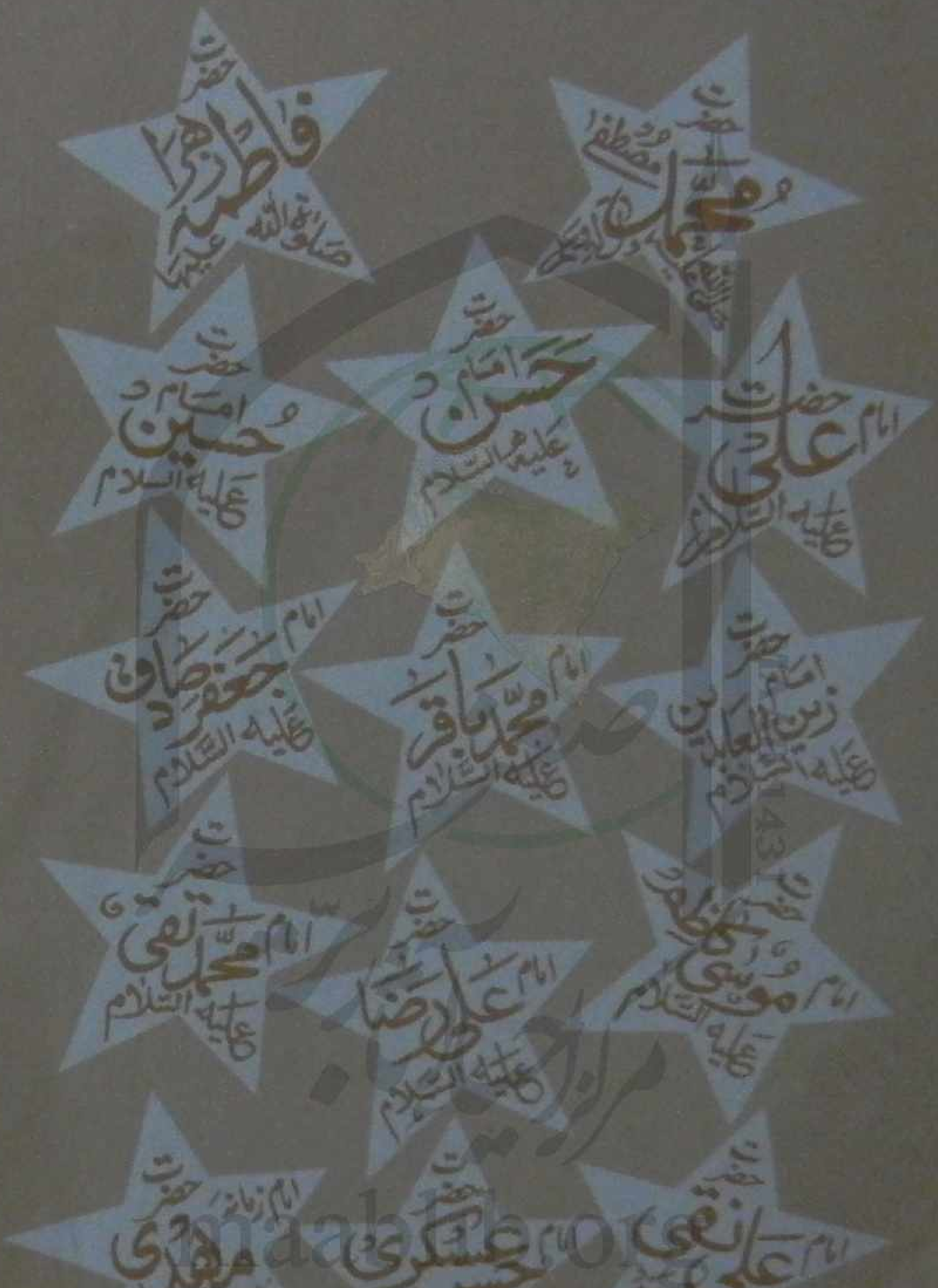
حضرت محمد مصطفی صلی الله علیه و آله
حضرت فاطمه زهرا صلوات الله علیها
حضرت امام علی علیه السلام
حضرت امام حسن علیه السلام
حضرت امام حسین علیه السلام
حضرت امام زین العابدین علیه السلام
حضرت امام محمد باقر علیه السلام
حضرت امام جعفر صادق علیه السلام
حضرت امام موسی کاظم علیه السلام
حضرت امام علی رضا علیه السلام
حضرت امام محمد تقی علیه السلام
حضرت امام علی نقی علیه السلام
حضرت امام حسن عسکری علیه السلام
حضرت امام زمان مهدی عجل الله تعالی فرجه
maablib.org

MAAB 1431
maablib.org

ادارہ کی صرف کربلا والوں پر پیش کردہ ۲۰ کتابیں

شہزادہ علی اصغرؑ دو ایڈیشن	سوانح عابس شاکری رح دو ایڈیشن	سوانح زہیر بن قین رح دو ایڈیشن	سوانح ہلال بن نافع رح دو ایڈیشن
سوانح عون ابنِ علیؑ تین ایڈیشن	سوانح حضرت عباسؑ	سوانح حضرت حُر رح	سوانح زعفر جن رح
سوانح حبیب ابنِ مظاہرؑ اسدی تین ایڈیشن	سوانح حضرت زینب کبریٰ	سوانح یزید بن کندی رح دو ایڈیشن	سوانح بریر ہمدانی رح دو ایڈیشن
سوانح مسلم بن عوسجہؑ دو ایڈیشن	سوانح حضرت محسنؑ	سوانح عثمان بن علی رح دو ایڈیشن	سوانح سکینہ بنت حسینؑ تین ایڈیشن
سوانح جون غلام ابی ذر رح	مختصر سیرت شہزادہ علی اکبرؑ کے شبہات کا جواب	قاسمؑ ابنِ حسنؑ اور عروسیِ قاسم پر دو جلدیں علامہ ابرار نوری کی چھپی ہوئی چھٹی جلد زیر تصنیف ہے	سوانح مسلم بن عقیلؑ دو ایڈیشن

ناشر: رحمت اللہ بک ایجنسی بالمقابل بڑا امام بارگاہ کھارادر کراچی ۷۴۰۰۰